پرکاشِکا-۱

دیوان زادہ

شیخ ظہور الدین حاتم

مرتبہ
عبدالحق

राष्ट्रीय पाण्डुलिपि मिशन
॥ विज्ञानमुपास्व ॥
National Mission for Manuscripts

دیوان زادہ

پرکاشکا سیریز
نمبر۔۱

جنرل ایڈیٹر
دپتی ایس. ترپاٹھی

دیوان زادہ

شیخ ظہور الدین حاتم

مرتبہ

عبدالحق

سابق صدر شعبۂ اُردو
دہلی یونیورسٹی، دہلی



نیشنل مشن فار مینُسکرپٹس

دِلّی کتاب گھر

ناشر
نیشنل مشن فار مینُسکرپٹس
۱۱-مان سنگھ روڈ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱
فون : 23073387 11 91+
ای میل : director.namami@nic.in
ویب سائٹ : www.namami.org

بہ اشتراک

دِلّی کتاب گھر
۳۹۶۱-گلی خانخانان، جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶
فون : 23252696 11 91+
ای میل : dillikitabghar@gmail.com

قیمت : 250 ₹

Prakashika Series
ISBN 978-93-80829-02-9
ISBN 978-93-80829-04-3

اشاعتِ اوّل ۲۰۱۱ء

والد

تصور حسین مرحوم

والدہ

بشیر النسا مرحومہ

کے نام

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

ترتیب

حرفِ آغاز

یہ میرے رب کا بے پایاں احسان ہے کہ اس نے اس مسودے کی اشاعت کے لیے سہولت فراہم کی۔ راقم نے جنوری ۱۹۷۷ء میں شاہ حاتم کے دیوانِ قدیم کا ایک انتخاب شائع کیا تھا۔ بعدازاں دہلی اردو اکاڈمی نے کلامِ حاتم کے ایک دوسرے انتخاب کے کئی اڈیشن شائع کیے۔ کچھ برس پہلے حاتم پر ایک مونوگراف بھی اکاڈمی نے شائع کیا۔ ناچیز ان کاموں کو قدر کی نظر سے دیکھتا ہے اور حاتم شناسی کے لیے فالِ نیک تصور کرتا ہے۔ ۱۹۷۲ء میں بیاض کی دستیابی سے اب تک کوشش کرتا رہا کہ 'دیوان زادہ' کی تدوین کی تکمیل ہو۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے ۱۹۷۵ء میں دیوان زادہ کو بڑی محنت اور خلوص سے تیار کر کے شائع کیا تھا۔ یہ لاہور، لندن، کراچی اور رام پور کے خطی نسخوں کی مدد سے مرتب کیا گیا تھا۔ ان کی تحقیقی نظر نے اسے معیار اور اعتبار سے ہم کنار کیا۔ نئے مخطوطے کے تقابلی مطالعے سے محسوس ہوا کہ مرتب کردہ کلام میں اضافے کی گنجایش باقی ہے۔ اسی دوران دہلی، علی گڑھ اور لکھنؤ کے خطی نسخوں کی بازیافت نے مزید ہمت افزائی کی۔ اب معلوم شدہ سات نسخے سامنے ہیں، جن میں غیر مطبوعہ کلام کا ایک حصہ نظر آیا۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کا ممنونِ کرم ہوں کہ ان کے کام نے حوصلہ زیاد پیدا کیا۔ یہ بھی خیال ہوا کہ وہ پاکستان سے شائع ہوا اور اب دستیاب نہیں ہے لہٰذا ایک ہندوستانی اشاعت مناسب ہے۔ ان کے مرتب کردہ دیوان زادہ سے براہ راست مستفیض ہوتا رہا۔ دوسرے خطی نسخوں کے تقابل اور تجزیے نے تدوین کے لیے تشویق پیدا کی۔

انتخاب کی اشاعت سے اب تک حاتم کے بارے میں معلومات کم وبیش وہی ہیں۔ ان میں اضافہ نہیں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان چاروں تالیفات کے مقدمات اور مباحث میں تکرار نظر آئے گا۔ عبارت واقتباسات میں بھی یکسانیت ملے گی۔ مواد وموضوع میں بھی بہت کچھ مشابہت موجود ہے۔ اندازِ پیش کش بھی بہت مختلف نہیں ہے۔ انھیں نظر انداز کیا جائے اور ایک قدیم متن کی بازآفرینی اور اشاعت کو قابلِ ذکر سمجھا جائے۔ خاکسار نے کچھ نئی معلومات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ قدیم زبان اور املا کو کہیں کہیں محفوظ رکھنے کی سعی بھی شامل ہے۔ اور تبدیلی بھی

موجود ہے تاکہ متن کو آج کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جاسکے۔ یہ تبدیلی مخطوطات کے مندرجات کے مطابق ہے۔ علی گڑھ کا متن اس اعتبار سے راہ نما ہے۔ جدید وقدیم کی یہ کشمکش متون کی تدوین میں ایک سنجیدہ مسئلہ ہے۔

ان مخطوطات میں نسخۂ لاہور سب سے اہم ہے۔ اس میں سب سے زیادہ کلام شامل ہے۔ کیونکہ یہ حاتم کے آخری زمانے میں مرتب ہوا۔ اور ان کے شاگرد کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ لہٰذا یہ اعتبار کے لائق بھی ہے۔ دوسرے نسخوں میں کہیں کہیں اضافہ ملتا ہے، انھیں شاملِ متن کیا گیا ہے۔ پیشِ نظر ترتیب میں سبھی نسخوں کے متون سے مدد لی گئی ہے۔ کسی ایک نسخے کو اساسی نہیں قرار دیا گیا ہے۔ راقم نے بہتر سے بہتر متن کو پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ ایک ناتمام فرہنگ بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار مرحوم نے دیوان کی ترتیب سنین کے اعتبار سے کی ہے۔ یہ تاریخی شعور کے ساتھ مفید کوشش ہے۔ ناچیز نے مخطوطات اور دواوین کے روایاتی اصول کو باقی رکھا ہے جس میں حروفِ تہجی کی ترتیب کو ترجیح دی جاتی رہی ہے۔ قدما کے اصولوں کی پابندی کو ضروری سمجھ کر یہ پیروی کی گئی ہے۔ ماہ وسال کے تعین میں بعض ناگزیر دشواریاں حائل ہوتی ہیں اور منشائے مصنف سے انحراف کا امکان رہتا ہے۔

اس تدوین میں ایک ذہنی کشاکش سے دوچار رہا ہوں۔ علامہ اقبال سے زندگی بھر کی جذباتی وابستگی سے ترکِ تعلق اور شاہ حاتم سے مراجعت، مرحلۂ شوق کے لیے دامِ فریبِ تمنا سے کم نہ تھی۔ پیچ وتاب اور سوز وساز میں الجھا رہا۔ جب متن اور مخطوطہ ذہن پر بار بنتا ہے تو کلامِ اقبال کے سایۂ دیوار میں سکون وثبات کی خاطر پناہ نشین ہوتا ہوں۔ اس طرح دونوں موضوعات سے لطف اندوزی میرے مطالعہ کا خوش گوار پہلو ہے۔ ادبی مطالعہ میں جدید وقدیم میں فرق یا فاصلہ درحقیقت دلیلِ کم نظری ہے۔ دیروزود یا بیش وکم کے تصورات تخلیقی تسلسل کی تفہیم میں سنگِ راہ بن کر حائل ہوتے ہیں۔ فکر وخیال کی ان نظر فروزاداؤں سے پرہیز لازم ہے۔ سلسلۂ فن کو اعصار و آنات میں محدود کردینا کم نگہی اور بے بصیری کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ تخلیق مربوط و مسلسل عمل سے حیاتِ نو حاصل کرتی رہتی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ بعض پہلو حاتم اور اقبال کے درمیان اقدار کے اشتراک کی حیثیت رکھتے ہیں، جس سے سلسلۂ فکرِ انسانی کا ادراک ہوتا ہے۔

اس تالیف کی تیاری میں میرے مخلص مہربانوں نے ہر طرح سے میری مدد کی ہے، ان کا شکر گزار ہوں۔ پروفیسر دیپتی ایس. ترپاٹھی اور ڈاکٹر ایس. ایم. باسو کا خاص طور پر ممنونِ کرم ہوں۔ شریکِ حیات اور بیٹیوں نے اپنے بھرپور تعاون سے نوازا۔ ان کی صحت وسلامتی کے لیے دعا گو ہوں۔

عبدالحق

۲۴ر جنوری ۲۰۱۱ء

مقدمہ

شاہ حاتم دہلوی ایوانِ سخن کے اوّلین معماروں میں سب سے منفرد اور محترم شخصیت کے مالک ہیں۔ان کی شاعری طلوعِ صبحِ فردا کی بشارت سے بھرپور بانگِ اذاں کی طرح سرودِ سحر آفریں ہے۔ وہ زنجیرِ ایام کے اندیشوں سے آزاد، بود و نبود سے بے نیاز اور عظیم اقدار کے ترجمان ہیں۔ان کا کلام معاصر محسوسات کا آئینہ خانہ ہی نہیں عالمِ ناپید کو بھی شفاف و بے حجاب دیکھنے کے لیے ایک جامِ جہاں نما ہے جس میں روز و شب کے نشیب و فراز کی داستان پوری جلوہ گری کے ساتھ محفوظ ہے۔اس میں لطف و لذت کی پرکیف زندگی کے ساتھ نالہ بول دوز کی حکایتِ خوں چکاں بھی موجود ہے۔ وہ قیامت خیز انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئے جب دنیا کی سب سے مستحکم حکومت کے در و دیوار پر لرزہ اور قصرِ شاہی میں کہرام برپا تھا۔ خاص و عام پناہ گاہوں کی تلاش میں دربدری سے دوچار تھے۔ میر جیسے قانع و قنوطی اور خلوت نشیں بھی ترکِ وطن کے لیے مجبور ہوئے۔ خرابۂ دہلی کو لکھنؤ سے وہ چند بہتر کہنے والے پورب کے اجنبی دیار میں پناہ گزیں ہی نہیں وہیں پیوندِ خاک بھی ہوئے۔ شاہ حاتم کا استقلال دیکھئے کہ خاکِ دہلی سے دوری گوارا نہ ہو سکی۔ جائے پیدائش کی محبت سے محرومی انھیں قبول نہ تھی وہ جس خاک کے خمیر سے اٹھے تھے جسم و جاں کو اس کے سپرد کیا۔ عالم میں انتخاب دہلی سے ایسی والہانہ محبت کرنے والا بھی نہیں دیکھا گیا۔ وہ اجڑے ہوئے دیارِ دہلی کو کابل و کشمیر پر قربان کرنے کے لیے کبھی تیار نہ ہوئے۔ دہلی سے باہر قدم نہیں رکھا۔ فصیلِ شہر کے اندر رہ کر رندِ باصفا کی طرح رازِ گنبدِ عالم کا عرفان حاصل کرتے رہے۔ وہ بڑے خوش نصیب تھے۔ شاہی میں فقیری اور درویشی میں دُرفشانی کرتے رہے۔ وہ امیر کے داروغۂ مطبخ تھے۔ گزر بسر شاہ بادل کے تکیے میں کیا۔ نعمتوں کی فراوانی کے باوجود نانِ جویں کے سہارے زندگی گزار دی۔ ان متضاد مشاہدات سے معمور مثالیں نایاب نہ سہی کمیاب ضرور ہیں۔ یہی ان کی متاعِ سخن ہے جس میں ہر رنگ کی آمیزش ہے۔

اسے جلوۂ صد رنگ یا ہشت پہلو جامِ آتشیں بھی کہہ سکتے ہیں۔ سیاسی وثقافتی زوال میں نفسیاتی اور عملی پژمردگی اجتماعی زندگی کی نوشتۂ تقدیر بن جاتی ہے۔ قوت وشوکت کے حوصلے پست ہوکر جمود و تعطل میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ ایسے مہلک ماحول میں زندگی کو جواں اور جولاں رکھنے کا درس شاہ حاتم کے کلام کا انقلاب آفریں پیغام ہے جو حرارت وحرکت کی بازیافت اور بیداری کے لیے مثلِ شعاعِ آفتاب ہے۔ وہ معلمِ اخلاق نہ تھے۔ مگر کردار وگفتار میں ایک مثالی پیکر کے حامل تھے۔ زوال پذیر معاشرہ میں ہجو وہزل گوئی سے حاتم کے بیشتر معاصرین کا موئے قلم محفوظ نہ رہ سکا۔ خدائے سخن کہے جانے والے میر بھی اس آلودگی میں ملوث ہوئے۔ بلکہ اس کثافت کو پھیلانے میں پیش پیش تھے۔ جب کہ شاہ حاتم نے کسی کی نہ توہین کی اور نہ تضحیک وہ اسے قبیح سمجھنے کے ساتھ باز رہنے کی تلقین بھی کرتے رہے۔ یہ ان کے فکر وسخن کی سرفرازی اور کردار کی سربلندی تھی۔ وہ ایک شاعر تھے، صوفی اور سپہ گری کے آداب واقدار سے پوری طرح آشنا تھے۔ ان عناصر نے ان کی شفاف شخصیت کو نور افشانی بخشی تھی۔ شعر وسخن کے مسجد ومحراب ایسے ہی مردِ کار آفریں وکارکشا کو خوش آمدید کہنے کے لیے منتظر رہا کرتے ہیں۔

وہ فلسفی یا مفکر نہ تھے۔ انھوں نے رازِ درونِ عالم کے انکشاف کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ وہ ایک باشعور اور حساس سوچ کے نگہدار تھے جس کے لیے شرر سے شعلہ تک رسائی آسان ہوجاتی ہے۔ زمان ومکان کے احوال پر ان کی نظر تھی۔ شاید اسی لیے انھوں نے تقریباً ہر غزل پر تاریخِ تخلیق لکھنے کا اہتمام کیا۔ بحر واوزان قلم بند کیے۔ دیوان پر ایک فکر انگیز مقدمہ لکھا۔ ان امور نے انھیں انفرادی سبقت وسیادت بخشی جس میں کوئی ان کا حریف نہ بن سکا۔ اس سربراہی میں شہر آشوب کی تخلیق بھی گوہرِ شاہوار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سعادت کے لیے خامۂ حق نے حاتم کی لوحِ جبیں کو خالی رکھی تھی جسے انھوں نے خود اپنے قلم سے رقم کی ہے۔ وہ ثمر بیز شجرِ سایہ دار تھے۔ ایک طرف عوام معتقد تھے تو دوسری طرف مختلف منصبوں پر فائز مقتدر ومختار احباب بھی انھیں احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مصحفی کا بیان ہے:

"از بسکہ ایں خرابہ از قدر داناں معمور بود۔ امیر زادہائے والا اعتبار ورو سائے ذوالاقتدار اورا پیش بتواضع وتعظیم پیش آمدہ۔ برمسندِ خود برابر جامیدادند ومناسب حال خود ہا ہر یکے زر وافر میگذرانید۔"[۱]

تلامذہ کی ایک بڑی تعداد حلقہ نشین تھی۔ سوادِ اعظم کا سب سے بڑا شاعر مرزا محمد رفیع سودا اصلاحِ سخن کے لیے شاہ حاتم سے کسبِ فیض کرتا ہے۔ تو دوسری طرف اردو کا نابغۂ روزگار فن کار بتیس کتابوں کے مصنف اور سترہ زبانوں پر قدرت رکھنے والے یکتائے روزگار سعادت یار خاں رنگین شاہ حاتم جیسے سخن شناس کی شاگردی پر

---

[۱] عقدِ ثریا، ۲۳

فخر کرتے ہیں۔ سلسلۂ سخن کے حسب نسب میں بھی کسی اور کو یہ امتیاز حاصل نہ ہو سکا۔ زمینِ شعر میں حاتم کے بوئے ہوئے بیج کے برگ و ثمر سے ہم فردائے قیامت تک سبک سار نہیں ہو سکتے۔

وہ اس لحاظ سے بھی خوش نصیب تھے کہ کاتبِ تقدیر نے انھیں ایک طویل عمر بخشی تھی۔ نوے سال کی عمر پائی۔ اس مدت میں کتنے انقلاب آئے اور کئی نسلیں جوان ہوئیں۔ لسانی اور شعری معیار و میزان بھی بنتے اور بگڑتے رہے۔ اردو زبان وادب کی ابتدائی تاریخ و تبدیلی کے وہ شاہدِ اول ہیں۔ انھوں نے ستر سال تک تخلیقِ شعر کے چراغ کو فروزاں رکھا۔ تقریباً بیس سال کی عمر سے شاعری کا آغاز کیا۔ انتقال سے دو سال قبل کا کلام 'دیوان زادہ' میں موجود ہے جس سے ان کے تخلیقی تواتر اور صحت و سلامتی کا یقین ہوتا ہے۔ ساتھ ہی شعر و ادب سے ان کے بے پایاں اخلاص و انہماک کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ حاتم کی ۱۱۹۷ھ کی تینوں غزلیں قلندرانہ نغمہ سرائی اور خوش ادائی کے اظہار سے معمور ہیں:

آسرا غیرِ خدا ڈھونڈھے ہے کس کا حاتم
کیجیے چھوڑ اسے اور کدھر کا تکیہ

دوسری غزل کا جاں آفریں کائناتی پیغام ملاحظہ ہو:

کیا بیٹھا ہے راہ میں مسافر
چلنا ہی یہاں سے پیش پا ہے
امروز جو ہو سکے سو کرلے
فردا کہ خبر نہیں کہ کیا ہے

تیسری غزل کے ابتدائی تین اشعار رہ و رسمِ عاشقی کی غمازی کرتے ہیں تو آخری تین اشعار ان کی درویش مزاجی پر دال ہیں:

ڈھونڈتے کیوں ہو تم حاتمؔ کے تئیں
اپنے گھر میں وہ کسی کام میں ہے
ہے سفر دور کا اس کو درپیش
اپنے چلنے کے سر انجام میں ہے

عاشقی و درویشی کا یہی حسنِ ارتباط و امتزاج ان کے فکر و شعر کی روحِ رواں ہے۔ اس راہ میں انصاف و اعتدال سے گزرنا آسان نہ تھا۔ مگر شاہ حاتم نے دونوں سے شادمانی اور کامرانی کے ساتھ نباہ کرنے کی مثال قائم کی۔

شیخ ظہورالدین عرف شاہ حاتم ان گوناگوں امتیاز و اکتساب کے باوجود تنقیدی توجہ سے محروم رہے۔ وجوہات جو بھی ہوں حقیقت یہی ہے کہ ان کے کلام سے خاطر خواہ التفات نہیں برتا گیا۔ جس کے وہ بجا طور پر حقدار تھے۔ اسلاف کے اقوال پر اعتماد نے گمراہی کے در وا کیے ہیں۔ وقت کے بڑے نباض جعفر کو زٹلی کہہ کر یاد کیا گیا۔ اپنے عہد کے متبحر عالم اور بے مثل ادراک کے حامل رنگین کو ریختی گو کہہ کر نظر انداز کیا گیا مقبولیت کے مینار پر صدر نشین نظیر کو بازاری شاعر کی نظر سے دیکھا گیا۔ جب کہ ان فن کاروں کی خدمات کے اعتراف کے بغیر تاریخِ ادب کی کوئی کوشش بار آور نہیں ہو سکتی۔ شاہ حاتم کو بھی کسی حد تک ستونِ دار سے سابقہ پڑا۔ میرؔ نے اپنی تنک مزاجی کے طفیل تنقید کی۔ بہت دنوں تک حاتم کو اسی نظر سے دیکھا گیا۔ جب کہ بیشتر تذکرہ نگاروں نے صدق و یقین کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ آخری تذکرہ نگار مولانا محمد حسین آزاد نے شاہ حاتم کے 'مقدمہ دیوان' پر ۱۸۶۷ء میں عالمانہ لکچر دیا اور اسے شائع کر کے اس کے محاسن سے عوام کو متعارف کرایا۔ 'آبِ حیات' میں تحسین کے ساتھ تذکرہ کیا۔

شاہ حاتم شمالی ہند کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ وہ کئی ادبی رجحانات اور رویوں کے مبتدی ہیں اور محافظ بھی۔ شاعری کے صحیح مزاج کی ساخت و پرورش میں انھوں نے بڑے ناز برداشت کیے ہیں۔ انھوں نے ادب کو آگہی بخشی ہے۔ ان کے کلام میں سماجی نشیب و فراز کی کہانی بھی ملتی ہے۔ افراد و عوام کی فکری و تہذیبی تاریخ کا جو شعور انھیں حاصل تھا وہ دور دور تک دوسروں کو میسر نہ آسکا۔ ان کی دل نواز شخصیت بہت سادہ، پرخلوص اور پہلودار ہے۔ فکر و عمل کی ہم آہنگی نے اسلوبِ زندگی میں بڑی دل کشی پیدا کی ہے۔ وہ مکر و فن سے معمور اس خرابے سے دامن کشاں گزرے۔ اس بے نیازی نے ان کی شخصیت میں درویشی و قلندری کے جوہر پیدا کیے۔ شمالی ہند میں صوفیانہ شاعری کی روایت انھیں سے شروع ہوتی ہے۔ وہ اپنے دور کے سب سے زیادہ قادرالکلام شاعر ہیں۔ یہ بات کہ دیوانِ ولی کی آمد سے شمالی ہندوستان میں شاعری کا آغاز ہوا، اتنی بار دہرائی جاتی رہی ہے کہ یہ مفروضہ ایک بڑی حقیقت بن گیا ہے۔ شاہ حاتم کا کلام اس مفروضہ کو غلط ثابت کرتا ہے۔ شاہ حاتم پہلے شخص ہیں جن کو فن کی تخلیق اور اس کے ارتقائی عمل کا احساس ہے انھوں نے تقریباً اپنی ہر غزل کی تخلیق کے سن و سال قلم بند کیے ہیں جس سے ستر سال کی ادبی تاریخ کے مختلف موڑ اور رجحان کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ نیز معاصرین کی تقریباً ستاسی غزلوں کی زمین میں طرحی غزلیں کہی ہیں اور انتہائی دیانت داری سے ان کا ذکر ہر غزل کے سرِ عنوان کیا ہے جن سے ان شعرا کی تخلیقات کے زمانے کا تعین اور گمشدہ فن پاروں کی بازیافت کی جاسکتی ہے اور ادبی تاریخ کو نئی جہات اور امکانات سے روشن کیا جاسکتا ہے۔

ناگزیر اہمیت کے باوجود نظر انداز کیے جانے کے دو سبب دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے کلام کی عدم اشاعت نے انھیں عرصہ تک گوشۂ گمنامی میں رکھا جس سے ان کی ادبی قدر و قیمت کا صحیح معیار قائم نہ کیا جا سکا۔ دوسرے انھوں نے اپنے انفرادی اسلوب و آہنگ پر توجہ نہ دی اور معاصرین کی زمینوں میں غزل کہتے رہے۔ اس بے جا پیروی سے انھیں نقصان پہنچا۔ وہ اپنی انفرادیت کی اثر آفرینی قائم نہ رکھ سکے۔ حاتم نے بر بنائے خلوص یہ خطرہ مول لیا۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ ان طرحی زمینوں میں حاتم کا انفرادی رنگ و آہنگ دوسرے فن کاروں کی سایہ نشینی سے معدوم ہو گیا ہو۔ حاتم ایک سادہ لوح انسان تھے، وہ خلوصِ نیت کے ساتھ طرحی زمینوں میں غزلیں کہتے رہے۔ رنگ اڑانے کی خاطر نہیں بلکہ خراجِ عقیدت پیش کرنے اور اظہار کے سانچوں کو وسیع تر بنانے کے لیے۔ انھوں نے ادب کو سنجیدگی سے برتا۔ وہ اسے طبیعت کی موزونی اور جذبہ و احساس کے اظہار کا ایک ذریعہ سمجھتے رہے۔ گویا دلِ گداختہ کی ترجمانی اور عمرِ عزیز کے اوقات کو خوش گوار بنانے کے لیے انھوں نے شاعری کی۔ ان طرحی غزلوں کی کثرت سے اس دور کی ادبی فضا اور شعری ماحول کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کس زمانے میں کس فن کار کی زمین زیادہ پسند کی گئی۔ مختصراً حاتم کا کلام اپنے عہد کا وہ شفاف آئینہ ہے جس میں ادب و معاشرہ کے افسانہ و افسوں کی بھرپور تصویر نظر آتی ہے۔

شاہ حاتم کی آپ بیتی کے بارے میں ہماری معلومات کے ذرائع بہت ہی محدود اور مختصر ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ حاتم فن اور سماج کا اتنا گہرا شعور رکھنے کے باوجود اپنی زندگی کے کوائف اور ان کے ذکر سے بے نیاز رہے۔ تخلیق کے ماہ و سال کا التزام رکھا۔ لیکن زندگی کے نشیب و فراز کی سبق آموز کہانی قلم بند نہ کر سکے۔ وہ اپنے احباب و عصر کی حکایت بیان کرتے رہے مگر اپنی خود نوشت لکھنے سے گریز کیا۔ میرؔ کی آپ بیتی موجود ہے لیکن یہ آپ بیتی کم حسب نسب کی عظمت کی خود بیانی ہے۔ معاصر تذکرہ نگاروں نے بھی عام رجحان کے مطابق زیادہ التفات نہیں کیا۔ حد یہ ہے کہ شاہ حاتم کے شاگرد سعادت یار خاں نے بھی مجالسِ رنگین میں حیاتِ حاتم کے نمایاں خدوخال کا ذکر نہیں کیا جس سے ان کی تصویر کے نقوش ابھرتے۔ اس میں مختلف مجلسوں کے پر لطف واقعات کا ذکر ضرور ہے۔ قائم، مصحفی اور قاسم ہی ایسے تذکرہ نگار ہیں جنھوں نے قدرے تفصیل سے حاتم کے بارے میں لکھا ہے۔ قائم اور مصحفی تو تقریباً معاصر تھے۔ قائم کے استاد ہدایت اللہ خاں ہدایت شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔ ہوسکتا ہے قاسم نے ہدایت سے بہت سی باتیں حاصل کی ہوں۔ رنگین شاگرد ہونے کے باوجود معلومات فراہم نہیں کرتے۔ قائم سے رسم و راہ بھی تھی جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں ''بافقیر آشنا است۔''

بیشتر تذکرہ نگاروں نے نام بھی غلط لکھے ہیں۔ بغیر کسی تحقیق و تلاش کے ظہور الدین حاتم کی جگہ محمد حاتم

لکھتے رہے۔ جس سے یہ غلط فہمی بھی پیدا ہوئی کہ محمد حاتم اور ظہور الدین حاتم دو الگ الگ شاعر ہیں[1]۔ اگر چہ اس تذکرے (یادگارِ شعرا) کے مؤلف نے حاتم کے شاگرد لالہ مکند سنگھ فارغ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ یہ شیخ ظہور الدین کے شاگرد ہیں۔ اسی تذکرہ میں مصحفی کے حوالہ سے یہ عبارت بھی ملتی ہے کہ مصحفی ان سے واقف تھے اور وہ ان کا نام ظہور الدین عرف شاہ حاتم بتاتے ہیں۔ معاصر و مستند حوالوں کے باوجود محمد حاتم لکھا جانا حیرت انگیز ہے۔ میر تقی میر نے نکات الشعرا[2] میں شیخ محمد حاتم لکھا ہے۔ جب کہ وہ ایک طرح سے معاصر ہیں اور بخوبی متعارف بھی۔ میر حسن[3] اور لچھمی نرائن شفیق[4] نے میر کی پیروی کی ہے۔ گلشنِ گفتار[5]، تذکرۂ ریختہ گویاں[6] اور مخزنِ نکات[7] میں محمد حاتم درج ہے۔ اس ضمن میں مصحفی کا سب سے زیادہ معتبر بیان ہے۔ انھوں نے اپنے دونوں تذکروں، عقدِ ثریا[8] اور تذکرۂ ہندی[9] میں شیخ ظہور الدین عرف شاہ حاتم نقل کیا ہے۔ عیار الشعرا[10] کے مصنف نے شیخ ظہور الدین لکھا ہے حکیم قدرت اللہ قاسم[11]، مصطفیٰ خاں شیفتہ[12]، عبد الغفور نساخ[13] وغیرہ نے ظہور الدین لکھا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ کیوں کہ مصحفی نے شاہ حاتم کے حوالے سے نقل کیا۔

حاتم کے شاگرد لالہ مکند سنگھ فارغ کے لکھے ہوئے نسخۂ لاہور کے ترقیمہ کی عبارت سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے:

> "حاتم شیخ ظہور الدین عرف شاہ حاتم ولد شیخ فتح الدین، بقولش تاریخ تولدش حرفِ ظہور باشد از خاک پاکِ شاہ جہاں آباد است۔" [14]

اور تذکرۂ ہندی میں بھی کم و بیش یہی الفاظ ملتے ہیں:

> "حاتم، شیخ ظہور الدین حاتم کہ شاہ حاتم گفتہ می شد، مولدش شاہ جہان آباد است، تاریخ تولدش بقول از حرفِ ظہور بر می آید۔" [15]

۱۔ یادگارِ شعراء، ۶۸

۲۔ نکات الشعرا، ۷۹

۳۔ تذکرۂ شعرائے اردو، ۴۶

۴۔ چمنستانِ شعرا، ۱۳۴

۵۔ گلشنِ گفتار، ۲۵

۶۔ تذکرۂ ریختہ گویاں، ۴۹

۷۔ مخزنِ نکات، ۲۵

۸۔ عقدِ ثریا، ۲۳

۹۔ تذکرۂ ہندی، ۸۰

۱۰۔ عیار الشعرا، مخطوطہ

۱۱۔ مجموعۂ نغز، ۱۸۰

۱۲۔ گلشنِ بے خار، ۵۴

۱۳۔ سخن شعرا، ۱۲۰

۱۴۔ عقدِ ثریا، ۲۳

۱۵۔ تذکرۂ ہندی، ۸۰

ہے۔ڈاکٹر اشپرنگر نے اپنی فہرست میں محمد حاتم اور ظہور الدین حاتمؔ کو الگ الگ شخص بتایا ہے۔

بقولِ حاتم ان کا تاریخی نام ظہور ہے۔ وہ ۱۱۱۱ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۱۹۷ھ میں سرزمین شاہ جہان آباد میں سپردِ خاک بھی ہوئے۔ مصحفیؔ نے تذکرے 'عقدِ ثریا' میں تاریخِ وفات اور اپنا قطعۂ تاریخ درج کیا ہے:

''یک ہزار و یک صد نود وہفت در ماہ رمضان رحلت کردہ۔

فقیر تاریخِ رحلتش چنیں یافتہ

حاتم آں پیشوائے اہلِ سخن   کہ قدم در مقامِ فقر فشرد

حرفِ عمرش قضا بکزلک حک   چوں کہ از صفحۂ زمانہ سترد

سالِ تاریخ از خرد جستم   نا گہ ایں مصرعۂ بگوشم خورد

کہ بگو مصحفی چہ پر سیدت

آہ صد حیف شاہ حاتم مرد

۱۱۹۷ھ

وفات سے متعلق ڈاکٹر زور کے سارے قیاسات (۱۲۰۷ھ) مسترد ہو جاتے ہیں۔ان کے والد کا نام شیخ فتح الدین ہے۔حاتم نے اپنی حیات وسرگذشت سے متعلق کلام میں جابجا اظہارِ خیال کیا ہے جس سے ان کی زندگی کا ایک نقشِ ناتمام ابھرتا ہے۔حاتم سپاہی پیشہ تھے۔عین ممکن ہے کہ ان کے والد بھی اسی معزز پیشہ سے متعلق رہے ہوں۔ کیوں کہ اس زمانے میں اس پیشے کو ذریعۂ عزت سمجھا جاتا رہا ہے۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کا قیاس ہے:

''ان کے والد معلوم نہیں کب تک زندہ رہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ والد کا سایۂ عاطفت کچھ زیادہ دیر تک ان پر قائم نہیں رہا ہوگا۔ یہ قیاس ہے کہ شاہ حاتم شفقتِ پدری سے اوائل عمر ہی میں محروم ہو گئے ہوں گے اور جوانی کی حدوں میں قدم رکھتے ہی انھیں اس آزمائش سے سابقہ پڑا ہوگا جو اس طبقے کے افراد کا عام مقدر رہا ہے۔''[۱]

سپہ گری کے آبائی پیشے کو حاتم نے بھی کمالِ زندگی کا حاصل قرار دیا ہے:

اے قدر داں کمالِ حاتمؔ دیکھ   عاشق و شاعر و سپاہی ہے

۱۔ دیوان زادہ، مقدمہ، ۵

یہ وہ دور تھا جب سیف وقلم کی مہارت کو عزت و وقار کا معیار و منہاج تصور کیا جاتا تھا۔حاتم کی ابتدائی زندگی اور تعلیم و تربیت کے بارے میں بھی کچھ سراغ نہیں ملتا۔مصحفی نے لکھا ہے کہ ایامِ جوانی میں سپاہی پیشہ تھے۔ریختہ میں شاعری اور رمزی تخلص کرتے تھے۔

''دراں وقت چندے برمزی تخلص می کرد۔''[1]

لیکن ابھی تک اس تخلص کی کوئی اردو غزل دستیاب نہیں ہوسکی ہے۔اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ انھوں نے کب یہ تخلص ترک کرکے حاتم اختیار کیا۔پروفیسر محی الدین قادری زور نے رمز لکھا ہے۔[2] حاتم کے بیان کے مطابق انھوں نے ۱۱۲۸ھ میں شاعری شروع کی جب ان کی عمر تیرہ سال کے لگ بھگ تھی۔حاتم نے دیوان زادہ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''از سنہ یک ہزار و یک صد و بیست وہشت تا یک ہزار و یک صد و شست و نہ کہ چہل سال باشد،نقدِ عمر درین فن صرف نمودہ۔''

دیوان زادہ کی ترتیب وانتخابِ نو کا کام ۱۱۶۹ھ میں مکمل ہوا۔حاتم کے چند اشعار سے غلط فہمی بھی پیدا ہوتی ہے:

اُٹھتیس برس ہوئے کہ حاتم
مشاقِ قدیم و کہنہ گو ہے

لندن وکراچی کے خطی نسخوں میں اُٹھتیس ہے۔جب کہ نسخۂ لاہور میں چالیس درج ہے۔گویا کراچی و لندن کے خطی نسخوں کے متون کے مطابق ان کی شاعری ۱۱۲۶ھ میں شروع ہوئی۔اور نسخۂ لاہور کی روایت کے مطابق شاعری کی ابتدا ۱۱۲۴ھ میں ہوئی۔ان دونوں بیانات میں دوسال کا فرق زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔اس کے علاوہ ۱۱۶۱ھ کی ایک غزل کا مقطع ہے:

حاتم کا شور تیس برس سے ہے ہند میں
صاحب قراں ہے ریختہ گوئی کے فن کے بیچ

دوسرے لفظوں میں حاتم ۱۱۳۱ھ سے قبل شہرت حاصل کرچکے تھے۔۱۱۸۹ھ میں ایک تیسرا مقطع نظر سے گزرتا ہے:

دو قرن گزرے اس کے فکرِ سخن میں روز وشب
ریختے کے فن میں حاتم آج ذوالقرنین ہے

---

[1] عقدِ ثریا،۲۳

[2] سرگذشتِ حاتم،۲۱

اگر قرن تیس سال کا مانا جائے تو ۱۱۲۹ھ میں ان کے فکرِ سخن کا آغاز ہوا۔ ان مذکورہ اشعار کے اختلافِ بیان کو سند تسلیم کرنے میں تامل ہوسکتا ہے۔ دیوان زادہ کی نثری عبارت دوٹوک اور صراحت سے بھرپور ہے اور اسے صحیح تسلیم کرنا چاہیے۔

حاتم کا بیان ہے کہ وہ فارسی میں مرزا صائب کا تتبع کرتے رہے: ''در شعرِ فارسی پیروِ مرزا صائب است'' اور ریختہ میں ولی کو اپنا معنوی استاد سمجھتے رہے۔ ''در ریختہ ولی را استادی داند'' حاتم نے دہلی میں دیوانِ ولی کی آمد سے چار سال قبل شاعری شروع کی تھی۔ دہلی میں ولی کا دیوان ۱۱۳۲ھ میں آیا[1] جس سے بساطِ شعر پر ایک نئی تخلیقی تحریک پیدا ہوئی اور دہلی کے در و دیوار شعر و سخن کی آوازِ بازگشت سے گونج اٹھے۔ مصحفی نے حاتم کے حوالہ سے تذکرۂ ہندی میں لکھا ہے:

''روزے پیش فقیر نقل می کرد کہ در سنہ دویم فردوس آرام گاہ دیوان ولی در شاہ جہان آباد آمد واشعارش برزبانِ خورد و بزرگ جاری گشتہ۔''

اس میں شک نہیں کہ حاتم نے ولی سے استفادہ کیا ہے لیکن اتنا بھی نہیں جیسا کہ ''سرگذشتِ حاتم'' کے مصنف نے بتایا ہے۔ پروفیسر محی الدین قادری زور نے ''ولی کا اثر'' کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے۔ ان سے تاریخی و تحقیقی فروگذاشتیں بھی ہوئی ہیں۔ اس ضمن میں ان کے بیانات محلِ نظر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ولی کے گہرے اثر کا ہی نتیجہ ہے کہ سب سے زیادہ ولی کی زمین میں غزلیں ملتی ہیں۔ انھوں نے ان غزلوں کی تعداد تیرہ بتائی ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ دیوان زادہ کے معلوم نسخوں کی روشنی میں ان کی تعداد گیارہ ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے سودا کی زمین میں زیادہ غزلیں ہیں جن کی تعداد بارہ ہے۔ اس استدلال کی رو سے گویا حاتم نے اپنے شاگرد سودا سے سب سے زیادہ استفادے کا ثبوت دیا ہے۔ ولی سے استفادے کے جواز میں تاریخی تسامحات بھی دیکھنے میں آتی ہیں:

''حاتم دہلی کے ان شاعروں میں سے ہیں جنھوں نے ولی اور ان کے کلام سے خاص طور پر فیض حاصل کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ محمد شاہ کے عہد میں دہلی آئے تو حاتم نے ان سے ملاقات کی۔'' [2]

بعض ناقدین کی طرح پروفیسر زور کو بھی غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ولی ۱۱۱۹ھ میں

---

[1] ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی مرتب 'کلیاتِ ولی' کے مطابق ولی کے کلام کا سب سے معتبر نسخہ ۱۱۴۱ھ کا ہے۔

[2] سرگذشتِ حاتم، ۲۵

رحلت کر چکے تھے اور ۱۱۱۲ھ میں ان کا ایک بار دہلی آنا ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ ولی کی آمد کے وقت حاتم ایک شیر خوار بچے سے زیادہ نہ تھے۔ ولی سے ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ۱۱۱۹ھ کے بعد ولی کا زندہ رہنے کا کوئی خارجی اور داخلی ثبوت نہیں ملتا۔ ان کا دوسرا استدلال بھی غلط ہے:

''وہ ولی کو بزرگ سمجھتے تھے اور ان کی موجودگی میں ان کی غزلوں پر غزل لکھنے کو بے ادبی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ۱۱۴۱ھ کی ایک غزل کا مقطع یہ ہے:

اے ولی مجھ سے اب آزردہ نہ ہونا کہ مجھے
یہ غزل کہنے کو نواب نے فرمائی ہے

شاہ حاتم کے اس مقطع سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ولی غالباً ۱۱۴۱ھ میں دہلی میں موجود تھے۔ ولی کے عہدِ محمد شاہ میں دہلی جانے کی تاریخ بھی اب تک تحقیق طلب ہے۔ مگر حاتم کا یہ مقطع اور ان کی دوسری بارہ غزلیں جو ولی کی زبان وطرز میں لکھی گئی ہیں، اس مسئلہ کو بھی ایک حد تک حل کر دیتی ہیں۔'' [1]

ولی کا عہدِ محمد شاہ میں دہلی جانا ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا تحقیق طلب ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ ولی کی زمین میں غزلوں کی تعداد کی موجودگی سے مسئلہ حل ہوتا ہے۔ پروفیسر زور کا خیال ہے:

''۱۱۳۶ھ سے ۱۱۴۱ھ تک کا زمانہ ایسا ہے جس میں حاتم ولی کے زیادہ زیرِ اثر رہے۔ اس زمانہ میں ولی شاہ جہان آباد میں قیام پذیر تھے۔'' [2]

زیادہ زیرِ اثر ہونے کا ثبوت ولی کی گیارہ طرحی زمینوں میں موجود غزلوں سے فراہم کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس طریقۂ استدلال سے پروفیسر موصوف کے بیان میں تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ وہ لکھ چکے ہیں کہ حاتم ولی کی موجودگی میں ان کی غزلوں پر غزلیں کہنے کو بے ادبی سمجھتے تھے۔

ان تاریخی حقائق سے قطعِ نظر اتنا تو مسلم ہے کہ دہلی کے شعرا ولی کے رنگ وآہنگ کی پیروی کو سعادت سمجھتے رہے۔ صرف حاتم پر ہی موقوف نہیں۔ ولی کے اثر ونفوذ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی فکر وفن کے تخلیقی اسلوب وارتقا کا یہ کائناتی کلیہ ہے کہ ماضی کا سہارا لے کر چراغ سے چراغ روشن ہوتے رہتے ہیں۔ صرف طرحی زمینوں میں غزلوں کی موجودگی سے نتائج پر اکتفا کر لینا زیادہ موزوں طریقۂ کار نہ ہوگا۔ کم سے کم مطالعۂ حاتم کے سلسلے میں یہ گمرہی کا سبب بھی ہو سکتا ہے۔ حاتم کے کلام میں پیش رَوؤں، معاصرین، شاگردوں اور عزیزوں کی

---

[1] سرگذشتِ حاتم، ۲۶ [2] سرگذشتِ حاتم، ۲۸

زمین میں غزلوں کی ایک معقول تعداد دکھائی دیتی ہے حاتم نے فراخیٔ قلب ونظر کے ساتھ ان کا اعتراف کیا ہے۔ کلام کی ترتیبِ نو میں خاص اہتمام سے ان کے ناموں کا ذکر ملتا ہے۔ یوں بھی دیوان زادہ میں چند غزلوں کے علاوہ تقریباً تمام غزلیں زمینِ طرح میں ہیں۔ پچیس شعرا کی زمینیں موجود ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

سودا	۱۲	کلیم	۲
ولی	۱۱	اسلم	۲
فغاں	۸	آرزو	۱
یقین	۷	راسخ	۱
آبرو	۵	حشمت	۱
ضمیر	۵	صادق	۱
صائب	۴	میر سوز	۱
مظہر	۴	عماد الملک	۱
تاباں	۴	عالم گیر ثانی	۱
میر	۴	شوق	۱
درد	۴	نثار	۱
ناجی	۳	رند	۱
مضمون	۳		

پروفیسر زور نے نسخۂ لندن کی مدد سے بیس شعرا کی طرحی زمینوں کی فہرست دی ہے لیکن دیوان زادہ کے دوسرے خطی نسخوں کی روشنی میں یہ تعداد پچیس ہو جاتی ہے اور غزلوں کی تعداد میں بھی کمی بیشی دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً انھوں نے سودا کی سات طرحی غزلوں کی نشان دہی کی ہے جب کہ ان کی مجموعی تعداد بارہ ہوتی ہے۔ انھوں نے صائب، میر، درد کی دو دو غزلوں کا ذکر کیا ہے مگر ان کی تعداد چار چار ہے۔ انھوں نے سعدی اور حزیں کی زمینوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جب کہ ان کی طرحی زمینیں کلام میں سرے سے موجود نہیں ہیں۔ سعدی کی پیروی میں ایک توشیح ضرور ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے شعرا مثلاً آرزو، راسخ، نثار، رند، میر سوز، شوق وغیرہ کی زمین میں غزلیں موجود ہیں جن سے ان زمینوں کی شہرت اور مقبولیت کے ساتھ ساتھ ان طرحی مشاعروں کے انعقاد کی تائید ہوتی ہے، جو شہر میں ماہانہ اور پندرہ روزہ وقفے کے ساتھ بالا ہتمام منعقد کیے جاتے تھے،

جن میں اساتذۂ فن اپنے حلقۂ تلامذہ کے ساتھ شریک ہوتے۔ کمالِ فن کی داد دیتے اور خراجِ تحسین بھی حاصل کرتے۔ حاتم نے ۱۱۰۷ھ کی غزل کے مقطع میں اپنے ان پیش رووں کا ذکر کیا ہے جن کے وہ معتقد رہے اور اکتسابِ فیض کرتے رہے:

ریختے میں ہند کے طوطی کا حاتم ہے غلام
فارسی میں خوشہ چیں ہے بلبلِ تبریز کا

ہند کے طوطی سے مراد ولی ہیں جن کے بارے میں حاتم نے مقدمہ میں صراحت کی ہے۔ مکند سنگھ فارغ نے دیوان زادہ کے نسخۂ لاہور کے اس شعر کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ طوطیٔ ہند سے مراد امیر خسرو ہیں جو صریحاً غلط ہے۔ کیوں کہ حاتم نے لکھا ہے ''در ریختہ ولی را استاد میداند'' شاگرد کے بیان پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ خود حاتم کے کلام میں خسرو کا کہیں ذکر نہیں ملتا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خسرو کے اردو کلام کی خبر نہیں تھی اور آج بھی مشکوک ہے۔

شاہ حاتم کا کلام اس لیے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی اور اس کے پیچ وخم کے بارے میں کہیں کہیں اشارے کیے ہیں اور یہ اظہار ان کے تجربہ ومشاہدات پر مبنی ہے۔ قیاس یہ ہے کہ انھوں نے شادی نہیں کی بلکہ تجرّد کی زندگی گزار دی جیسا کہ رباعی سے اندازہ ہوتا ہے:

تجرید سے چاہو کہ جدائی نہ کرو تو قحبہ زنوں سے آشنائی نہ کرو
رہنا ہے اگر جہاں میں آزاد کی طرح تو دل میں خیالِ کتخدائی نہ کرو

جوانی کے دن سپاہی پیشہ میں گزرے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ اس پیشے نے آزادی وطرح داری پیدا کی تھی جس کی وجہ سے بانکپن بھی پیدا ہوا۔ وہ علائقِ دنیا اور متعلقین کی کفالت سے بےفکر تھے۔ مزاج میں ایک جولانی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی خوش نوائی اور خوش بیانی نے انھیں مجلسی زندگی کا جز بنا دیا تھا۔ شاعری اور نغمہ سنجی نے امرائے وقت کے حلقۂ مصاحبین میں قدر و منزلت سے سرفراز کیا جس سے زندگی خوش گوار ہوگئی تھی۔ فکرِ معاش سے آزادی اور آسودگی حاصل تھی۔ تذکرہ نگاروں نے ان کی خوش حالی کے بارے میں لکھا ہے:

''مردِ بزرگ وجہاں دیدہ وفرسودۂ روزگار است۔ عمرہا بعیش وطرب بودہ وسالہا بناز ونعمت پرورش یافتہ۔''[۱]

مصحفی نے تذکرۂ ہندی میں بھی لکھا ہے:

''ہمیشہ عمدہ معاش واوقات بخوبی گزرانیدہ۔''[۲]

---

[۱] عقدِ ثریا، ۲۳ [۲] تذکرۂ ہندی، ۸۰

زندگی کا یہ دور فراغت اور فارغ البالی کا تھا۔ وہ خوش پوش اور خوش حال نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ وہ محمد شاہ بادشاہ متوفی ۱۱۶۱ھ کے عہد میں عمدۃ الملک نواب امیر خاں انجام کے مزاج آشنا اور ندیمِ خاص تھے۔ ان کے باورچی خانہ کے داروغہ جیسے اہم منصب پر فائز تھے۔ قائم چاندپوری نے لکھا ہے:

''درروزگار سلطنت محمد شاہ بادشاہ منصب ندیمی و خدمت بکاولی نواب عمدۃ الملک مغفور پا بہ امتیاز داشت۔'' [1]

تذکروں میں نواب انجام کی نکتہ سنجی، لطیفہ گوئی، فراست وظرافت، موسیقی سے شغف اور فارسی و اردو میں فکرِ سخن کا ذکر ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ہنر منداور باذوق سرپرست کی دل جوئی نے حاتم کو خوش فکر بنا دیا ہوگا۔ خوب چند ذکا نے اس ماحول سے ایک غلط نتیجہ اخذ کیا ہے:

''درایام نوکری نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر شراب و بنگ وغیرہ بکثرت می نوشید۔'' [2]

تقریباً یہی بات حکیم قدرت اللہ قاسم نے بھی لکھی ہے:

''درایامے کہ بسرکار دولت مدار نواب معلیٰ القاب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر عفی اللہ عنہ ملازم بود وارتکاب منہیات بدرجہ اعلیٰ نمود۔'' [3]

کہا جاتا ہے کہ قاسم نے یہ باتیں اپنے استاد ہدایت اللہ خاں ہدایت سے سنیں۔ کریم الدین نے بھی اپنے تذکرے میں طبقات شعرائے ہند میں اسی بات کو دہرایا ہے۔ حاتم کی زندگی میں ارتکابِ منہیات اور وہ بھی بدرجۂ اعلیٰ کا پتہ نہیں ملتا۔ اور نہ ہی ان باتوں پر یقین کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ دوسرے تذکرہ نگاروں کے بیان سے اس کی توثیق نہیں ہوتی۔ انھیں نواب امیر خاں کی قدر دانی حاصل تھی۔ حاتم نے اس سرپرستی کا اعتراف فخر کے ساتھ کیا ہے۔ ۱۱۴۸ھ کی غزل کا مقطع ہے:

ممتاز کیوں نہ ہووے وہ اپنے ہمسروں میں
حاتم کا قدرداں اب نواب امیر خاں ہے

کچھ ہی دنوں بعد نواب امیر خاں کو دہلی چھوڑنا پڑا۔ وہ ۱۱۵۳ھ کے لگ بھگ الہ آباد کی صوبہ داری پر مامور کیے گئے۔ وہاں تین سال رہ کر ۱۱۵۶ھ میں دہلی واپس آئے۔ حاتم کے کلام سے ایسا پتہ چلتا ہے کہ وہ اس عرصہ میں نورالدولہ فاخر خاں کی ملازمت سے وابستہ ہو گئے تھے اور خانساماں کے عہدے پر فائز تھے۔ ۱۱۵۴ھ کی

---

[1] مخزنِ نکات، ۲۳ — [2] عیار الشعرا، مخطوطہ
[3] مجموعۂ نغز، ۱۷۹

غزل کے مقطع میں اشارہ ملتا ہے:

کچھ اب سامان اپنے عاقبت خانے کا کر حاتم
نہ بھول اس پر کہ نور الدولہ کا میں خانساماں ہوں

حاتم کے کلام سے اس کی نشان دہی ہوتی ہے کہ فاخر خاں سے ان کے گہرے مراسم تھے بلکہ وہ ان کی سرپرستی وقدر دانی کرر ہے تھے جیسا کہ ۱۱۴۸ھ کی غزل کے مقطع سے ظاہر ہوتا ہے:

ہوں تو حاتم لیک ہر دم لطف سوں
مول لیتا ہے گا فاخرخاں مجھے

جب تین سال بعد ۱۱۵۶ھ میں نواب امیر خاں دہلی واپس آ گئے تو شاہ حاتم دوبارہ داروغۂ مطبخ کے فرائض انجام دینے لگے۔ دیرینہ رفاقتیں اور نواب کی سرپرستی نے حاتم کو دوبارہ اس خدمت کے لیے مجبور کیا۔ جسے وہ خوش اسلوبی سے نبھاتے رہے مگر اب وہ دلچسپی نہیں رہی۔ لگتا ہے کہ وہ اسے ایک بار سمجھنے لگے تھے طبیعت اب اچاٹ ہونے لگی۔ عاقبت کے لیے زادِ راہ کی فکر دامن گیر تھی۔ حاتم کے مزاج کی افتادگی، آزادی اور قلندرانہ درویشی اس ذمہ داری کی مزید متحمل نہ ہوسکی۔ ایک غزل سے اندازہ ہوتا ہے کہ باورچی خانہ کی رات دن کی محنت انھیں راس نہیں آرہی تھی۔ طبیعت کے علاوہ عمر اور صحت کا بھی کچھ تقاضا تھا۔ مطبخ کے کانِ نعمت کو زندانِ نعمت سمجھنے لگے۔ عرض داشت کے طور پر ایک غزل گویا منظوم استعفیٰ نامہ پیش کر کے اس صبر آزما ذمہ داری سے ہمیشہ کے لیے سبک دوش ہو گئے:

ہوا ہوں جب سے داروغہ ترے باورچی خانہ کا
اگر شکوہ کروں اس کو تو یہ کفرانِ نعمت ہے
و لے قیدی کیا ہے بسکہ رات اور دن کی محنت نے
ہے مطبخ کانِ نعمت پر مجھے زندانِ نعمت ہے
یہی ہے عرض خدمت میں تری حاتم بکاول کی
کہ یہ خدمت اسے دے جو کوئی خواہانِ نعمت ہے

حاتم اب دنیا سے ہی گریز کرنے لگے تھے۔ دنیاوی عزت و دولت کو ٹھکرا دینا ان کی قلندرانہ بے نیازی سے بعید نہ تھا۔ وہ فقر و فاقہ کو مزاج میں شامل کر چکے تھے مذکورہ بالا غزل دیوان زادہ کے نسخۂ لندن کے مطابق ۱۱۴۵ھ کی ہے۔ نسخۂ رام پور میں ۱۱۵۶ھ درج ہے۔ نسخۂ لکھنؤ میں ۱۱۴۵ھ ہے۔ لاہور کے خطی نسخہ میں ۱۱۵۸ھ لکھا

ہے۔ان مختلف تاریخوں کی موجودگی سے باورچی خانے کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کی قطعی تاریخ معلوم نہیں ہوتی۔نسخۂ لندن کی تاریخ کے مطابق حاتم ۱۱۴۵ھ میں نواب امیر خاں کی ملازمت سے علاحدہ ہو گئے جیسا کہ بعض محققین نے اشارہ کیا ہے۔لیکن اس ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد نواب فاخر خاں کی ملازمت قبول کرنے کی تاویل مشکل ہوگی۔ایسا لگتا ہے کہ وہ نواب امیر خاں کی مصاحبت میں رہے اور ان کے الہ آباد چلے جانے کے بعد نواب فاخر خاں کے درِ دولت سے وابستہ ہوئے۔نواب امیر خاں کی واپسی پر ان کی ملازمت میں دوبارہ شامل ہوئے۔اور ۱۱۵۸ھ میں یہ منظوم عرضداشت پیش کی۔اس اعتبار سے نسخۂ لاہور کی تاریخ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔نسخۂ لندن کی تاریخ درست نہیں ہوسکتی۔کیوں کہ اس زمانے کی تخلیقات کا ایک وقیع حصہ نواب امیر خاں سے ہی متعلق ہے۔حاتم کی چند یادگار زمانہ نظمیں اسی زمانے میں لکھی گئیں۔۱۱۴۷ھ میں بہاریہ مثنوی موسوم بہ ''بزمِ عشرت'' تخلیق کی گئی۔اور اس نظم میں محمد شاہ بادشاہ کی تعریف موجود ہے۔نظم ''وصفِ قہوہ'' نواب صاحب کی فرمایش پر لکھی گئی۔دوسری نظم ''وصفِ تمباکو وحقہ'' محمد شاہ بادشاہ کے حسبِ ارشاد تخلیق کی گئی۔یہ دونوں نظمیں ۱۱۴۹ھ میں قلمبند کی گئیں۔ان وجوہات سے ۱۱۴۵ھ میں ملازمت سے علاحدگی قرین قیاس نہیں۔قائم چاندپوری نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے:

''بعد فوت او درتوکل روزگار نمود با کمال آزادگی می گزارند''۔[۱]

لیکن اس عرض داشت کی روشنی میں یہ بات غلط ہوجاتی ہے۔حاتم نواب موصوف کے حینِ حیات میں علاحدہ ہو گئے تھے۔نواب امیر خاں نے بھی ایک سال بعد انتقال کیا۔۲۳رذی الحجہ ۱۱۵۹ھ کو دیوانِ خاص کے پاس ان کے ایک ملازم نے انھیں کٹار سے شہید کیا تھا۔

حاتم کی شخصیت میں صبر و رضا، فقر و قناعت کا پہلو بدرجہ غایت ملتا ہے۔وہ شروع سے ہی اعلیٰ روحانی قدروں کی تلاش میں سرگرداں رہے۔اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۱۴۳ھ سے پہلے میر بادل علی شاہ سے بیعت کر چکے تھے۔

خودی کو چھوڑ آ حاتم خدا دیکھ
کہ تیرا رہ نما ہے شاہ بادل

یہ شعر ۱۱۴۳ھ کا ہے۔حاتم ان کے پاس جاتے اور رشد و ہدایت سے معمور ہوتے۔حاتم کی تربیت میں شاہ صاحب کا فیضان نظر شامل ہے۔یہ تعلق احترام و عقیدت کی بے پایانی میں تبدیل ہو کر ایک عرصے تک باقی رہتا ہے۔۱۱۶۴ھ کی غزل کا مقطع ہے:

---

۱ مخزن نکات، ۲۴

جناب حضرتِ حق سے نہ ہو کیوں فیض حاتم کو
ہوا ہے تربیت وہ بادلِ عادل کی صحبت میں

ترکِ ملازمت کے بعد وہ شاہ صاحب کے قدموں میں پڑے رہتے۔ مرشد کی نگاہِ فیض نے حاتم کے قلب ونظر میں انقلاب پیدا کیا۔ مجموعۂ نغز میں ہے کہ پانچ چھ ماہ کی محنت وریاضت کے بعد انھیں مرشد کی طرف سے مصلیٰ، تسبیح، کلام اللہ، خرقہ وغیرہ عطا ہوا۔ مرشد کی رحلت کے بعد حاتم شاہ تسلیم کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔ جبینِ نیاز ان کے آستانے پر جھک گئی اور وہیں کے ہو رہے۔ شاہ تسلیم خدارسیدہ بزرگ، مردِ فقیر اور شاعر بھی تھے۔ ان کا تکیہ شاہ راہ راج گھاٹ پر قلعہ معلیٰ کے زیرِ دیوار ایک پرفضا مقام پر واقع تھا۔ وہاں شعر ادب سے ذوق رکھنے والے اہلِ سخن بھی جمع ہوتے۔ حکیم قدرت اللہ قاسم[1] کے مطابق حاتم روزانہ تشریف فرما ہوتے۔ ان کے شاگرد سعادت یار خاں رنگین نے مجالس رنگیں میں لکھا ہے کہ پچاس سال سے ان کا معمول تھا کہ چار گھڑی دن سے شام تک وہ تکیہ شاہ تسلیم میں احباب وتلامذہ کے ساتھ تشریف رکھتے۔ اور ہر خاص وعام کو اپنی پاکیزہ صفات سے بہرہ یاب کرتے۔ گرمی، جاڑا، برسات ہو وہاں کی نشست قضا نہ ہوتی۔ شاہ تسلیم کو ۱۱۶۷ھ کی ایک غزل میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

اب ہندوستاں کے درویشوں میں حاتم
ہے تسلیم و رضا میں شاہ تسلیم

انھیں بزرگوں کی ہم نشینی اور لطفِ صحبت نے حاتم کی شخصیت کو اس دور کے اہم ترین مرکزی نقطے کی حیثیت دی تھی جس کے گرد شعر وفن اور علم وعرفان کے متلاشی جمع ہوتے۔ اور ان کے فکر ونظر کی سیرابی ہوتی۔ یہ فیضان اور تربیت دوسرے معاصرین کے یہاں نہیں نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنے اکتسابات سے اس عہد کو متاثر ہی نہیں کیا بلکہ رہ نمائی اور تربیت بھی کی ہے۔

حاتم بارہویں صدی ہجری کی ادبی وتہذیبی بساطِ زندگی پر ایک باوقار شخصیت رکھتے ہیں۔ اس شخصیت میں تہ داری وتنوع کے ساتھ بڑی دلکشی ہے۔ یہ دل کشی اسلوبِ زندگی کے خوش گوار پہلوؤں کی وجہ سے زیادہ پرکشش دکھائی دیتی ہے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کی شخصیت کے ان دل کش پہلوؤں پر رشک کیا ہے۔ انھیں نہایت مہذب وشریف، متین، جہاں دیدہ، مردِ بزرگ، عالی فطرت، عالی طبیعت، بلند ہمت، صاحبِ ہمت، سنجیدہ ذی فہم، صاحبِ کمال وفن، مردِ خلیق، متوکل، پاکیزہ خیال وافعال، فرسودۂ روزگار، صیرفیٔ طبع، مرد درویش، خوش پوش،

---

[1] مجموعۂ نغز، ۱۸۰

خوش مزاج بتایا گیا ہے۔ یہ خوبیاں ان کے خمیر میں شامل ہو کر انھیں اچھے انسان کے پرشکوہ مقام پر فائز کرتی ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے حاتم کی شخصیت کی تعریف وتحسین میں جس اعتراف کا ثبوت دیا ہے وہ شاید کسی دوسرے فن کار کے ترجمہ میں نظر نہیں آتا۔ حکیم قدرت اللہ قاسم نے لکھا ہے:

''برخلافِ وضع آزاداں نیمہ پوشید وبسیار بالطافت وطہارت می زیست وگردِ مسکرات نمی گشت وبصوم وصلوۃ وسائر شرعیات سخت مقید بود... بسیار آزادنہ زندگی می نمود و خیلے خوش مزاج وخلیق بود... نیک دین وصاحبِ یقین وشاعرے بود با تمکین۔'' [۱]

خوب چند ذکا نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس دور میں ان جیسا اچھا انسان ملنا مشکل ہے:

''عجیب خلیق واہلِ محبت وصاحبِ دل سراپا شفقت بود کہ دریں ایام ہمچو او مردی بزرگ وزیرک متصف باقسام کرم وخوبی بہم رسیدن اشکال است۔'' [۲]

میر تقی میر خفا ہیں انھوں نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے:

''مردیست جاہل ومتمکن ومقطع وضع، دیر آشنا، غنانہ دارد، ودریافتہ نمی شود کہ ایں سگ کہن کہ بسب شاعری است کہ ہم چومن دیگرے نیست یا وضع اوہمیں است خوب است۔ مارا با اینہا چہ کار۔'' [۳]

میر کو حاتم کے وضع قطع پر اعتراض ہے۔ ان کی دیر آشنائی بھی ان کو کھلتی ہے۔ دوسرے نازیبا الفاظ [۴] سے میر کی بدسلوکی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ خفگی ان کی بد دماغی پر محمول کی جاسکتی ہے۔ گلِ رعنا اور سرگذشتِ حاتم [۵] میں اس ناپسندیدگی کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ مرزا سودا حاتم کے شاگرد اور میر کے حریف تھے۔ اس معاصرانہ چشمک کی وجہ سے بات استاد تک پہنچتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ نکات الشعرا کی تالیف (۱۱۶۵ھ) کے بعد جب حاتم کو میر کے رویہ کا علم ہوا تو انھوں نے ۱۱۶۶ھ کی غزل کے اس شعر میں میر کو اس طرح مخاطب کیا:

تھا ابھی ہم پاس ابھی جاتا رہا اوروں کے پاس
آشنائی میں وہ لڑکا گنجفہ کا میر ہے

ہوسکتا ہے کہ اس کے علاوہ دوسرے اسباب بھی کارفرما ہوں۔ میر نے تو کئی لوگوں کو نشانۂ تنقید بنایا ہے،

---

۱ مجموعۂ نغز، ۱۸۰ — ۲ عیار الشعرا، مخطوطہ
۳ نکات الشعرا، ۷۹ — ۴ گلِ رعنا، ۱۱۵
۵ سرگذشتِ حاتم، ۸۱

جوان کی تنگدلی کی وجہ سے ہے۔ حاتم کی اعلیٰ ظرفی دیکھئے کہ میر کی زمینوں میں چار غزلیں کہی ہیں اور اعتراف کے ساتھ۔ اختلاف کے باوجود میر نے حاتم کی شاعری کی تحسین بھی کی ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد نے ''آب حیات'' میں دوسرے دور کے آغاز میں حاتم کے تذکرے میں لکھا ہے:

> ''دستور دنیا کا یہ ہے کہ بیٹا باپ کے نام سے اور شاگرد اپنے نامی استاد کے نشان سے روشناس ہوتا ہے۔ مگر اس حاتم کو نصیبے کا بھی حاتم کہنا چاہیے جو اس نام سے نشان دیا جائے کہ وہ استاد سودا کا تھا... شاہ موصوف باوجودیکہ نہایت مہذب اور متین تھے اور عمر میں بھی سن رسیدہ ہو گئے تھے مگر بہت خوش مزاج اور نہایت خلیق اور ظریف تھے۔'' [1]

آگے رقمطراز ہیں:

> ''اس میں شک نہیں کہ یہ نیک نیتی اور دریا دلی شاہ حاتم کی قابل رشکِ ہے کیونکہ شعرا میں اپنے لیے خود پسندی اور دوسرے کے لیے ناتواں بینی ایک ایسی عادت ہے کہ اگر اسے قدرتی عیب کہیں تو کچھ مبالغہ نہیں۔ بلکہ شاگردوں کو استادوں سے دست و گریباں ہوتے دیکھا تو اکثر اسی فن میں دیکھا۔ یہ وصف اس فرشتہ صفت سیرت میں پایا۔'' [2]

اس سے اہم بات یہ ہے کہ آبِ حیات کی تصنیف سے بہت پہلے مولانا آزاد نے ۱۸۶۷ء میں انجمن پنجاب کی ایک نشست میں حاتم کے مقدمہ پر ایک بھرپور مقالہ پیش کیا تھا، جس میں دیوان زادہ کے مقدمے کا مکمل متن شامل تھا۔ یہ مقالہ ان کے مجموعۂ مقالات میں شامل ہے۔

حاتم کی شرافتِ نفس کسی کی بدگوئی و ہجو کی طرف کبھی مائل نہ ہو سکی۔ جب کہ معاصرین کا یہ شعار بن چکا تھا، تہذیبی و سیاسی انحطاط کی وجہ سے امرا بھی دلچسپی لے رہے تھے۔ اس کے برعکس حاتم نے ہجونگاری سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔ ناجی کی ہجونگاری مشہور تھی۔ یہ راہ چلتے ہجو کہا کرتے تھے۔ لوگ ناجی کی جگہ ہاجی تخلص سے یاد کرنے لگے تھے۔ شاہ حاتم نے ۱۱۳۷ھ میں ناجی کو ہجو کہنے سے باز آنے کی ہمدردانہ گزارش کی تھی:

نہ تھا ناجی کوں لازم طعن کرنا ہر سخن گو پر
جواب اس شعر کا حاتم نہیں کچھ کام تو کہلا

---

[1] آبِ حیات، ۱۰۸

[2] مولانا آزاد نے 'آبِ حیات' میں حاتم کے بیان میں ۹ صفحے صرف کیے ہیں۔ مقدمہ کے اختصار کے ساتھ ۸ غزلوں کا انتخاب بھی کیا ہے۔ تیسری غزل 'دیوان زادہ' کے کسی نسخے میں نہیں ملتی۔ صرف انتخابِ حاتم قدیم دیوان، مرتبہ عبدالحق میں ہی پوری غزل موجود ہے۔

صرف ناجی کو ہی نہیں بلکہ اپنے دور کی ہر غلط روش کے خلاف حاتم کے کلام میں تنقید و تنبیہ کا سبق آموز اظہار ملتا ہے۔ زمانے کی ستم ظریفی، اقدار کی پامالی، تہذیب کے ٹوٹنے بکھرنے کا دل دوز ذکر حاتم کے یہاں پوری شدتِ احساس کے ساتھ موجود ہے جس سے ان کی طبیعت کے سوز و گداز کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ خاموش اور تماش بیں نہیں رہنا چاہتے۔ بلکہ ترغیب و ترہیب کا فریضہ انجام دینے میں بڑے سے بڑا ایثار کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ معاصرین و شاگردوں کے ساتھ جس حسنِ خلق کے ساتھ پیش آتے وہ قابلِ ذکر ہے۔ متعدد تذکرہ نگاروں نے ان کی خوش خلقی کا ذکر کیا ہے۔ ان کا کلام ان کی وسیع النظری اور عالی ظرفی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ مجموعۂ نغز میں لکھا ہے کہ ان کے تلامذہ کی بڑی تعداد ہے اور دیوان کے مقدمہ میں پینتالیس شاگردوں کا نام لکھا ہے۔ ان میں سے چند زیادہ معروف ہوئے جیسے سودا، رنگین، تاباں، بقا، نثار، مرزا سلیمان شکوہ، مکند سنگھ فارغ، میر محمدی بیدار، نعیم اللہ خاں نعیم، مرزا اعظم بیگ وغیرہ۔ اس اعتبار سے حاتم کا اردو ادب کی تاریخ میں بڑا اہم مقام ہے۔ تعداد سے قطعِ نظر ذرا ان شاگردوں کی شہرت اور ناموری دیکھئے اور ان کے گراں مایہ تخلیقی خدمات پر نظر ڈالیے تو حیرت ہوتی ہے۔ اردو ادب کو ان پر ہمیشہ ناز رہے گا۔ ایک ممتاز ترین نام مرزا محمد رفیع سودا کا ہے۔ جو براہ راست حاتم سے مستفید ہوئے۔ سودا ایک دبستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اردو شاعری کا مزاج ایک منفرد امتیاز رکھتا ہے۔ سودا کا آہنگ و اسلوب آج تک اردو میں تسلسل اور تواتر کے ساتھ قائم ہے۔ سودا کے معنوی شاگردوں یا پیروی کرنے والوں نے اردو شاعری کو بلند آہنگ، شوکتِ الفاظ اور خروشِ احساس سے مالا مال کیا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حاتم کا سلسلہ ہی ایک تسلسل ہے جو کسی دوسرے فن کار کو نصیب نہ ہو سکا۔ دوسرے شاگرد سعادت یار خاں رنگین ہیں۔ جو ایک نابغہ یا عبقری کی حیثیت رکھتے ہیں جنھوں نے متعدد زبانوں میں شاعری کی۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں کئی زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ بد قسمتی سے انھیں ریختی کا شاعر کہہ کر ان کی دوسری خدمات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ وہ اردو کے پہلے جیالے شاعر ہیں جنھوں نے سلطان ٹیپو شہید کا قصیدہ لکھا اور انگریزوں کی مخالفت کی۔ اسی مخالفت کے باعث 'آبِ حیات' کے مصنف نے ان کی قدر افزائی نہ کی۔ یہ بھی ہوا کہ رنگین کا بھرپور کلام منظر عام پر نہ آسکا اور نہ ہی اس کا اعتراف کیا جا سکا۔ اردو کی شعری جہات کو مختلف امکانات سے روشناس کرانے میں رنگین کی بیش بہا خدمات ہیں۔ سودا اور رنگین کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔

حاتم کے کلام اور مزاج کی افتاد سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا بیشتر وقت شاہ تسلیم کے تکیہ میں گزرتا یا کبھی کبھی شعری محفلوں میں شریک ہوتے۔ مصحفی نے لکھا ہے:

''درایامیکہ فقیر درشاہ جہان آباد طرح مشاعرہ انداختہ اکثر بعد مغرب در مشاعرہ قدم رنجہ فرمود و در مجلس نشستہ زمانہ سابق خود راہ می ستود'' [۱]

وہ آخری ایام تک تخلیقِ شعر کی خدمت انجام دیتے رہے۔ دیوان زادہ کے نسخوں میں ۱۱۹۷ھ کی تین غزلیں موجود ہیں۔ اس آخری دور کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حاتم کی بے نیازی کے باوجود امراونوابین ان کی قدردانی میں پیش پیش تھے۔ نواب سید ہدایت علی خاں ضمیر، نواب مجاہد جنگ، نواب ضابطہ خاں، میر محمد اسلم کا تذکرہ اور ان کی زمینِ طرح میں غزلیں دیوان زادہ میں موجود ہیں۔ ۱۱۶۶ھ میں بموجب حکم بادشاہ عالم گیر ثانی کے مصرع کی تضمین بھی ملتی ہے۔ اس غزل کا مطلع ہے:

حق کے ہوتے غیر سے کیا آشنائی کیجیے
چھوڑ وہ در کس کے در پر جبہ سائی کیجیے

مقطع میں بادشاہ عالم گیر ثانی کا مصرع موجود ہے:

شاہ عالم گیر کا مصرع ہے حاتم رمزِ عشق
''دل میں آتا ہے کہ شاہی میں گدائی کیجیے''

میر محمد اسلم سے ان کے گہرے دوستانہ اور دیرینہ تعلقات تھے۔ ۱۱۵۴ھ کی غزل کے مقطع میں حاتم نے میر اسلم سے اپنی گہری اور سچی محبت کا ذکر کیا ہے:

یار مشفق بہت ہیں جگ میں ولے حاتم کا دل
چھوڑ کر سب کوں رجوع ہے میر اسلم کی طرف

نواب سید ہدایت اللہ خاں ضمیر کی زمین اور فرمائش پر بھی غزلیں لکھتے رہے۔ میر محمد اسلم اور کوکہ خاں کی زمینوں میں بھی متعدد غزلیں موجود ہیں۔ اس طرح پوری زندگی شعر وسخن کی تزئین وتربیت کے لیے وقف کر دی۔ اور اسی کے سہارے انھوں نے ذاتی اور خارجی تلخیوں کو خوش گوار بنا کر زندگی کو سلیقے میں ڈھال لیا تھا۔

بعض تذکرہ نگاروں نے ان کی عمر سو سال بتائی ہے، جو غلط ہے۔ بیشتر تذکرہ نگاروں نے ان کے انتقال کی تاریخ ۱۲۰۷ھ لکھی، یہ بھی غلط ہے۔ مصحفی کے بیان سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ پروفیسر محی الدین قادری زور نے بھی اس غلط فہمی کی وجہ سے تاریخِ وفات ۱۲۰۷ھ تسلیم کر لیا۔[۲] تذکرۂ ہندی کی اس عبارت سے:

''سہ سال است کہ درشاہ جہان آباد ودیعت حیات سپردہ۔'' [۳]

---

[۱] تذکرۂ ہندی، ۸۰ [۲] سرگذشتِ حاتم، ۶۶ [۳] تذکرۂ ہندی، ۸۸

یہ غلط فہمی ہوئی۔ لوگوں نے آغازِ تذکرہ کی تاریخ ۱۲۰۰ھ کو اختتامِ تذکرہ کی تاریخ ۱۲۰۹ھ پر محمول کرلیا۔ اس کے علاوہ مصحفی کے دوسرے تذکرہ عقدِ ثریا میں نہایت واضح عبارت موجود ہے:

''یک ہزار و یک صد و نود و ہفت در ماہ رمضان رحلت کردہ۔''[1]

اردو کے مایۂ ناز محقق قاضی عبدالودود[2] نے بھی ۱۱۹۷ھ کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے خیراتی لعل بے جگر کے تذکرہ کے قلمی نسخے میں موجود شاہ حاتم کے شاگرد مکند سنگھ فارغ کا قطعۂ تاریخ نقل کیا ہے جس سے ۱۱۹۷ھ ہی نکلتا ہے۔ اس قطعی تاریخ کے بعد کسی طرح کا اشکال نہیں رہنا چاہیے۔

حاتم کے سنِ شعور کے وقت اردو کو کوئی خاص مقام حاصل نہ تھا۔ بلکہ اسے منہ لگانا معیوب سمجھتے تھے۔ یہ زبان علم و عرفان یا فکر و فن کے اظہار کے لیے درجۂ استناد کو نہیں پہنچی تھی۔ فارسی کو بالادستی حاصل تھی۔ علم و فضل کے ساتھ شرافت و سنجیدگی کا معیار بھی اسے ہی سمجھا جاتا تھا۔ ہاں طبقۂ دوم و سوم اور کوچہ و بازار میں اردو کا حلقہ روز افزوں اور وسیع تر ہو رہا تھا۔ اسی مقبولیت کی وجہ سے شاعری کو بھی تحریک مل رہی تھی۔ ہر قبیلہ اور طبقہ کے لوگ اس کی سرپرستی میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ کوچہ و بازار کی پسندیدگی سے ایوانِ شاہی میں بھی اس کی بازگشت سنائی دینے لگی تھی۔ سماج میں اعلیٰ طبقہ کے لوگ بھی مائل ہونے لگے تھے۔ دہلی میں ولؔی کے کلام کی آمد سے فکر و تخلیق میں انقلاب آفریں تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ فارسی کی جگہ اردو کو ترجیح دی گئی۔ اس گری پڑی زبان کو اوج و عروج کا سب سے اچھا موقع ملا۔ حاتم اور ان کے معاصرین نے اظہار کے سانچوں اور پیرایۂ بیان کو ایک جہانِ ممکنات سے ہمکنار کیا اور اظہار و ابلاغ کو ایسی توسیع دی کہ چند سالوں میں دامنِ اردو جہانِ معنی سے گراں بار ہو گیا۔

حاتم نے ۱۱۲۸ھ میں شاعری شروع کی۔ یہی فرخ سیر کا دور تھا۔ جس میں سیاسی ابتری، زبان و بیان کی ناہمواری کے ساتھ ہزل اور زٹل کی صورت میں پیش کی جا رہی تھی۔ جعفر زٹلی کی شاعری صرف سماج کی مضحکہ خیز تصویر پیش نہیں کرتی بلکہ زبان کی بھی بھونڈی اور کریہہ صورت کو آئینہ دکھاتی ہے۔ زبان و بیان کی یہی بھونڈی اور بھدی تصویریں حاتم اور ان کے معاصرین کے مرصع ساز قلم کی تراش خراش سے نکھر کر نگار خانۂ اردو کی زینت بن جاتی ہیں۔ ولی کا دیوان ۱۱۳۲ھ میں دہلی آیا۔ ۱۱۳۲ھ سے پہلے کی غزلیں دیوان زادہ میں موجود ہیں۔ حاتم نے اپنا قدیم دیوان ۱۱۴۱ھ میں مرتب کیا جس میں بقول قائم چاندپوری[3] تقریباً چار ہزار اشعار موجود تھے۔ میر، میر حسن،

---

[1] عقدِ ثریا، ۲۳ [2] معاصر، جنوری ۱۹۵۲ء

[3] مخزنِ نکات، ۲۴

شوق، شفیق نے بھی اپنے تذکرے میں ان کے قدیم دیوان کی زیارت کا ذکر کیا ہے۔ اس چودہ سال کی مختصر مدت میں چار ہزار اشعار کی موجودگی شاعر کی تخلیقی صلاحیتوں کو تسلیم کرنے کے لیے مجبور کرتی ہے۔ وہیں وافر و وقیع کلام کی موجودگی زبان کے تنوع و توسیع پر بھی بھرپور روشنی ڈالتی ہے۔ اس مختصر وقفے میں پراسرار تخلیقی عمل اور اس کے مکمل اظہار پر قادر ہونا ایک لسانی معجزہ سے کم نہیں۔

ہمارے محترم بزرگوں کی جدوجہد سے اس دور کا بہت کچھ ادبی سرمایہ گم نام ذخیروں سے نکل کر ہماری رسائی میں آ گیا ہے۔ اس دولتِ بیدار کی بازیافت سے ادبی تاریخ کی غیر مربوط کڑیوں اور خلاؤں کو پُر کرنے میں بڑی پیش رفت ہوئی ہے۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے دیوانِ فائز کی تحقیق و اشاعت سے ایک نئے ادبی سفر کا آغاز کیا۔ جو مبارک و مستحسن ہونے کے ساتھ ایک فالِ نیک بھی تھا۔ ان کے بعد پروفیسر محمد حسن نے دیوانِ آبرو کی بازیافت سے ادبی تاریخ کو نئی جہت سے روشناس کرایا۔ اسی طرح دیوانِ شاکر ناجی و دیوانِ یکرو ویقین وغیرہ کی اشاعت سے قدیم متون تک رسائی آسان ہوگئی۔ پروفیسر محمد حسن نے دیوانِ آبرو کو شمالی ہند کا سب سے قدیم اردو دیوان بتایا۔ راقم السطور کی یہ ادنیٰ کوشش بھی اس سلسلۂ تحقیق کی ایک کڑی ہے۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی مرحوم نے دیوان فائز کو کمالِ احتیاط سے مرتب کیا اور تحقیق کا حق ادا کیا۔ اور اسے شمالی ہند کا پہلا اردو دیوان تسلیم کیا:

> ''فائز اپنا کلیات، جس میں اردو دیوان بھی شامل ہے۔ ۱۱۲۷ھ میں مرتب کر چکے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فائز کا کلیات مرتب ہو چکنے کے ایک سال بعد حاتم نے فارسی میں اور پانچ سال بعد اردو میں شعر کہنا شروع کیا۔ اس طرح حاتم اور ان کے ساتھ اردو شاعری کرنے والے تمام شاعروں پر فائز کا تقدم ثابت ہے۔''[1]

قاضی عبدالودود نے دیوانِ فائز پر جو تحقیقی گفتگو کی ہے، اس کی روشنی میں فائز کی اولیت کا دعویٰ غلط ہو جاتا ہے کیوں کہ فائز نے ۱۱۲۷ھ میں فارسی کلیات مرتب کیا تھا۔ اردو کا حصۂ کلام اس میں شامل نہیں تھا۔ قاضی عبدالودود نے اس ضمن میں حسبِ ذیل تجزیہ و تبصرہ پیش کیا ہے:

> ''کلیات جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے ۱۱۴۲ھ سے ۱۵ سال قبل مرتب ہوا تھا۔ اور فاضل مرتب کی قطعی رائے ہے کہ ترتیب کے وقت دیوان اردو اس میں شامل تھا، مگر یہ ہرگز متعین نہیں۔ فائز نے ایک مثنوی میں جس کے چند شعر مقدمہ (۳۹) میں درج ہیں۔ ''بادشاہوں کے

---

[1] دیوانِ فائز، ۷۸

عبرت ناک انجام کا ذکر کیا ہے۔'' اس میں عالم گیر کی وفات کے ۱۴ سال بعد تک (وفات عالم گیر ۱۱۱۸ھ) جتنے بادشاہ ہوئے تھے، سب کے نام آئے ہیں۔ ایک مصرع جس میں محمد شاہ کا نام ہے (سال جلوس ۱۱۳۱ھ) یہ ہے:

''پس از وے محمد شاہ آمد پدید''

ظاہر ہے کہ یہ مثنوی ۱۱۲۷ھ میں شامل کلیات نہ ہوگی۔ فہرست آکسفورڈ میں ایک مثنوی کا ذکر ہے جو ۱۱۳۴ھ کی ہے۔ سالِ تصنیف ''دولت خانۂ والا'' سے معلوم ہوتا ہے یہ مثنوی ۱۱۲۷ھ کے مرتبہ کلیات سے غیر حاضر ہوگی۔ ان دو مثنویوں کا حال یہ ہے تو یہ کس طرح لازم آتا ہے کہ دیوان اردو اس میں موجود تھا۔ یہ نتیجہ نکالنا درکنار، کلیات کے نسخہ ۱۱۴۳ھ میں دیوان اردو کے شمول کی بنا پر یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ ۱۱۲۷ھ میں فائز کی ریختہ گوئی کا آغاز ہو چکا تھا۔ ۱۱۴۲ھ سے کتنے برس قبل اس کی ابتدا ہوئی، اس کا فیصلہ موجودہ مواد کی مدد سے نہیں ہو سکتا۔''

ان حقائق کی روشنی میں ۱۱۲۷ھ میں فائز کے فارسی کلیات کا مرتب ہونا معلوم ہوتا ہے، اردو دیوان کا نہیں کیوں کہ اس میں ۱۱۲۷ھ کے بہت بعد کا کلام شامل ہے۔ اس طرح پورا اردو کلام مشکوک ہو جاتا ہے۔

جو کلیات دستیاب ہے وہ ۱۱۴۲ھ کا ہے۔ قاضی عبدالودود کا یہ خیال حتمی طور پر صحیح ہے کہ اس کلیات کی روشنی میں فائز کا ۱۱۲۷ھ میں اردو شعر کہنا بہت مشتبہ ہے۔ ہاں کلیات کی موجودگی سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ۱۱۴۲ھ سے پہلے شاعری شروع کی تھی۔ زیادہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ کتنے سال پہلے۔ جب کہ حاتم کے بارے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی اردو شاعری کا آغاز ۱۱۲۸ھ میں ہو چکا تھا۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے دیوان زادہ کے مقدمہ اور مصحفی کے بیان مین ایک مطابقت پیدا کر کے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حاتم نے ۱۱۲۸ھ سے فارسی اور ۱۱۳۲ھ سے اردو میں شاعری شروع کی۔ یہ خیال تحقیقی طور پر غلط ہے۔ کیوں کہ دیوان زادہ میں دو غزلیں ۱۱۳۱ھ کی موجود ہیں۔ اور اگر دیوان زادہ کے نسخۂ رام پور کی روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ۱۱۳۰ھ کی ایک غزل مرزا مظہر کی زمین میں ہے:

کیا جو فاختہ نے سرو اوپر آشیاں اپنا

نسخۂ لندن اور نسخۂ لاہور میں ۱۱۴۰ھ درج ہے۔ اس لیے نسخۂ رام پور کی روایت مشکوک ہو جاتی ہے۔ لیکن اتنا تو درست ہے کہ حاتم کی اردو شاعری ۱۱۲۸ھ میں شروع ہو چکی تھی۔ جب کہ فائز کی اردو شاعری کی ابتدا کے

بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان حقائق کی رو سے پروفیسر مسعود حسن رضوی کا یہ خیال:

''فائز کا کلیات مرتب ہو چکنے کے ایک سال بعد حاتم نے فارسی میں اور پانچ سال بعد اردو میں شعر کہنا شروع کیا۔''[۱]

سراسر غلط ہے۔ فائز کا شرفِ تقدم بھی محض قیاسی ہے۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی کا یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ فائز کا اردو کلام اگر کل نہیں تو اس کا بیشتر حصہ ۱۱۲۷ھ سے پہلے وجود میں آ چکا تھا۔ لگتا ہے کہ فائز نے اپنا کلام نظرِ ثانی کر کے ۱۱۴۴ھ میں مرتب کیا اور اس میں اردو کلام شامل کر لیا۔ اس لیے ۱۱۲۷ھ میں اردو کلام کو شامل کرنے کی روایت درست نہیں ہے۔ ایک اور استدلال بھی محل نظر ہے۔

''فائز کی ولادت گیارہویں صدی ہجری کے اواخر اور وفات ۱۱۶۱ھ میں ہوئی۔ حاتم ان سے چند سال بعد ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ان کے انتقال کے چھیالیس برس بعد ۱۱۹۷ھ میں وفات ہوئی۔ اس لیے فائز سے متقدم ہونے کا کیا ذکر وہ ان کے ہم عصر بھی نہ تھے۔''[۲]

قاضی عبدالودود کی تحقیق کے مطابق فائز کا سالِ ولادت ۱۱۰۲ھ کے لگ بھگ قرار پاتا ہے۔[۳] حاتم کا سالِ ولادت ۱۱۱۱ھ ہے۔ فائز و حاتم کی عمر میں صرف نو سال کا فرق ہے۔ وہ معاصر کہلائیں گے۔ فائز نے یک رنگ کے اس مصرع کی تضمین کی ہے:

گر تم ملو گے غیر سے دیکھو گے ہم نہیں

یک رنگ کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ خان آرزو یا مرزا مظہر یا آبرو کے شاگرد تھے۔ اتنا تو یقینی ہے کہ وہ فائز آبرو اور حاتم کے ہم عصر ہیں۔ ان کا کلام بھی فائز کے سامنے آ چکا تھا۔ جب ہی تضمین بھی کی گئی۔ لیکن اس تضمین سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ فائز یکرنگ کے بعد کے شاعر ہیں۔ اتنا ظاہر ہے کہ یکرنگ کا کلام خاص طور پر یہ شعر فائز کو بہت پسند تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یک رنگ کو کسی حد تک مقبولیت حاصل رہی گی۔ فائز کی ریختہ گوئی کے بارے میں ایسی مثالیں نہیں ملتیں۔ یہ بھی حیرت خیز ہے کہ شاہ حاتم نے کئی شعرا کی زمین میں غزلیں لکھیں مگر فائز کی زمین میں ایک بھی غزل نہیں لکھی۔ اس کے بظاہر دو سبب ہو سکتے ہیں۔ فائز کا کلام اتنا مشہور نہ رہا ہو یا حاتم کی نظر سے نہ گزرا ہو۔ بہرحال یک رنگ کے مصرع کی تضمین سے فائز کی قدامت ثابت نہیں ہوتی۔ تذکروں میں فائز کا ذکر نہ ہونا ان کی عدم مقبولیت پر دال ہے کیوں کہ ان کا اردو کلام تذکرہ نگاروں کی نظر سے اوجھل تھا۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے فائز اور ولی کی ہم طرح غزلوں کے ذکر میں لکھا ہے:

---

[۱] دیوان فائز، ۷۸ — [۲] دیوان فائز، ۷۸
[۳] عیارستان، ۲

''فائز کے اردو دیوان میں کل ۴۶ غزلیں ایسی ہیں جن کی ہم طرح غزلیں ولی دکنی کے کلیات میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ایک ہم طرح مخمس بھی دونوں کے یہاں ملتا ہے۔ اس حد تک مطابقت صرف اتفاقی بات نہیں ہوسکتی۔ فائز کا کلیات فرخ سیر کے عہد میں مرتب ہو چکا تھا۔ اور ولی کا دیوان بہ قول حاتم جلوس محمد شاہ کے دوسرے سال دہلی میں آیا۔ اگر حاتم کی یہ اطلاع صحیح ہے تو ولی کے دیوان سے پہلے ان کی غزلیں دہلی پہنچنے لگی ہوں گی اور فائز ان کے جواب میں غزلیں کہتے رہے ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ولی کا دیوان فائز نے حاصل کر لیا ہو اور حاتم کو اس کی خبر نہ ہو'' [1]

اس گفتگو سے بھی فائز کو اولیت حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ولی کے مقلد ہیں۔ ولی کی غزلیں دیارِ دہلی میں شہرت پا رہی تھی۔ فائز کا غالب حصہ کلام ولی کی زمین میں ہے۔ یعنی ۴۶ میں ۳۳ غزلیں واضح طور پر نشان دہی کر رہی ہیں کہ فائز کے پیشِ نظر ولی کا دیوان تھا۔ ولی کا دیوان ۱۱۳۲ھ میں دہلی آیا۔ ان ہم طرح غزلوں کی کثرت سے حاتم کے بیان کی مزید توثیق ہوتی ہے۔

''سنہ دوم فردوس آرام گاہ دیوانِ ولی در شاہ جہان آباد آمدہ و اشعارش بر زبانِ خورد و بزرگ جاری گشتہ۔''

آبرو، مضمون، یکرنگ کی طرح فائز نے بھی نئی تحریک حاصل کی ہو اور ۱۱۳۲ھ کے آس پاس شعر کہنا شروع کیا ہو۔ ان شکوک و شواہد کی روشنی میں دیوان فائز کو شمال ہند کا سب سے قدیم اردو دیوان تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صرف ایک قیاس ہے۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی کے قیاسات میں قباحت ہے اور اصرار میں مسلکی تحقیق کی ادعائیت کا عنصر بھی بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔ شاید اسی سبب ان کا سرمایۂ تحقیق مخصوص منصوبے تک محدود ہے۔ خواہ واجد علی شاہ کی دفاع میں ہو، یا مولانا محمد حسین آزاد کی حمایت میں ہو یا غالب کو ہم عقیدہ ثابت کرنے میں۔ عقائد کی رہبری میں تحقیق کا معیار معتبر نہیں ٹھہرتا۔ فائز کو شاعری میں اولیت دینے کے پیچھے شاید عقیدے کو زیادہ دخل ہے کیوں کہ فائز شیعہ تھے۔ اس شعوری اندازِ نظر نے اردو تنقید و تحقیق کو مہلک اور مسموم رویوں سے آشنا کیا۔ تنقید ہو یا تحقیق ہیرو پرستی بھی ایک بشری کمزوری بن جاتی ہے اور علم و آگہی میں گمراہی کا سبب بنتی ہے۔

پروفیسر محمد حسن کا مرتب کردہ دیوانِ آبرو جسے انھوں نے موجودہ تحقیقات کی روشنی میں شمالی ہند کا پہلا دیوان کہا ہے اور اس احتیاط کے ساتھ کہ جب تک حاتم کا قدیم اردو دیوان دستیاب نہ ہو جائے۔

---

[1] دیوان آبرو، ۱۲۶

''فائز کے بعد اولیت کے اعزاز کا حق صرف حاتم اور آبرو کو ملتا ہے۔ حاتم کا دیوان دستیاب نہیں۔ صرف نظر ثانی کے بعد مرتب کیا ہوا دیوان زادہ ملتا ہے جو یقیناً بہت بعد کا کلام ہے۔ ایسی صورت میں آبرو کا دیوان یقیناً شمالی ہند میں اردو کا پہلا مستند دیوان ہے جواب تک دریافت کیا جاسکا ہے۔'' [۱]

پروفیسر محمد حسن کا خیال صحیح ہے کہ اولیت کا مسئلہ صرف حاتم اور آبرو کے درمیان ہے۔ فائز اس میں شامل نہیں ہیں۔ یوں بھی ضخامت کے اعتبار سے فائز کا کلام صرف چالیس غزلوں اور چند نظموں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک مختصر دیوان کی صورت بھی نہیں رکھتا۔ جب کہ حاتم و آبرو کے کلام کی ضخامت اور جامعیت کئی گنا زیادہ ہے۔ پروفیسر محمد حسن نے اقرار کیا ہے کہ اگر حاتم کا قدیم دیوان دستیاب ہوجائے تو انھیں کو اولیت کا شرف حاصل ہوگا۔ نسخۂ دہلی کی دریافت کے بعد انھیں کے قول کے مطابق آبرو کی اولیت ختم ہوجاتی ہے۔ دیوانِ حاتم کو شمالی ہند کا پہلا اردو دیوان تسلیم کیا جانا چاہیے۔ کیوں کہ یہ سچ ہے کہ حاتم نے ۱۱۴۲ھ میں اپنا قدیم دیوان مرتب کرلیا تھا۔ دیوانِ آبرو کے فاضل مرتب کا حسبِ ذیل خیال قابلِ توجہ ہے:

''البتہ حاتم کے پہلے دیوان کی ترتیب و تدوین کی تاریخ کا تعین جب تک نہ کیا جائے اس وقت تک انھیں پہلا صاحب دیوان شاعر قرار دینا دشوار ہے۔ حاتم اسی دیباچے میں ۱۱۶۸ھ میں لکھتے ہیں کہ دیوان قدیم ۲۵ سال سے بلادِ ہند میں مشہور ہے۔ اس حساب سے دیوانِ حاتم غالباً ۱۱۴۳ھ میں مرتب ہوا ہوگا۔ جب کہ آبرو کا سالِ وفات ۱۱۴۶ھ ہے اور یقیناً آبرو کا دیوان اس سنہ سے قبل مرتب ہو چکا تھا۔ عین ممکن ہے کہ حاتم پر اولیت آبرو کو حاصل ہو۔ اس کا ایک ثبوت اس بات سے بھی مل سکتا ہے کہ حاتم کے دیوان زادہ میں آبرو کی طرح میں تین غزلیں ملتی ہیں جو ۱۱۳۷ھ، ۱۱۴۰ھ اور ۱۱۴۲ھ کی تصنیف ہیں۔'' [۲]

حسرت موہانی نے بیسویں صدی میں کلامِ حاتم کی بازیافت کی۔ دوسری اہم کوشش پروفیسر محی الدین قادری زور کی ہے، جنھوں نے 'سرگذشتِ حاتم' لکھی۔ انھوں نے بھی حاتم کو دہلی کا پہلا اردو شاعر تسلیم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مجھے توقع تھی کہ میں دہلی کے اس پہلے اردو شاعر شاہ حاتم کے حالات زندگی اس وسیع

---

[۱] دیوان آبرو، ۲۵

[۲] دیوان آبرو، ۱۷

پیمانے پر مرتب کر سکوں گا جس پیمانے پر کہ اردو کے پہلے شاعر محمد قلی قطب شاہ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔'' [1]

حاتم نے مقدمۂ دیوان زادہ میں لکھا ہے:

''فقیر دیوان قدیم از بست و پنج سال در بلادِ ہند مشہور دراد۔ و بعد بترتیب آں تا امروز کہ سنہ احد عزیز الدین عالمگیر ثانی باشد، بقول فقیر کہ بیت:

مارا بفراغت اجل دیر رساند
ایں عمر دراز سخت کوتاہی کرد

ہر رطب و یابس کہ زبان ایں بے زباں بر آمدہ، داخل دیوانِ قدیم نمودہ کلیات مرتب ساختہ۔''

رام پور کا نسخہ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں ایک نئی اطلاع موجود ہے جو کسی اور نسخہ میں نہیں ہے۔ اس مذکورہ مخطوطے میں دوسری اطلاع بھی بہت اہم ہے کہ نادر شاہ کے حملے میں اسبابِ خانہ کے ساتھ ان کا کلیات بھی ضائع ہو گیا تھا۔ اس طویل نظم کا ایک معقول حصہ بھی تلف ہو گیا۔ انھوں نے درخواست کی ہے کہ اگر کسی صاحب کے پاس وہ اشعار ہوں تو مرحمت فرمائیں شاہ حاتم شکر گزار ہوں گے۔ اس بیان سے نظم ''بزمِ عشرت'' کے سو اشعار کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ 'وصف روشنی' کے اختتام پر یہ شعر:

پلا ایسا نشہ اے شمع محفل
کہ پیتے جس کے آوے رقص میں دل

'وصفِ رقص' کی ذیلی سرخی موجود ہے مگر اشعار نہیں ہیں۔ اگر وہ سو اشعار دستیاب ہوتے تو اس نظم کے اشعار کی مجموعی تعداد تقریباً ساڑھے پانچ سو ہوتی اور یہ ابتدائی دور کی شاعری کا ایک شاہ کار بیانیہ ہوتا۔ ویسے بھی یہ نظم زبان و بیان سے قطعِ نظر عرضِ ہنر کا تابندہ جوہر ہے جس میں منظر و محاکات کے ساتھ مشاہدات کا ایک جہانِ دیگر آباد ہے۔ یہاں حاتم کا سیلِ بیان صحرا میں رودِ نیل کی طرح سرمست و آزاد ہے۔

'وصفِ حقہ و قہوہ' بھی بیانیہ نظمیں ہیں۔ مگر 'بزمِ عشرت' جیسی بات نہیں ہے۔ یہ فرمائشی بھی ہیں ان میں تخیل کی جولانی اور طبیعت کی روانی کم نظر آتی ہے۔ بادشاہ محمد شاہ نے جعفر علی خاں ذکی سے حقہ پر نظم لکھنے کی فرمائش کی تھی لیکن وہ دو تین اشعار سے زیادہ نہ لکھ سکے تھے۔ شاہ حاتم نے ۱۹۵ اشعار لکھ کر نظم مکمل کی میر نے لکھا ہے کہ یہ مثنوی ''خالی از مزہ نیست'' دیوان زادہ میں ذکی کی جگہ صادق لکھا ہوا ہے۔ بعض لوگوں نے ذکی کی مثنوی

---

[1] سرگذشت حاتم، ۱۳

کوشاہ حاتم سے منسوب کیا ہے جو غلطی ہے۔ پروفیسر محی الدین قادری زور نے بھی اس غلط روایت کو تسلیم کر کے مزید غلط فہمی پیدا کی ہے۔ دیوان زادہ کے کسی نسخے میں یہ مثنوی شامل نہیں ہے۔ میر تقی میر نے اپنے تذکرے میں زکی سے ہی نسبت دی ہے۔ حیرت ہے کہ نسخۂ لکھنؤ میں سراپا' ساقی نامہ' اور بزمِ عشرت مثنویاں نہیں ہیں، گویا نسخۂ لکھنؤ ۱۵۷۶ اشعار سے محروم ہے۔

وہ ایک قادرالکلام اور زود گو شاعر تھے۔ یہ اعتراف ۱۱۴۱ھ کی غزل کے مقطع میں موجود ہے:

کئی دیوان کہہ چکا حاتم

اب تلک پر زباں نہیں ہے درست

اس کا مفہوم وافر کلام سے ہے۔ مجموعہ ہائے شعر سے نہیں۔

اردو زبان تحریف و تبدیلیوں کے ساتھ بہتر سے بہتر صورت پذیری کی طرف مائل تھی۔ اس عبوری دور میں حاتم کی زبان کا درست ہونا ممکن نہ تھا۔ وہ قدیم دیوان کی ترتیب کے بعد بھی شاعری کرتے رہے۔ خاصا کلام مرتب ہو چکا تھا۔ ۱۱۵۷ھ کے بعد حاتم نے بڑی شدت محسوس کی۔ مرزا مظہر جان جاناں کی اصلاحِ زبان کی تحریک لسانی اور علاقائی تحریک کی صورت میں زبان و بیان میں انقلاب انگیز تبدیلی لانے کی متقاضی تھی۔ یہ تحریک اردو کو محاورۂ شاہ جہان آباد کے مطابق ڈھالنے کی شعوری و سرگرم کوشش تھی۔ حاتم کو احساس تھا اور ضرورت بھی تھی۔ انھوں نے ۱۱۶۸ھ میں قدیم کلام سے انتخاب کیا۔ پرانی زبان کو نئے دور اور اس کے رواج کے مطابق داخل کیا۔ یہ کام ۱۱۶۹ھ میں مکمل ہوا۔ زبان میں تبدیلی کے نمایاں اثرات ۱۱۵۷ھ میں نمودار ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اس کا اندازہ نسخۂ دہلی کے متن سے بھی ہوتا ہے۔ قدامت کے ساتھ قدیم متن اور اس کی املائی صورتوں کی موجودگی سے نسخۂ دہلی کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

قدیم و جدید کے امتیازات اور ان میں تبدیلی و انحراف کی سب سے واضح اور خیال افروز صورتیں کلامِ حاتم میں ملتی ہیں۔ حاتم نے دیوان زادہ کی ترتیبِ نو کے وقت اسی ضرورت کے پیشِ نظر پورے کلام پر نظرِ ثانی کی اور ایک انتخاب کیا اور اس میں اضافہ و اصلاح بھی کیے۔ انھوں نے مقدمہ میں لکھا ہے:

"بندہ در دیوانِ قدیم خود تقید دار دو دریں دلا از دہ، دوازدہ سال اکثر الفاظ را نظر انداختہ۔"

انھیں تقاضوں سے مجبور ہو کر انھوں نے ۱۱۶۹ھ میں نیا انتخاب اور نئی ترتیب پیش کی اور بہت سے نئے اضافے بھی کیے۔ کئی تذکرہ نگاروں نے کلامِ حاتم دیکھا تھا۔ میر نے ردیف م تک دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ میر حسن نے دونوں دیوان یعنی دیوان قدیم اور دیوان زادہ دیکھا تھا اور ان کے کلام کی شہرت کا اعتراف کیا ہے:

''دو دیوان ترتیب دادہ۔ یکے بہ زبان قدیم بہ طور ایہام۔ دوم بہ زبان حال ادائیہ۔ شہرۂ اشعارش بسیار است۔ اکثر غزلہائے او را نغمہ سرایانِ ہندی خوانند۔'' [1]

شوق رام پوری، قائم چاند پوری اور شفیق اورنگ آبادی نے کلامِ حاتم کے مطالعے کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ قائم چاند پوری نے دیوان دیکھا تھا جس میں بہ قول ان کے تقریباً چار ہزار اردو اشعار تھے۔ تذکرۂ عشقی میں لکھا ہے کہ محفل سماع میں صوفیا اور درویشوں پر ان کے کلام سے حال وقال بھی طاری ہوتا تھا۔ حاتم کو احساس تھا۔ انھوں نے کلام میں جا بجا اس شرف وسعادت پر فخر کیا ہے:

تمام ہند میں دیوان کو ترے حاتم
رکھے ہے جان سے اپنی عزیز عام اور خاص
شاعری کے فن میں وہ آفاق میں مشہور ہے
رات دن جاری ہے عالم میں مرا فیضِ سخن

کچھ تذکرہ نگاروں نے انھیں طبقۂ اول اور کئی نے انھیں طبقۂ دوم میں جگہ دی ہے۔ درحقیقت متقدمین شعرائے دہلی کی کہکشاں میں آبرو و حاتم کی نورفشانی سے اردو ادب جہاں تاب ہے۔ لسانی شعور اور اصلاحِ زبان کی بصیرت رکھنے والوں میں وہ بہرحال سرِفہرست ہیں۔

الفاظ ومعانی کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ایہام گوئی سے دست برداری غزلوں میں بحروں کی تخصیص، سنہ تخلیق اور طرحی زمینوں کا اندراج بھی شامل کیا۔ اس طرح کلامِ حاتم کا انتخابِ نوئی صورت اور نئے رجحان کے ساتھ ۱۱۶۹ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے ان حقائق کی روشنی میں حاتم کے قدیم دیوان کی تاریخ تدوین ۱۱۴۲ھ قرار پاتی ہے۔ گویا آبرو کے انتقال سے چار سال پہلے حاتم کا قدیم دیوان مرتب ہو چکا تھا۔ دیوانِ آبرو کی تاریخ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی ہے۔ آبرو اور معاصرین کی تحریروں میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔ فاضل مرتب پروفیسر محمد حسن نے جس یقین کے ساتھ کہا ہے وہ بہت مشکوک بھی ہے۔ یعنی ان کا یہ کہنا کہ یقیناً آبرو کا دیوان ان کی وفات (۱۱۴۶ھ) سے پہلے مرتب ہو چکا تھا۔ یہ ایک سچائی ہو سکتی ہے اور قابلِ قبول قیاس بھی۔ مگر ابھی تک کوئی ایسی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی ثبوت وشواہد حاصل ہو سکے ہیں جن کی بنیاد پر قطعیت کے ساتھ اقرار کیا جا سکے۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ شاعر کا دیوان اس کی حیات میں مرتب ہو جاتا ہے لیکن ایسی بہت مثالیں ہیں کہ انتقال کے بعد کلام مرتب ہوا ہے جسے شاگردوں اور عزیزوں نے انجام دیئے ہیں۔ یہ مثال بھی

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو، ۴۶

دیکھنے میں آئی ہے کہ عقیدت مند نے کلام کو اس کی زندگی میں ہی مرتب کر لیا ہے اور خود شاعر اس ترتیب کو کالعدم قرار دے دیتا ہے۔ بیسویں صدی میں اقبال کے ساتھ یہ ہو چکا ہے۔ جب تک دیوانِ آبرو کا کوئی نسخہ ان کی حین حیات کا نہیں ملتا یا عصری و معتبر شہادت نہیں ملتی، شبہ کی گنجائش رہے گی۔ دیوان زادہ میں آبرو کی زمین میں غزلوں کی موجودگی سے بھی آبرو کی اولیت ثابت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ حاتم نے معاصرین یا پیش رووں کا تتبع کیا ہے انھوں نے شاگردوں اور عزیزوں کی زمین میں بھی غزلیں کہی ہیں۔ اس اعتبار سے سودا، حاتم کے پیش رو نہیں ہو سکتے۔ دیوان زادہ کے مختلف نسخوں میں آبرو کی زمین میں پانچ غزلیں ملتی ہیں۔ حاتم نے دیوان زادہ کے مقدمے میں آبرو کے اشعار نقل کیے ہیں۔ پروفیسر محمد حسن کے خیال میں یہ بھی آبرو کی قدامت پر دال ہے۔ حاتم نے ۱۱۶۹ھ میں دیوان زادہ ترتیب دیا۔ مقدمہ میں ان اشعار کا اندراج قدامت کی دلیل نہیں ہے۔ حاتم نے اگر دیوان آبرو سے استفادے اور ۱۱۴۲ھ سے پہلے ترتیب کا حوالہ دیا ہوتا تو ان کے مجموعۂ کلام کی قدامت تسلیم کر لی جاتی۔ آبرو کا قول شعری روایت کے بدلتے ہوئے مزاج کی غمازی کرتا ہے اور یہ تبدیلی آبرو کی زندگی میں شروع ہو چکی تھی۔

پروفیسر محمد حسن کا خیال بجا طور پر صحیح ہے کہ حاتم نے آبرو سے اثر قبول کیا ہے[1] اور بقول قاضی عبدالودود حاتم مقلد ہیں موجد نہیں[2] لیکن وہ شمالی ہند کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ پروفیسر محمد حسن نے فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے خطی نسخہ کے ترقیمہ کی روشنی میں ایک فکر انگیز نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

> ''یہ مخطوطہ ۱۱۴۶ھ میں لکھا گیا۔ یہ مخطوطہ نہایت غلط سلط لکھا ہوا ہے لہٰذا یہ مصنف کا اپنا مرتب کردہ نہیں ہو سکتا۔ یہ اندازہ لگانا بعید از قیاس نہیں کہ اس سے قبل دیوانِ آبرو مرتب ہو چکا تھا اور یہ اس کی نقل ہے۔ اگر تین چار سال قبل ہی دیوانِ آبرو کی ترتیب تسلیم کر لی جائے تو آبرو اگر شمالی ہند میں اردو کے پہلے صاحب دیوان نہ سہی تو کم سے کم ان کا دیوان شمالی ہند کا سب سے پہلا دستیاب شدہ اردو دیوان ضرور قرار پاتا ہے۔'' [3]

اس غلط سلط مخطوطہ کی موجودگی سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کاتب کے سامنے شاعر کا مرتب کردہ دیوان بھی پیشِ نگاہ تھا۔ مگر اس پر یقین کر لینا مناسب نہ ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ آبرو نے اپنے قلم سے مرتب ہی نہ کیا ہو۔ کسی کم سواد نے اپنے طور پر قلم بند کیا ہو۔ یا ۱۱۴۶ھ میں ہی مرتب ہوا ہو۔ یا اس سے دو ایک سال پہلے

---

[1] دیوانِ آبرو، ۱۷ [2] عیارستان، ۱۰

[3] دیوانِ آبرو، ۱۸

ترتیب دیا گیا ہو۔ ایک دو کے علاوہ تمام تذکروں میں فائز کی شاعری اور کلام کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف آبرو کا ذکر ہر جگہ ملتا ہے۔ مگر ان کے دیوان کے دیکھے جانے کی اطلاع نہیں ملتی اور نہ اشعار کی تعداد کا تذکرہ ہے۔ جیسا کہ حاتم کے قدیم دیوان کے بارے میں تذکرہ ہوا ہے۔ آبرو کی اولیت مشتبہ ہو جاتی ہے۔ حاتم کو اپنے دیوان کے جمع و ترتیبِ کلام میں بہرحال اولیت حاصل ہے۔ موجودہ مواد کی روشنی میں ان کا قدیم دیوان شمالی ہند کا پہلا اردو دیوان ہے۔ تاریخ و تحقیق جامد شے نہیں ہے اور نہ یہاں مطلقیت نام کی کوئی چیز ہے۔ انسانی اسلوبِ فکر کا یہ دل نشیں مطالعہ ہے کہ ماضی کی دریافت غلط ہوتی رہتی ہے اور نئی تحقیقات سے پرانے کلیے کالعدم ہوتے رہتے ہیں۔ انسانی فکر کی ارتقا کا یہ دلچسپ پہلو ہے کہ ماضی کی یافت کا سہارا لے کر وہ آگے رواں دواں رہتا ہے۔ محمد حسین آزاد کے دور تک فضلی کی کربل کتھا کو اردو نثر کو حرفِ آغاز تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ اس کے بعد معراج العاشقین کے تحقیق نے اسے غلط بتایا اور خود یہ دریافت بھی اثبات حاصل نہ کر سکی۔ بعد ازاں گنج العلم کے رسالے کو پہلا نثری نمونہ قرار دیا گیا۔ بعد کی دریافت نے اسے بھی مسترد کر کے جہانگیر اشرف سمنانی کے رسالہ کو اولیت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ان ساری تصانیف کے مقابلے میں رسالہ جنونیہ کو سب پر فوقیت دی گئی۔ اس طرح بارہویں صدی ہجری کی تاریخ نویں ہجری میں جا پہنچتی ہے۔ قوی امکان ہے کہ حاتم سے قبل کسی دیوان کی دستیابی اس حقیقت کو غلط ثابت کر دے۔

پیشِ نگاہ ذاتی مخطوطے میں غزلوں کی مجموعی تعداد ۱۲۸ ہے جن میں ۵۵ غزلیں ایسی ہیں جو دیوان زادہ کے نسخوں میں دستیاب نہیں ہیں۔ انھیں اردو لوحِ لسان کی تقدیر ساز تخلیق بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ غزلیں زبان و تحریر کے ابتدائی نقوش کو پیش کرتی ہیں ان سے کتابت و اندازِ تحریر کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ زبان و بیان اور اظہار کے اسالیب سے ان کی قدامت کا یقین ہوتا ہے۔ ان غیر مطبوعہ غزلوں کے بعد مخطوطے میں کل ۷۳ غزلیں ایسی ہیں جو دیوان زادہ کے نسخوں میں پائی جاتی ہیں۔ گویا وہ مخطوطہ اور دیوان زادہ میں مشترک ہیں۔ اس مخطوطہ میں ۱۱۴۲ھ کے بعد کی لکھی گئی غزلوں کی تعداد ۳۲ ہے۔ جو مخطوطے میں موجود ہیں اور دیوان زادہ میں بھی ہیں۔ اس میں ۴۷ غزلیں نسخۂ دہلی اور دیوان زادہ کے نسخوں میں مشترک ہیں۔ غزلوں کے علاوہ فردیات ایہام کے تحت ۱۳۴ اشعار ہیں جن میں سولہ اشعار ایسے ہیں جو دیوان زادہ کے نسخوں میں موجود نہیں ہیں۔ اس مخطوطہ میں چار رباعیاں بھی شامل ہیں جن میں سے تین دیوان زادہ میں دستیاب نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ اس مخطوطہ میں ۲۱ بندوں یا ۱۸۷ اشعار پر مشتمل مسدس ہے جو اور کہیں نہیں ہے۔ دو مخمس بھی دس بندوں پر مشتمل ہیں جو کسی نسخے میں دستیاب نہیں ہیں۔

جو غزلیں ذاتی مخطوطے اور دیوان زادہ میں مشترک ہیں ان میں بھی ۱۲۷ اشعار ایسے ہیں جو ذاتی خطی نسخے میں ہیں مگر دیوان زادہ میں نہیں ہیں۔ اس طرح غزلوں کے غیر مطبوعہ اشعار کی تعداد تقریباً ۳۲۷ ہے۔ جو دیوان زادہ میں نہیں ہے۔ اور دوسرے اصناف کے غیر مطبوعہ ۱۲۲ اشعار کو شامل کرلیں تو اس انتخاب میں غیر مطبوعہ اشعار کی تعداد کی مجموعی تعداد تقریباً ساڑھے چار سو تک پہنچتی ہے، جو ایک بڑی یافت ہے۔ ان نو دریافت کی وجہ سے نسخۂ دہلی کی افادیت بڑھ جاتی ہے اور کلامِ حاتم کے قدیم مجموعہ شعری پر زبان و بیان کے متنوع مباحث قائم کیے جاسکتے ہیں۔

مخطوطۂ دہلی کے تعارف میں معاصر محسوسات، سماجی شعور، تاریخی تغیرات غرض معاشرے کے عروج وانحطاط کی دل دوز داستان کو ادبی شاہکار بنا دینے کے لیے شاہ حاتم کا تیسرا مخمس ''شہر آشوب'' ایک دستاویز سے کم نہیں ہے۔ دوسرے اصناف کی غیر موجودگی میں بھی حاتم اس شہر آشوب کی بدولت ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔ یہ ۱۱۴۱ھ کی تخلیق ہے۔ نسخۂ دہلی میں بارہ بند ہیں۔ جب کہ دیوان زادہ میں کل پچیس بند ہیں۔ چوتھا مخمس ۱۱۴۲ھ کی تخلیق ہے۔ اس میں کل دس بند ہیں۔ پانچواں مخمس پانچ بندوں پر مشتمل ہے۔ جو صرف دہلی کے مخطوطے میں محفوظ ہے۔ شروع ہوتا ہے:

ہائے کیا وقت کیا گھڑی ہے آج
نہ کنہیا نہ بانسری ہے آج

اس مخطوطے میں ایک اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔ ایک طویل مسدس ہے جس میں ستاسی اشعار ہیں۔ یہ مسدس دیوان زادہ کے نسخوں میں دستیاب نہیں ہے:

آپ کی یاد کر خدا کی قسم
جان و دل شاد کر خدا کی قسم

دیوان زادہ میں شامل غزلوں کے درجنوں ایسے اشعار ہیں جو ترتیب نو کے وقت حذف کر دیے گئے ہیں مگر اس مخطوطے میں محفوظ ہیں جیسے شرف الدین مضمون کی زمین میں کہی جانے والی ردیف الف کی یہ غزل:

تو ہوا ہے جب سوں ہم زانو مرا

دیوان زادہ میں صرف سات اشعار پائے جاتے ہیں جب کہ اس مخطوطے میں بارہ اشعار موجود ہیں۔ ولی کی زمینِ طرح میں لکھی جانے والی غزل:

تاباں ہے اس نگاہ سیں مج دل میں نور آج

میں پانچ اشعار تھے دیوان زادہ کی ترتیب کے وقت دو حذف کر دیے گئے اس طرح کئی غزلوں کے اشعار محذوف ہیں۔ مخطوطے کے متن کی مدد سے ان کی صحیح تعداد متعین کی جا سکتی ہے۔

تحقیق میں تدوینِ متن سب سے زیادہ پرخطر اور صبر آزما کام ہے۔ ہر قدم پر آزمائش اور ہر طرح کے اندیشہ ہائے افلاکی کا خوف درپیش ہوتا ہے۔ قدیم متون کی ترتیب و تدوین اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ حاتم کی یہ خوش نصیبی ہے کہ ان کا کلام گوشۂ خفا سے باہر آ چکا ہے۔ کلامِ حاتم کے اب تک سات خطی نسخے معلوم کیے جا چکے ہیں۔ قدامت کے اعتبار سے نسخۂ دہلی سب سے اہم ہے۔ یہ نسخہ دراصل ایک مجموعۂ انتخاب کی حیثیت رکھتا ہے جس میں ولی، حاتم، آبرو اور قطبی کے کلام کا انتخاب شامل ہے۔ انتخابِ کلام حاتم ایک جز، ایک ورق پر مشتمل ہے۔ جب کہ دیوانِ آبرو تین جز اور ایک ورق پر پھیلا ہوا ہے۔ ترتیبِ انتخاب میں ولی، حاتم، آبرو اور قطبی کا کلام علی الترتیب ہے۔ اس خطی نسخہ کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ لیکن درمیانِ کلام دو جگہ سنین کا ذکر ملتا ہے۔ دیوانِ آبرو کے خاتم پر حسبِ ذیل ترقیمہ کی عبارت ملتی ہے:

''تمت تمام شد نسخۂ دیوان آبرو بتاریخ بست و نہم شہر ربیع الثانی بخط رحمت خاں بن فیروز خاں بطریق مسودہ بکمال استعجال نوشتہ شد ۱۱۳۸ھ جلوسی مطابق ۱۱۵۸ھ ہر کہ مطالعہ نماید بدعاءِ خیر یاد آرد۔''

اس کے بعد آبرو کی وہ مثنوی درج ہے جو ''در موعظۂ آرائش معشوق'' کے نام سے معرف ہے۔ جسے پروفیسر محمد حسن نے دیوانِ آبرو کے ضمیمہ میں نقل کیا ہے۔ اس مثنوی کے اندراج کے بعد دوسرا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

''تمت تمام شد ۱۱۶۱ھ سنہ احد احمد شاہی۔''

اس کے بعد اس مثنوی کے اشعار کی تعداد لکھی ہے:

''جملہ بیت دوصد وسی و چہار۔''

مطبوعہ دیوانِ آبرو میں مثنوی کے اشعار کی تعداد سوا دو سو ہے جب کہ اس مخطوطہ میں مثنوی کے اشعار کی تعداد ۲۳۴ ہے۔ ان دونوں عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ دیوان آبرو ۱۱۵۸ھ میں لکھا گیا اور تین سال بعد اس مثنوی کا اضافہ ہوا۔ اس طرح یہ دیوان ۱۱۶۱ھ تک لکھا جاتا رہا۔ ان ترقیموں سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ دیوان حاتم جو ترتیب کے لحاظ سے دیوان آبرو سے پہلے ہے۔ وہ ۱۱۵۸ھ سے پہلے لکھا گیا ہے اور دیوانِ حاتم سے پہلے دیوانِ ولی کی نقل و کتابت ہوئی ہے۔ یہ مجموعہ انتخاب ایک ہی کاتب یعنی رحمت خاں بن فیروز خاں کا لکھا ہوا ہے۔ قیاس ہے کہ رحمت خاں بن فیروز خاں شاید پیشہ ور کاتب رہے ہوں۔ ان کے والد کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ

ناچیز کے مخزونہ میں موجود ہے۔ جو خاصا وقیع اور اہم ہے۔ ''لطیفۂ فیاض'' مرقومہ ۱۰۸۳ھ فیروز خاں ولد شہباز خان کنبوہ ساکن شاہ جہان آباد و دہلی۔ ترقیمہ کی عبارت میں درج ہے۔ اگلے وقتوں میں کتابت اور وراقی ایک پیشہ تھا جو نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا تھا۔ مذکورہ مخطوطہ کے مجموعے کا دہلی میں نقل کیا جانا بھی قرین قیاس ہے۔ حقیقت کیا ہے، قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔

شروع سے آخر تک ایک طرح کا کاغذ و روشنائی اور ایک ہی خط ملتا ہے۔ دبیز کاغذ سیاہ روشنائی اور پختہ قلم کی وجہ سے تحریر بے حد دل کش ہے۔ خط شکستہ آمیز ہے جس سے مخطوطہ پڑھنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ حوض و حاشیے کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس قیاس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ اس میں موجود کلام کا سب سے غالب حصہ ۱۱۳۱ھ سے ۱۱۴۲ھ تک کا ہے۔ اور اس کے بعد پانچویں دہائی کا کلام ملتا ہے۔ چھٹی دہائی یعنی ۱۱۵۱ھ سے ۱۱۶۰ھ کی صرف چھ غزلیں ہیں۔ ۱۱۵۱ھ کی دو ۱۱۵۲ھ کی دو ۱۱۵۴ھ کی دو غزل ملتی ہے۔ ان اعداد و شمار سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس نسخہ کی نقل و کتابت دیوان زادہ کی ترتیب سے پہلے اور ۱۱۵۴ھ کے آس پاس ہوئی۔ کیوں کہ اس مخطوطے میں ۱۱۵۵ھ سے لے کر ۱۱۶۰ھ تک کی کوئی غزل نہیں ملتی۔ چھ سال کا خلا ملتا ہے۔ جس سے یقین کیا جا سکتا ہے کہ مخطوطے کی کتابت ۱۱۵۴ھ یا ۱۱۵۵ھ میں ہوئی ہے۔ بہر حال اتنا تو مسلم ہے کہ یہ مخطوطہ ۱۱۵۸ھ سے پہلے لکھا گیا۔ ترقیمہ کی عبارت میں ۱۱۵۸ھ کی موجودگی سے کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یوں بھی دیوان زادہ کے مختلف نسخوں میں متعدد غزلوں کی تخلیق کے سن و سال میں کہیں کہیں فرق ملتا ہے۔ اور یہ فرق حیرت و استعجاب میں ڈالتا ہے۔ مثلاً مرتبہ دیوان کی ساتویں غزل نسخہ رام پور و علی گڑھ کے مطابق ۱۱۵۱ھ کی ہے جب کہ نسخہ لندن و لاہور میں ۱۱۳۵ھ درج ہے:

جاتا ہے روبرو سیں مرے یار جاں کی طرح

دوسرے نسخوں کے مطابق ۱۱۶۱ھ اور نسخۂ لندن کی رو سے ۱۱۳۷ھ کی غزل ہے۔ اسی طرح اس کے بعد کی غزل ۱۱۵۱ھ کی بتائی جاتی ہے جب کہ نسخۂ لندن میں ۱۱۳۷ھ لکھا گیا ہے۔ دیوان زادہ میں اس طرح کی اور بہت سے غزلیں موجود ہیں:

ہاتھ لے قوس قزح جب ہم اوپر آتا ہے چرخ

نسخۂ لاہور میں ۱۱۳۶ھ اور نسخہ رام پور میں ۱۱۶۲ھ کی تخلیق ہے جو بالکل برعکس ہے:

بزم کو بے خود کریں ہیں یک نگہ کے جام میں

نسخۂ لاہور میں ۱۱۵۴ھ اور نسخہ لندن میں ۱۱۴۵ھ درج ہے۔ یہاں بھی ہندسے متضاد ہیں۔ یہ سہوِ کاتب

بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ اب تک دریافت شدہ نسخوں میں سب سے قدیم نسخہ یہی انتخاب ہے۔ تمام نسخوں پر اسے تقدم اور فوقیت حاصل ہے۔ اگر چہ یہ انتخاب ہے مگر اس میں ایک حصہ ایسا بھی ہے جو کہیں نہیں ملتا۔ متن کی املائی صورت کو بھی کسی حد تک جوں کا توں رکھا گیا ہے۔ کہیں کہیں قدرے تبدیلی کی گئی ہے جیسے مرکب لفظوں کو الگ الگ یا نون غنہ و نون ساکن اور یائے معروف و مجہول کو زمانۂ حال کے مطابق قلم بند کیا گیا ہے۔ ٹ، ڈ اور ڑ کے چار نقطوں کو طوئے مختصر کی علامت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ک اور گ کے اختلاف کو بھی موجودہ طرزِ تحریر میں پیش کیا گیا ہے۔ الف ممدودہ کی ابتدائی صورت کو برقرار رکھا گیا ہے۔

نسخۂ دہلی میں حسب ذیل مطلع سے آغاز ہوتا ہے:

چھپا نہیں جا بجا حاضر پیارا
کہاں وو چشم جو ماریں نظارا

عجیب بات ہے کہ یہ غزل دیوان زادہ کے معلوم نسخوں میں موجود نہیں ہے۔ نہ جانے کس نسخے کی مدد سے مولانا محمد حسین آزاد نے 'آبِ حیات' میں آٹھ اور حسرت موہانی نے اپنے انتخاب میں اس غزل کے پانچ اشعار نقل کیے ہیں جب کہ راقم السطور نے 'دیوانِ حاتم قدیم' میں نو اشعار نقل کیے ہیں۔

دوسرا اہم نسخہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے، جس کی کتابت ۱۱۶۹ھ میں ہوئی۔ گویا دیوان زادہ کا یہ نسخہ بھی شاید حاتم کی نگرانی میں تیار ہوا۔ بعد کے کلام کا ایک مختصر اضافہ بھی ہے جو جگہ جگہ حاشیے میں درج کیا گیا ہے۔ یہ ۷۸ ورق پر مشتمل ہے۔ یہ خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ کہیں کہیں کاغذ کیڑوں کی نذر ہو گیا ہے۔ شاہ حاتم کے مقدمہ سے نسخے کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلی غزل کا مطلع ہے:

جنے آدم کے تئیں جاں بخشا
خضر کوں چشمۂ حیواں بخشا

نسخۂ لکھنؤ میں بھی اسی مطلع سے آغاز ہوتا ہے۔ جب کہ نسخۂ لاہور، علی گڑھ، رام پور میں پہلی غزل کا مطلع ہے:

کیا کہے قاصر زباں توحید و حمدِ کبریا
جن نے کن کے حرف میں کونین کو پیدا کیا

پروفیسر زور مرحوم کو غلط فہمی ہوئی۔ کیوں کہ انھوں نے اسے ۱۱۷۹ھ کا مکتوبہ بتایا ہے۔ اس میں حاتم کا کلام دوسرے نسخوں کے مقابلے میں تھوڑا کم ہے۔ بعض اشعار کا قدیم متن بھی دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ قدیم متن کے اعتبار سے یہ نسخہ اہم ہے۔ اس کے متن اور نسخۂ دہلی کے متن میں بہت کم اختلاف ہے۔ اسی نسخہ کی بنیاد

پر پروفیسر محی الدین قادری زور نے سرگذشتِ حاتم میں ان کی شخصیت وشاعری پر قلم اٹھایا تھا۔ انھوں نے اس دیوان کی ترتیب میں بھی پہل کی تھی لیکن انجام نہ پاسکا۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ مصنف کے ہاتھ کا نسخہ ہے۔ تدوین میں کہیں کہیں اس مخطوطہ کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔ کئی غزلیں اور بیسیوں اشعار ایسے ہیں جو دوسرے نسخوں میں نہیں ملتے، انھیں متن میں داخل کیا گیا ہے۔

'دیوان زادہ' کی تکمیل ۱۱۶۹ھ میں ہوئی۔ اس کی ترتیبِ نو کا کام کئی سال پہلے شروع ہو چکا تھا۔ لندن کا خطی نسخہ شاید اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ دیوان زادہ کا پہلا نقش یہی ہے۔ قیاس ہے کہ یہ خود حاتم کے قلم کا ہے۔ یا ان کی نگرانی میں مرتب کیا گیا۔ ۱۱۶۹ھ کے بعد کا کلام حاشیے میں اہتمام سے درج ہوتا رہا۔ کئی غزلیں اور اشعار حاشیے میں اضافے ہیں، جنھیں موجودہ متن میں شامل کیا گیا ہے۔ اور اس متن کو تدوین میں جگہ جگہ ترجیح بھی حاصل ہے۔ کثرت سے اسی خطی نسخے کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔ یہ اگرچہ مکمل نہیں ہے، کیوں کہ بعض نظمیں یا مخمسات شامل نہیں ہیں۔ رام پور جیسی صراحت کا ترقیمہ بھی نہیں ہے۔ کرم خوردہ ضرور ہے مگر پڑھنے میں زیادہ دقت نہیں ہوتی۔ خط نستعلیق قدرے شکستہ آمیز ہے۔ قدیم املائی صورتیں موجود ہیں۔ یہ نقشِ اول ہی نہیں بہت اہم بھی ہے۔ حاتم کا مقدمہ بھی موجود ہے۔ نجف علی شاہ کی مہر (۱۲۰۸ھ) بھی ثبت ہے۔ کلام اور قدامت کے اعتبار سے کراچی کا خطی نسخہ کم اہم نہیں ہے۔ گمان ہے کہ یہ نسخہ بھی ۱۱۶۹ھ کے قریب لکھا گیا۔ اس میں ۱۱۷۴ھ تک کا کچھ کلام شامل ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کے قدیم دیوان کا بڑا حصہ اس میں شامل ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ خاکہ مرتب کیا گیا تھا جس میں جدید وقدیم دونوں کو پیشِ نظر رکھا گیا تھا۔ متن واملا میں قدیم خط اور صورتیں برقرار ہیں۔ یہ شاید نسخۂ لندن سے کچھ پہلے مرتب کیا گیا۔ عین ممکن ہے کہ یہ نسخۂ لندن کا نقشِ اول ہو۔ بہر حال یہ بھی قیاس ہے۔ یہ دلچسپ پہلو ہے کہ دہلی، کراچی اور لندن کے نسخوں میں بڑی حد تک مماثلت ہے۔ متن اور کلام کے ساتھ املا اور اسلوب بھی یکساں ہیں۔ اس میں ترقیمہ نہیں ہے۔ دو مہریں ہیں۔ ملک اصغر علی عرف محمد جعفر اور عباس علی خاں۔ درمیان اور آخر کے کچھ صفحات نہیں ہیں۔ پھر بھی یہ ۴۷۰ غزلوں کا مجموعہ ہے۔ اس نسخے میں ۱۲۰ غزلیں ایسی ہیں جو دیوان زادہ میں شامل نہیں ہیں۔ مگر کچھ غزلیں نسخۂ دہلی میں موجود ہیں۔ اور مخمسات کے ساتھ دوسرے اصناف کی کچھ تعداد دونوں نسخوں میں مشترک ہے۔ قدامت کے اعتبار سے دہلی کا خطی نسخہ سب سے زیادہ افادیت اور قدر وقیمت کا حامل ہے۔ نسخۂ کراچی انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی کے مخزونے میں موجود ہے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے اور تعارف بھی کرایا ہے۔

کلامِ حاتم کا چوتھا اور بے حد اہم نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ دیوان

زادہ کے تمام نسخوں میں سب سے زیادہ مکمل اور معتبر ہے۔ اس میں ۵۲۶ غزلیں شامل ہیں اور اشعار کی مجموعی تعداد ۳۲۴۴ ہے جو دوسرے نسخوں میں نہیں ہے۔ حاتم پایانِ عمر تک شعر گوئی میں مصروف رہے۔ دیوان زادہ کے ابتدائی نسخوں میں بعد کا کلام شامل نہ ہوسکا۔ نسخۂ لاہور میں بعد کا کلام پورے احتیاط و التزام کے ساتھ داخل کیا گیا۔ یہ نسخہ ۱۱۹۵ھ میں تیار کیا گیا۔ اس لیے اس وقت کا پورا کلام شامل ہے۔ ۱۱۹۷ھ کا کلام بھی حاشیہ میں محفوظ ہے۔ حاتم کے کلام کا سب سے مکمل نسخہ ہونے کے علاوہ یہ ان کے ایک عزیز شاگرد مکند سنگھ فارغ بریلوی کا نقل کردہ ہے۔ متن میں کہیں کہیں تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاید یہ نسخہ بھی مصنف کے مطالعہ میں رہا ہو۔ یا ان کی نظر سے گزرا ہو۔

پانچواں اہم نسخہ لکھنؤ راجہ محمود آباد کے کتب خانے میں ہے، جو بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ حاتم کے قلم کا ہے۔ کوئی ایسا داخلی اور خارجی ثبوت نہیں ملتا۔ بحر، وزن، سالِ تخلیق، عنوان سرخ روشنائی سے درج ہے۔ طرحی فرمائشی اور جوابی غزلوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ان کا مشہور مقدمہ بھی شامل ہے۔ اشعار کی تعداد دو ہزار سے زاید ہے۔ یہ درست نہیں کہ یہ وہی نسخہ ہے جسے ڈاکٹر اشپرنگر نے دیکھا اور اپنے کیٹلاگ میں درج کیا تھا۔

چھٹا اہم نسخہ رضا لائبریری رام پور کا ہے جو ۱۱۸۸ھ کا مکتوبہ ہے۔ دیوان زادہ کی ترتیب کے بعد حاتم بہت دنوں تک زندہ رہے اور شعر کہتے رہے۔ اس لیے دیوان زادہ کے نسخوں میں بعد کا کلام شامل ہوتا رہا۔ نسخۂ رام پور میں بھی ۱۱۸۹ھ کا اضافہ شدہ کلام حواشی میں درج ہے۔ یہ نسخہ اس لیے بھی بہت اہم ہے کہ اس میں شاہ حاتم کی ایک تحریر بھی موجود ہے جو مثنوی بہاریہ کے اختتام پر لکھی گئی ہے اور کسی حد تک کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ دیوان زادہ مصنف کے مطالعہ میں بھی رہا ہے۔ یا ان کی نظر سے گزرا ہو۔ ترقیمہ کی عبارت آخر میں نقل کی گئی ہے۔ اس نسخے میں ۳۷ غزلیں نہیں ہیں جو نسخۂ لاہور میں اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ساتواں نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ بھی ۱۱۸۸ھ کا مکتوبہ ہے۔ قیاس ہے کہ نسخۂ رام پور اس کی نقل ہے۔ املائی صورت قدیم ہے۔ بحر و وزن کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے۔ تحریر بھی خوش خط ہے۔ نسخۂ لاہور کی کئی غزلیں اس میں نہیں ہیں۔ اس میں غلطیاں بھی موجود ہیں۔ اس خطی نسخے کی زبان زیادہ صاف ہے اور اہتمام سے تیار کیا گیا ہے۔

انتخابِ دیوان شاہ حاتم کی موجودگی میں ایک اور نسخہ کی طرف نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ حسرت موہانی نے کلامِ حاتم کا جو انتخاب ۱۹۲۵ء میں شائع کیا تھا اس میں ۱۱۹۰ھ کے بعد کی غزلیں بھی شامل ہیں۔ مگر پتہ نہ چل

سکا کہ ان کے پیشِ نظر کون سا نسخہ تھا۔ انھوں نے اردوئے معلّیٰ (۱۹۰۹ء) میں لکھا ہے کہ ۱۱۸۹ھ کے بعد کا کلام نہیں ملتا۔ دیوان زادہ نسخۂ لاہور کی موجودگی میں یہ بات غلط ہو جاتی ہے۔ اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ لاہور ان کے پیشِ نظر نہیں تھا۔ انتخابِ دیوانِ شاہ حاتم[1] میں نسخۂ دہلی کا ذکر نہیں ہے۔ اگرچہ غزلوں پر سنِ تصنیف لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یقین ہے کہ ان کی نظر میں رام پور یا علی گڑھ کا نسخہ نہیں تھا کوئی اور نسخہ تھا جس سے انتخاب کیا گیا ہے ذاتی مخطوطے کی پہلی غزل صرف اسی انتخاب میں موجود ہے۔ پون صدی قبل یہ اہم نسخہ حسرت کی تحویل میں تھا۔ اس کی بازیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔ اب تو یہ انتخاب بھی بہت کم یاب ہے۔

شاہ حاتم ذولسان شاعر تھے۔ فارسی میں مرزا صائب کو استاد گردانتے تھے۔ پروفیسر محی الدین قادری زور کو فارسی دیوان کا سراغ نہ مل سکا۔ مولوی محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں اس کی نشان دہی کی ہے:

''شاہ حاتم کا ایک دیوان فارسی میں بھی ہے۔ مگر بہت مختصر میں نے دیکھا ۱۱۷۹ھ کا خود ان کے قلم کا لکھا ہوا تھا۔ غزل ۹۰ صفحے، رباعی وفرد وغیرہ ۶ صفحے۔''

حسرت موہانی نے اس کی تلاش کی مگر حاصل نہ ہو سکا۔ فارسی کا یہ مختصر دیوان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔ ۱۱۹۵ھ کا ہے اور حاتم کے شاگرد مکند سنگھ فارغ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ ۱۲۹۸ اشعار کا مجموعہ ہے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو نے معاصر[2] میں اس مخطوطہ کا تعارف کرایا تھا۔ ترقیمہ کے آخری جملہ سے ایک غلط فہمی بھی پیدا ہوتی ہے:

''دیوان تصنیف ظہور الدین المخاطب بہ دیوان زادہ کاتبہ مکند سنگھ فارغ کمترین شاگردان آں جناب غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ، والسلام والاکرام۔''

فارسی دیوان کو بھی دیوان زادہ لکھا گیا ہے۔ نسخۂ لاہور کے ترقیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۲ر جمادی الآخر ۱۱۹۵ھ کو اس دیوان زادہ کی کتابت مکمل ہوئی اور اس کے بعد ہی فارسی دیوان کی کتابت شروع ہو گئی جو ۲۹ر رجب المرجب ۱۱۹۵ھ کو ختم ہوئی۔ کاتب ایک ہی ہے۔ اس لیے ذہن وخیال میں دیوان زادہ کا التباس ہوا اور فارسی دیوان کو بھی دیوان زادہ سے موسوم کیا گیا۔ یہ فارسی دیوان بھی حاتم کی زندگی میں مرتب ہوا۔ یہ نسخہ بہت صاف ستھرا، روشن اور اچھی حالت میں ہے۔ اس نسخہ کی موجودگی سے عقد ثریات کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے:

''در فارسی ہم دیوان مختصرے بقدر چہار جز بطور متاخرین بیاض فرمود۔''[3]

---

1. انتخاب دیوان شاہ حاتم
2. معاصر (پٹنہ)، جنوری ۱۹۵۲ء
3. عقد ثریا، ۲۳

ہمایوں مرزا[1] نے شاہ حاتم کی ایک نثری عبارت کا تعارف کرایا ہے جسے انھوں نے شاہ کمال کے تذکرہ مجمع الانتخاب سے اخذ کیا ہے۔ شاہ کمال نے لکھا ہے کہ یہ نثری تحریر دیوانِ حاتم میں موجود تھی اور وہیں سے انھوں نے انتخاب کیا ہے:

''ایں نسخہ در دیوان شاہ حاتم داخل بود ازیں باعث بانتخاب درآوردہ۔''

شاہ کمال کے تذکرے کی تقلید میں پروفیسر محی الدین قادری زور نے سرگذشت حاتم، پرفیسر نثار احمد فاروقی اپنے مجموعہ مضامین ''دراسات''، نجم الاسلام نے اپنے مقالے[2]، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے ''شاہ حاتم حالات وکلام'' میں حوالہ دیا ہے۔ ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے ''اردو میں طنز ومزاح نگاری سیاسی اور سماجی پس منظر'' اور ڈاکٹر اشفاق احمد ورک[3] نے اپنے تحقیقی مقالے میں یہ عبارت نقل کی ہے۔

یہ طبی نسخہ طب الظرافت کا مفرح الضحک معتدل ہے جس میں مزاح وظرافت نگاری کا بھونڈا اسلوب ہے۔ اس طویل نثری تحریر کے استناد پر زیادہ اعتماد سے گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ کلامِ حاتم کے جتنے نسخے اب تک دستیاب ہوسکے ہیں ان میں کہیں یہ عبارت نہیں ملتی اور نہ کہیں اس کا حوالہ ہی ملتا ہے۔ دیوان زادہ میں جو مقدمہ ہے وہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہونے کے علاوہ حاتم کی نثری تحریر (فارسی) کا نمونہ بھی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسا دیوان شاہ کمال کی نظر سے گزرا ہو جس میں یہ نثری عبارت موجود ہو۔ ان کے تذکرہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنے انتخاب میں شاہ حاتم کے آخری دور کے کلام کو بھی جگہ دی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انھوں نے نسخۂ لاہور کو دیکھا ہو۔ کیوں کہ انتخاب میں ۱۱۹۷ھ کی غزل بھی موجود ہے۔ یہ غزل لاہور کے علاوہ کسی اور نسخے میں موجود نہیں ہے۔ خوب چند ذکا کے عیار الشعرا کا خطی نسخہ بھی قابلِ ذکر ہے جس میں حاتم کے تقریباً چار سو اشعار کا انتخاب موجود ہے۔ اگرچہ کچھ اشعار کا تکرار بھی ملتا ہے۔ آبِ حیات کی روایت غلط معلوم ہوتی ہے کہ دیوان زادہ میں پانچ ہزار اشعار موجود ہیں۔ کسی بھی نسخے میں یہ تعداد نہیں ملتی۔ 'طبقات الشعرا' میں اسے مختصر دیوان لکھا ہے ''تذکرۂ شورش'' میں ایک ہزار درج ہے۔ ''تذکرۂ گلشنِ سخن'' میں اشعار کی تعداد دو ہزار بتائی گئی ہے۔

حاتم کے باقیات وآثار کے اس مختصر جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ ذاتی نسخہ سبھی نسخوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ قدیم دیوان کی تدوین وترتیب میں اسے بنیادی متن کی حیثیت حاصل ہے مگر دیوان زادہ میں نہیں کیوں کہ اس کا بڑا حصہ حذف کردیا گیا ہے۔ اور حذف شدہ کلام کو نقشِ جدید میں شامل کیا جانا مناسب نہیں۔ اس سبب سے

---

۱ آج کل (ماہنامہ) دسمبر ۱۹۵۸ء

۲ نثری نوادر نقوش شمارہ ۱۰۵، ۱۹۶۶ء

۳ اردو نثر میں طنز ومزاح، ۸۴

قدیم دیوان کا بڑا حصہ موجودہ متن میں جگہ نہ پا سکا۔

بارہویں صدی ہجری کے فرد وسماج کے انبساط وانحطاط کی مختلف کیفیات حاتم کی شخصیت کے تصویرخانے میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس عہد کے انسان کی ذہنی واردات کے پیچ وخم، بیرونی مناظر سے گریز وگرفت کی کشمکش حاتم کی قلندرانہ بے نیازی اور بانکپن میں موجود ہے۔ اس دور کے احوال وکوائف کا دل گداز اجتماع اور انحراف جیسا حاتم کی شخصیت میں دکھائی دیتا ہے، دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ شخصیت روز وشب کے اعمال وافکار کی ترتیب وتربیت سے بنتی ہے تضاد وتخالف سے نہیں۔ قول وفعل کی یہی ہم آہنگی شخصیت کو ناپنے کے لیے ایک بڑے پیمانۂ قدر کا درجہ رکھتی ہے۔ اقدار کا تعین بھی فکر وعمل کے ارتباط سے ہوتا ہے۔ فن کار کی ذات کا معیار و منہاج اس کے فن پارے سے متعین ہوتا ہے۔ فن پارہ صرف اس کی قوتِ تخلیق کا ہی نہیں بلکہ پوری شخصیت کا بے کم وکاست اظہار ہوتا ہے۔ اسی سے اس کے ذہنی افتاد، گرد وپیش کے مناظر ومظاہر اور ان کے سرچشموں سے اس کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ ان سب کو اپنے فن میں سمو کر لازوال بنادیتا ہے جس پر تاریخ کے جبر کا بھی زور نہیں چلتا۔ حاتم کی شاعری ان کی دلکش شخصیت کا بہترین اظہار ہونے کے ساتھ ساتھ اس عہد کا مرقع ہے جس میں حسین ودلفریب پیکروں کے علاوہ مکروہ وزشت تصویروں کے خد وخال بھی اسی طرح نمایاں ہیں۔ حاتم نے عصری احساس وتقاضوں کو شاعری میں تحلیل کر کے فن کو زندگی کا ترجمان بنادیا۔ اس ترجمانی میں ایک ایسی زبان کا سہارا لینا پڑا جو تہی دامن تھی۔ اس وسیلہ اظہار کے انتخاب میں خطرات بھی تھے۔ فارسی کو جو عزت وعروج حاصل تھا اس کی موجودگی میں اردو زبان کو ذریعۂ اظہار بنانا شخصیت وشہرت کو قربان کرنے کا خطرہ مول لینا تھا۔ لیکن مردِ خود آگاہ کی طرح ان کی دوربین نگاہیں اردو کے مستقبل اور مقبولیت کا بھرپور ادراک کر چکی تھیں۔ معاصرین کے ساتھ انھوں نے بھی اردو زبان میں فکرِ سخن کا آغاز کیا۔ اس عہد تک اردو بول چال کی سرحدوں سے نکل کر تصنیف وتخلیق کی زبان میں ڈھل چکی تھی۔ لیکن اب بھی علمی وادبی کتابوں کی تصنیف وتسوید کے لیے فارسی کو ہی معیاری سمجھا جاتا تھا۔

ادبی تاریخ شاہد ہے کہ فارسی ادب سے استفادے کے ساتھ ساتھ ہی اردو کا تخلیقی شعور پروان چڑھا۔ تقریباً ہر قابلِ ذکر شاعر نے فارسی سے اپنی قربت کے نشانات کلام میں ثبت کیے ہیں۔ قلی قطب شاہ خواجہ شیرازی کی غزلوں کے تراجم سے اپنی تخلیقات کو طراوت بخشتا ہے۔ ولی بھی جا بجا معترف ہیں۔ شعرا کے نام اور تقابل کا احساس ان کے شعور میں جمال افروز بن کر ایسے شعر بھی کہلواتا ہے:

ترا مکھ مشرقی، حسن انوری، جلوہ جمالی ہے
نین جامی، جبیں فردوسی و ابرو ہلالی ہے

تخلیقی تلاطم کا شہوار سودا بھی فارسی قصیدوں کی پیروی کرتا ہے تو دوسری طرف غزلوں میں مضامین محفوظ کرنا عیب نہیں سمجھتا۔ شاہ حاتم اردو کی حمایت کے باوجود فارسی کے موثرات کو رگِ جاں کے قریب رکھتے ہیں۔ وہ صائب کی معنوی شاگردی کو افتخار و اعزاز سمجھتے ہیں۔ تو دوسری طرف بلبلِ شیراز کے دوسرے فن کار کو خراج پیش کرتے ہیں۔ خواجہ حافظ کا شعر ہے:

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدہ و صاحب نظراں خواہد بود

حاتم کا ہو بہو ترجمہ ملاحظہ ہو:

صاحب دلوں کو حشر تلک ہے وہ سجدہ گاہ
جس سرزمین پر تم نے قدم سے نشاں کیا

ایک اور غزل کے مقطع میں حافظ کے شعر کی تضمین کی گئی ہے:

بیا کہ رونقِ ایں کارخانہ کم نہ شود
بزہد ہم چو توئی یا بفسق ہم چو منی

ان کے کلام میں فارسی کی آمیزش کسی طرح کم نہیں ہے۔ بعض جگہ بہت نمایاں ہے:

فلاطوں کی طرح میں خم نشیں ہوں اے کماں ابرو
لب حیرت زدہ وقتِ سخن وا ہو نہیں سکتا
بے روئے یار و مطرب و ابرو و بہار و باغ
بزم دل مشتاقاں چوں شامِ غریباں ہے

فارسی اشعار کی تضمین پر گفتگو آئندہ صفحات میں پیش کی گئی ہے۔ موضوع سے متعلق الفاظ کا اجتماع حاتم کا ایک پسندیدہ اسلوب ہے:

اس طرف سے غمزہ و جور و جفا ناز و عتاب

۱۱۸۸ھ کی غزل میں حافظ کا شعر مقطع میں استعمال کر کے قربت کا مزید مشاہدہ پیش کیا ہے:

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برد
کہ مستحقِ کرامت گناہ گارا نند

یہ پیغام بھی دیکھیے:

ہر کے را بہرِ کار ساختن مشہور ہے

۱۱۵۲ھ میں شیخ سعدی کی زمین میں توشیح کے طور پر پانچ اشعار کہے ہیں۔

فارسی ہندوستان میں بہر حال ایک بیرونی زبان تھی اور مادری زبان کا درجہ نہ لے سکی۔ اہل زبان سبکِ ہندی پر خندہ زن ہے۔ شیخ علی حزیں اور خان آرزو کا معرکہ، غالب کے استاد عبدالصمد کا فرضی وجود اہلِ ہند کی فارسی دانی کے احساسِ کم مائیگی کے نتائج ہیں۔ اس صورتِ حال میں اردو کا فارسی کے دوش بدوش آنا ایک فطری عمل تھا۔ لسانی خودمختاری کا یہی احساس اردو کو فارسی کا حریف بناتا ہے۔ دوسری طرف عوام میں اردو کو روز افزوں مقبولیت مل رہی تھی۔ خواص کی محفلوں اور قلعۂ معلیٰ تک اس کی بازگشت سنائی دینے لگی تھی۔ ولی اور حاتم کا فارسی کو ترک کر کے اردو میں شعر کہنا اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ بہ قول صاحبِ طبقاتِ سخن آبرو نے بھی فارسی ترک کر کے اردو میں شاعری شروع کی۔

اردو عربی و فارسی اور مقامی بولیوں نیز تہذیبوں کے طفیل وجود میں آئی۔ یہ سب سے زیادہ فارسی کی مرہونِ منت ہے۔ اسی کے سایہ اور سرپرستی میں بارآور ہوئی۔ ایہام گوئی کے سلسلے میں فارسی اثرات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ سبکِ ہندی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ہندوستان کی بیش بہا فارسی خدمات کا اہلِ ایران نے فراخ دلی سے اعتراف نہیں کیا اور نہ اس پر اپنی توجہ صرف کی۔ بلکہ سبکِ ہندی کہہ کر بے اعتنائی برتی گئی۔ یہ اندازِ نظر ذہنی اور لسانی تعصّبات کے تابع ہو کر رہ گیا جس نے لسانی تنگ نائی اور تنگ نظری کی دیوار حائل کر دی۔

شاہ حاتم کے بزرگ معاصرین میں خان آرزو (۱۶۸۷-۱۷۵۵) عہد ساز شخصیت اور جلیل القدر عالم تھے۔ زبان و بیان پر قدرتِ کاملہ رکھتے تھے وہ شاعری کے علاوہ لغت ولسان کے مستند استاد تسلیم کیے جاتے تھے۔ اتفاق ہے کہ اسی دور میں شیخ علی حزیں (۱۶۸۷-۱۷۵۵) واردِ ہندوستان ہوئے۔ دہلی میں قیام کے دوران اہلِ ہند کی فارسی دانی اور اسالیب و اظہار کا تقابل اہلِ زبان سے شروع ہوا۔ سبکِ ہندی کی سند پہلے سے ہی چسپاں کر دی گئی تھی۔ شیخ علی حزیں کے دعوائے سخن دانی کی خان آرزو نے تردید کی اور ہندوستان کی فارسی گوئی کی بھرپور تائید وتوثیق کی۔ محتشم علی خاں حشمت اور دالہ، داغستانی کی بحث بھی اسی قبیل کی تھی۔ اس بحث نے ایک ادبی اور لسانی معرکے کی صورت اختیار کر لی۔ گویا اردو کا پہلا لسانی معرکہ حاتم کے دور میں ہی شروع ہوا تھا۔ یہ شمال کی بات تھی ورنہ جنوب میں ولی کو بھی معاصرانہ چشمکوں کو انگیز کرنا پڑا تھا۔ شاہ ناصر علی مبتلا اور فراقی وغیرہ کی ولی سے نوک جھونک تھی۔ اٹلی اور زٹلی کے درمیان بھی آویزش تھی۔ خود حاتم وآبرو کے معاصرین میں قلمی محاذ آرائی جاری رہی۔ میر وسودا کے دور کی معرکہ آرائیاں تو اردو تاریخ کی قبیح ترین تصویر پیش کرتی ہیں۔ بعد میں درد کے شاگرد

میرزاعلی نقی محشر اور جرأت کے شاگرد میرزاعلی مہلت کے درمیان ایسا گھمسان پڑا کہ دونوں اس جنگ آزمائی میں خدا کو پیارے ہوئے۔ ان معرکوں میں رکاکت اور ابتذال بھی تھا جو اخلاقی زوال کی بدترین صورت تھی لیکن آرزو اور حزیں کی بحث خالصتاً لسانی اور ادبی تھی اور علمی و ادبی حوالوں پر مرتکز تھی۔ اس علمی اور ادبی بحث نے جذبات کو بھی مشتعل کیا۔ فارسی کے خلاف ایک محاذ قائم ہو گیا۔ اردو کے حامی اور حمایتی بڑی گرم جوشی سے میدان میں اترے اور فارسی سے دامن کشاں ہونے لگے۔ یہ معرکہ نہ تھا بلکہ اردو کی لسانی خود مختاری کا اعلانیہ بن گیا۔ اردو کو تخلیق و اظہار میں خودکفیل پایا گیا اور بعض ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اصول و ضابطے وضع کیے گئے۔ فارسی پر انحصار سے گریز کی صورت پیدا ہوئی اور اردو پر اعتماد کی بحالی کا خوش گوار رجحان پیدا ہوا۔ حاتم نے مقدمے میں مختصراً اس طرف خیال افروز اشارے کیے ہیں کہ لفظ 'در' 'بر' 'از' 'و' کہ فعل وحرف باشد۔ بقول شاہ مبارک آبرو:

وقت جن کا ریختے کی شاعری میں صرف ہے
اُن ستی کہتا ہوں بوجھو صرف میرا ظرف ہے
جو کہ لاوے ریختے میں فارسی کے فعل وحرف
لغو ہیں گے فعل اس کے ریختے میں حرف ہے

شاہ مبارک آبرو کا یہ فیصلہ ایک نئے لسانی دستور کا نفاذ تھا۔ جس پر سبھی شعرائے اردو کا اتفاق تھا۔ شاہ حاتم بھی آبرو کے ہم خیال تھے۔ ان کے لسانی شعور کا یہ ایک فطری تقاضا تھا کہ اردو کو ہر اعتبار سے خودکفیل بنایا جائے اور اردو کو فارسی کے روبرو لایا جائے۔ لسانی خود مختاری کا رجحان اردو کے حق میں بے حد مفید اور کارآمد ثابت ہوا۔ زبان میں استقرار پیدا ہوا اور اعتبار بھی۔ علما و اشرافیہ بھی متوجہ ہوئے جن کی نظر میں اب تک اردو اظہار و ابلاغ کے لیے ناکافی تھی۔ دیکھتے دیکھتے شاعری میں انقلاب پیدا ہو گیا ہر طبقے اور ہر پیشے سے اہل فن پیدا ہونے لگے۔ پہلے ہی دور میں شعرا کی کہکشاں کا ظہور ہوا۔ انھوں نے اردو کے تخلیقی ادب کو مہمیز کیا اور توانائی بخشی۔ تھوڑے ہی عرصے میں یعنی نصف صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ شاعری کے عہدِ زریں کا وجود و نمود حیرت فزائی کا سبب بنا۔ زبان کے آغاز اور عہدِ زریں میں زمانے کا بہت کم فاصلہ ہے۔ مگر شہ پاروں کی وقعت و کثرت ایک عجوبہ سے کم نہیں ہے۔ کم و بیش صرف نصف صدی میں ایک گرتی پڑتی زبان کا یہ عروج اور استعداد حاصل کرنا شاید دنیا کی ادبی تاریخ میں تنہا مثال ہو۔ اردو فارسی کے روبرو کھڑی[1] ہو گئی۔

---

[1] دیوان آبرو، ۲۷

شمالی ہند میں اردو شاعری کا آغاز ہو چکا تھا۔ مگر دیوانِ ولی کی آمد نے نئی تحریک و توانائی بخشی۔ ولی کا کلام زبان، پیرایۂ اظہار، اسلوب و ادا، فکر و خیال کی وسعت کے اعتبار سے بڑا جامع تھا۔ یہ کلام نو عمر شعرا کے لیے چراغِ رہ گزر ثابت ہوا۔ ولی کا دیوان ایک انقلاب آفریں تحفہ تھا جسے جنوب نے شمال کو بھیجا تھا۔ گھر گھر شاعری کا شہرہ عام ہوا۔ سڑکوں، شاہراہوں، کوچہ و بازار سے لے کر حویلیوں اور دیوان خانوں کے در و دیوار شاعری کی گونج محسوس کرنے لگے۔ عرس، محفلوں، میلوں میں بازارِ عکاظ کے عرب قبیلوں کی شاعری کا جوش و خروش اور ان کی نوک جھونک کا سماں نظر آنے لگا۔ دہلی میں ہر پیشہ اور ہر طبقہ کے نمائندہ شعرا دکھائی دینے لگے[1]۔ حاتم بھی شاہ مبارک آبرو، شرف الدین مضمون، مرزا مظہر جان جاناں، شیخ احسن اللہ بیاں، میر شاکر ناجی اور یک رنگ جیسے معاصرین[2] کے ہم نشین ہو گئے۔ انھوں نے بھی وسعتِ خیال اور پیرایۂ بیان میں تنوع کے امکان کا جائزہ لیا۔ اس امکان کی گرفت و گیر میں سچے اور بھرپور اظہار کے لیے زبان کی تنگ دامانی کا احساس تھا۔ ایک نئی زبان کو بھی فروغ دینا پڑا۔ زبان جو اردو کے فطری آب و رنگ سے میل کھاتی ہو اور نرم و لطیف جذبہ و احساس کی ادائیگی میں پیچھے نہ ہو۔ ذخیرۂ الفاظ کو بھی وسعت دینی پڑی۔ مصحفی نے تذکرۂ ہندی میں تسلیم کیا ہے کہ شاہ حاتم نے اردو زبان کو صفائی عمدگی اور پاکیزگی بخشی۔

عوامی بول چال کو معیار مقرر کیا گیا۔ یہی زبان کا فطری بہاؤ، صحیح میلان اور اصولی تقاضا تھا۔ الفاظ کے مرقعے بول چال کے صوتی نظام سے مربوط تھے۔ عوام کی زبان خراد یا ٹکسال تھی۔ اس خراد پر الفاظ بنتے اور ڈھلتے تھے۔ پھر قبولِ عام میں چلن پا کر درجۂ استناد کو پہنچتے تھے۔ یہی زبان اور تلفظ شاعری میں تخلیقی عمل کا فطری جز قرار پایا۔ شاعری اسلوب و ادا کے ساتھ زبان کی فطری سادگی میں اس طرح گھل مل گئی کہ قدما کے زبان و بیان کی سب سے بڑی خصوصیت قرار پائی۔ سچے فطری جذبات سادہ و سلیس عوامی زبان کے خمیر میں شامل ہوئے تو اسلوب و زبان کا حسن دو چند ہو گیا۔ زبان عبوری دور سے گزر چکی تھی۔ لفظوں کا صوتی نظام تصرف و تحریف سے گزر کر مستند ہو چکا تھا۔ معیار عوامی زبان تھی۔ کتابی یا علمی زبان نہیں۔ اس لیے اس دور کی شاعری میں اسلوب و اظہار کا فطری میلان حاوی ہے ابھی اس پر مرصع کاری یا تکلف کی رنگ آمیزی نہیں ہوئی ہے۔ حاتم کی شاعری زبان و بیان کے اسی فطری میلان کا ایک مرکزی دھارا ہے جس کی سبک روی اور نرم خرامی میں زبان کی رفتارِ ترقی کا رمز مضمر ہے۔ ان کے جذبہ و احساس کی سادگی سچی زبان میں گھل کر جوئے رواں کی طرح آگے بڑھتی ہے، زبان کی ناہمواری بھی خس و خاشاک کی طرح گھل مل کر معدوم ہو جاتی ہے۔ حاتم کا کلام زبان و بیان کی ابتدائی صورت اور ارتقائی

---

[1] مجموعۂ نغز، مقدمہ [2] مقدمہ دیوان زادہ

تبدیلی کی وجہ سے اردو کی لسانیاتی تاریخ میں سب سے اہم دستاویز ہے جس کے سنجیدہ مطالعہ کے بغیر اردو کی کوئی لسانی وادبی کوشش کارآمد نہیں ہوسکتی۔ وہ اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہی نہیں بلکہ زبانِ اردو کے پہلے اداشناس بھی ہیں، جو زبان اوراس کے متعلقات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

دیوانِ قدیم کی ترتیب کے بعد مرزا مظہر جان جاناں کی تحریک اورعوام کے مزاج نے فارسی وعربی کے زیراثر زبان کو روزمرہ کے مطابق ڈھالا۔حاتم نے بھی ضرورت محسوس کی۔قدیم الفاظ واملا کو نئی صورت دی۔ کیوں کہ عام مزاج یہی تھا دیوان زادہ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''بندہ دریں امر بمتابعتِ جمہور مجبوراست۔''

یہی جمہور کی متابعت تھی جس نے ابتدائی کلام کو جمہور کی ترجمانی کے لیے مجبور کیا تھا۔ وہ جمہور جو ابھی صوتیات کی تراش خراش کو خاطر میں نہیں لا رہی تھی بلکہ وہ تلفظ اور تحریر میں کسی فرق کی روادار نہ تھی۔ حاتم کے یہاں ایسے الفاظ کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ وو، اوس، اوتر، اوپر، اوٹھ، اوسے، اوجالا، اوتارو، اونے، اوڑے، اوٹھوں جیسے الفاظ زائد و کے ساتھ مستعمل تھے۔ بعد کی اصلاحات نے اسے حذف کر کے صرف پیش کی آواز برقرار رکھی اور یہ متروک سمجھے گئے۔ سیں، سوں، کوں، چوں، توں، جیوں، نمیں، تئیں، سیتی، کبھو، کسو، ٹک، کن، لکن، کتے، آگیں، مجے، رج، منے، کثرتِ استعمال سے زبان کا جز بن چکے تھے۔اس دور کی شاعری میں یہ متروکات کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں۔ کیوں کہ اس زمانے میں اوردہلی کی زبان میں انفیانے کا میلان عام طور پر پایا جاتا ہے۔

لفظوں کی دوسری صورت بھی دیکھنے میں آتی ہے جن میں بعض آوازیں زاید تھیں اوران کا عام تلفظ بھی صوتیات سے ہم آہنگ تھا۔ تھنبا، چونبا، کونچے، گانو، ماناں، ناں، آناں، نانوں، سنتیں، اپناں میں بھی انفیانے کا میلان موجود ہے۔اور بعد میں کچھ صورتوں میں یہ آواز م سے تبدیل ہوگئی یانون حذف ہوگیا۔

بول چال کی یہ زبان لب ولہجے میں تبدیل ہوچکی تھی۔ اس کا تعلق لغت سے کم تھا۔ یہی لب ولہجہ شاعری میں بھی رائج تھا جس کی وجہ سے فن میں فطری سادگی وپرکاری کے مرقعے دکھائی دیتے ہیں۔ صوتیات میں آواز ہی اصل ہے باقی فروعات ہیں اورآواز وہ جو استعمال عام میں ہے۔ اسی آواز سے زبان کی تشکیل ہوتی ہے۔ حاتم نے ایسے الفاظ کے تلفظ کو اصل املا سے مطابقت دی ہے۔ گویا تقریر وتحریر کا فرق بے بنیاد دکھائی دیتا ہے، یہ اس دور کی لسانی خوبی ہے اورولی، آبرو وغیرہ کے یہاں عام ہے مصطفاً، مرتضاً، مجتباً، کسائی، چمیلی، تسبی وغیرہ۔

حاتم نے لسانی اکتساب واجتہاد میں بڑی دوراندیشی کا ثبوت دیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک زبان کا ایک وسیع تصور تھا۔ اسی لیے ان کے یہاں یہ اجتہادی نقطۂ نظر بار بار دکھائی دیتا ہے۔ یہی زبان

املائی صورت میں بھی اسی طرح موجود ہے۔ بعض مخصوص عربی الفاظ کا تلفظ ہمارے لیے مشکل رہا ہے۔ لیکن قدما نے ان کی تحریری شکل میں تصرف کر کے اردو کے مزاج سے ہم آہنگ کیا تھا جو بعد کی اصلاح کے پیشِ نظر کالعدم قرار دیے گئے۔ حاتم کے یہاں ہائے مختفی کی صورت کہیں کہیں الف میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ہائے مختفی کی الگ اور انفرادی صورت نہیں ہوتی بلکہ ماقبل کے حرف کی حرکت کو سہارا دیتی ہے۔ چونکہ گفتگو میں ہائے مختفی کی آواز میں فرق مشکل سے دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے الف کا بے تکلف استعمال ہوتا رہا ہے۔ جیسے رستا، من مردا، آزردا، غنچا، شکستا، خستا، قضیا یہاں ہائے مختفی حرف علت کا کام دے رہی ہے لیکن اس استعمال میں ضرورتِ شعری بھی کارفرما ہے اور قافیہ کی رعایت کا بھی التزام ہے۔ ان خطی نسخوں میں ہائے مختفی کی بھی مثالیں ملتی ہیں۔ جیسے خوردہ وغیرہ۔ ہائے مختفی کا الف میں تبدیل ہونا اردو کے مزاج میں داخل ہو چکا تھا اور غیریت ختم ہو چکی تھی۔ حاتم نوملا استعمال کرتے ہیں۔ ایکلا، چھلا، اندھلا بھی ملتا ہے۔ پہلی غزل میں نظارا، نقارا، پارا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ لالہ کی جگہ لالا تازہ کی جگہ تازا ملتا ہے۔ ایک دوسری صورت بھی بڑی دلچسپ ہے۔ کتابت اور قرأت کا فرق عام ہے۔ مخطوطہ میں کثرت سے مثالیں موجود ہیں۔ جیسے سیتی کی املائی صورت میں یائے معروف کے نقطوں کا اہتمام تقریباً ہر جگہ کیا گیا ہے۔ مگر پڑھنے میں یہ آواز ساکت ہے۔ صرف زیر سے کام لیا جاتا ہے۔ یعنی ستی۔ دیکھا لکھا ہے۔ مگر پڑھنے میں دکھا یا دیکھو کو دکھو پڑھنا پڑے گا۔ زیادہ لکھ کر زادہ، اوپر کو اُپر، کہاں کو کاں پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح کے بہت الفاظ ہیں جن کے لکھنے اور پڑھنے میں فرق قائم کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ یہ اس دور کی روشِ عام تھی۔

زبان کی فطری ساخت اور تقاضوں کے تحت عربی و فارسی ذخیرۂ الفاظ کو مزاج اردو کے مطابق تحلیل کیا گیا۔ یہ ایک بڑا کام تھا۔ اسی طرح ہندی لفظوں میں تصرف و تبدیلی کر کے اردو کے خمیر میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی۔ اردو زبان بھی ان ہی رشتوں سے وجود میں آئی تھی متقدمین نے اس مزاج کی تربیت اور نشوونما میں اس بنیادی عنصر پر کافی توجہ صرف کی۔ حاتم کے کلام میں ہندی آب ورنگ زبان کی حد سے گزر کر لب و لہجے میں منتقل ہو گیا ہے۔ یہ لب ولہجہ ہندی کا نہیں بلکہ خاص اردو کا اپنا لب ولہجہ ہے۔ اور اسی بنیاد پر وہ دوسرے اسالیب سے ممتاز ہے۔ حاتم کے لب و لہجے میں اردو کا اپنا فطری حسنِ بیان ملتا ہے جو بہت ہی دلکش ہے اور دامنِ دل کو بار بار کھینچتا ہے یہ دل کشی دو تہذیبوں اور زبانوں کے امتزاج و ارتباط کا دل نشیں مرکب ہے۔ اور اسی ترکیب سے اردو کی بنیاد قائم کی گئی۔ شاہ حاتم کے ہاں ہندی پن اردو کی گھلاوٹ میں نرمی و لطافت کا حسن پیدا کرتا ہے۔ یہ الفاظ اجنبی نہیں محسوس ہوتے۔ نہ زبان و بیان کی ناہمواری و پیوندکاری کا شائبہ ہوتا ہے۔

اگن، اتیت، انجھواں، اچپلا، اچرج، برہ، براج، بوجھ، بھانت، بال پن، برن، بیراگ، بستار، پگ، پریت، پیو، پرتیت، تن سکھ، جگ، جوت، جیو، چنگا، چرن، چیرا، وارد، درپن، دھرم، دوار، ڈکیت، رین، راوت، سجن، سواد، سنسار، سریجن، سمکھ، شگن، کارن، کال، کرن، کرم، کنہیا، کرتار، کلا، گگن، لگن، نمن، نین، ہر من، مکھ، مرن، میت، بیتا، وسواس، ہندی کے یہ الفاظ ان کی شاعری کے عام مزاج اور پہلوداری پر روشنی ڈالتے ہیں۔

زبان و بیان اور لب ولہجہ کی یہی گھلاوٹ حاتم کی شاعری کے بانکپن میں لطف دیتی ہے اور ان کی شاعری کا مزاج بھی متعین کرتی ہے:

الٰہی تجھ سے اب کہتا ہے حاتم اس زمانے میں
شرم رکھنا، بھرم رکھنا، دھرم رکھنا، کرم رکھنا
پگ دھرا جب صحن میں گلشن کے اے آہو نین
دیکھ کر انکھیاں کو تیری اوٹھ گئے نرگس کے لاج

اس کا ایک دوسرا روپ بھی غزلوں میں دکھائی دیتا ہے جس طرح وہ لوگ روز ایک دوسرے سے مخاطب یا گویا ہوتے تھے۔ محبوب سے یہ اندازِ تخاطب یا طرزِ گفتگو زبان کے فطری پن اور اس کے مزاج و تعلق کا بھی پتہ دیتا ہے۔ دوست عام انسانوں کی طرح کوچہ و بازار کا باسی، اور اس طرزِ کلام سے آشنا ہے مخطوطہ میں کئی غزلیں اس طرزِ خاص میں ملتی ہیں جن میں سادگی، ہندی پن اور بے تکلف زبان کا بھرپور عکس موجود ہے:

آ ورے اورے مرے پیارے
دل مسلماں کا نہ ترسا رے
صونی اوپر اگر نگاہ کرو
مست ہو تجھ نین پے متوا رے
دل سوں آوے اگر تو حاتم پاس
جی کو تم جان پر سدا وارے
دکھو حاتم سجن کی آن پر قربان جاتا ہے
تری سج کے، اکڑ کی چال کے، اور زلف کے بل کے

مکراوتا، جھڑ پاؤتا، منے، بمعنی میں مستعمل ہے۔ چڑھائے کو چڑائے لکھا گیا ہے۔ دو الف کا استعمال عام دکھائی دیتا ہے۔ کملائی بھی مستعمل ہے۔ ان لفظوں کی آمیزش سے آہنگ میں انفرادی لے دکھائی دیتی ہے۔

ہندی فارسی مرکب لفظوں کے درمیان اضافت کو معیوب نہیں سمجھتے جیسے پھیٹۂ زری، پھیٹۂ لعل، وعدۂ کل، موسمِ برسات، قدرتِ کرتار، لذتِ بسرام وغیرہ۔

ہندی فارسی لفظوں کی خوب صورت، سجیلی ترکیبیں ملتی ہیں۔ آہو نین، نین سرخ، گل خوش باس، بسنتی جاماں اور انھیں سادہ وشیریں اور ترشی ہوئی ترکیبوں کے حسن سے فن میں ایک جوت جگمگانے لگتا ہے۔

صوتی تکرار نے غزل میں نغمہ وآہنگ کی مخصوص جھنکار پیدا کی ہے۔ غزل کی شاعری میں یہ ایک نئی آواز، نیا تجربہ اور خوش آئند روایت تھی، جس میں بے انتہا وسعت اور دل کشی تھی۔ جذبہ واحساس کی سادگی وبے تکلفی کو کسی تصنع وآرائش کے بغیر اسی زبان میں پیش کیے جانے کا رجحان حاتم کے ہاں نمایاں ہے۔ گویا عام انسان کے جذبہ واحساس کو عوام کی زبان دی گئی۔ دوسری غزل بھی اسی فطری حسن اور میلان کی ترجمانی کرتی ہے:

کبھو حاتم کے گھر نہ آئے تم
ہم تمہارے پکڑ چرن ہارے

یا

پیو مرا سب ہنر کا ہے کرتار

حاتم کا یہ اسلوبِ فن ان کی انفرادی آواز بن سکتا تھا۔ لیکن زمانے کے نشیب وفراز اور زبان میں نت نئی تبدیلیوں نے اس طرز میں استقامت پیدا نہ ہونے دی۔ فطری اسلوب وزبان کا دل دادہ ایہام گوئی کے گورکھ دھندوں میں الجھ کر صلاحیتوں کو قربان کر دیتا ہے اور ان کی انفرادیت اندیشہ وگماں سے دوچار ہو جاتی ہے۔ لفظوں کے پیچ وخم یا رعایت سے شاعری میں حسن افروزی پیدا ہوتی ہے مگر تاثیر میں کمی واقع ہوتی ہے۔

شاعری کے فن میں ان کے اجتہادات کی کئی صورتیں موجود ہیں جن سے ایک تنوع اور توسیع کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔ انھوں نے ایرانی ثقافت کے روبرو غزلوں میں ہندی تہذیب کے آثار وعلائم کو بڑی بے باکی سے جگہ دی ہے۔ لیکن غزل کی فضا کو برقرار رکھتے ہوئے انجام دیا ہے۔ آہنگ اور شعری جمالیات کے امتزاج نے حسین پیکروں سے ہمیں آشنا کیا ہے:

ہولی کے اب بہانے چھڑکا ہے رنگ کس نے — نامِ خدا تجھ اوپر اس آن عجب سماں ہے
رنگِ گلال منہ پر ایسا بہار دے ہے — جوں آفتابِ تاباں زیرِ شفق نہاں ہے
کیسر میں اس طرح آلودہ ہے سراپا — سنتے تھے ہم سو دیکھا تو شاخِ زعفراں ہے

یہ بات حیرت خیز ہے کہ تخلیقی ادب کے ابتدائی دور میں شاہ حاتم نے جو اکتسابات کیے ہیں وہ غیر معمولی

ہیں، خاص طور پر غزلوں میں، مثنوی، مکالمے، قصیدے، بیانیے، محاکات، حسن و جمال کے شیوہ ہائے رنگ رنگ کی بوقلمونی نے شعری وراثت کو گنج گہرتاب بنا دیا ہے۔ حاتم کو اس کا احساس تھا۔ اس شعور میں وہ اپنے قارئین کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں:

کہتا ہوں سب سے ہے کوئی منصف سو دیکھ لے
سب طرح کا مذاق ہے میرے سخن کے بیچ
ہم سیں سجن کے دل کوں جنوں نے برا کیا
ان کا کبھوں جہاں میں الٰہی بھلا نہ ہو

زبان و بیان کی اس دل کشی نے سخن سازوں کے لیے نئی زمین ہموار کی جس سے اظہار کے جہانِ ممکنات کا عرفان حاصل ہوا۔ حاتم کے یہاں زبان کا ایک حرکی تصور ہے۔ وہ نہ جامد ہے اور نہ ان کے ضابطوں میں سخت گیری روا ہے۔ خیال یا فکر بہر حال محترم ہے۔ اسی تصور کے تحت زبان کے استعمال میں آزادی ملتی ہے۔ مات، رات، گھات کے ساتھ ہات مستعمل ہے۔ روبرو، ناز بو، نہ رو قافیہ ساتھ لائے گئے ہیں۔ صوتی حرکت میں بھی یہ عمل کارفرما ہے جو لچک دار ہے۔ فطری سادگی کے حسن سے آشنا ہے۔ یہ خیالات عوامی سطح پر سکۂ رائج الوقت کی طرح جاری ہوئے حسبِ ضرورت ساکن کو متحرک اور اس کے برعکس استعمال کو عیب نہیں مانا گیا۔

قواعد کے ضابطوں میں بھی یہی لچک یا آزادی ملحوظِ خاطر ہے۔ زبان ایک سیلِ رواں کی طرح ہے جو اصولوں کے کوہِ گراں کو چیرتی آگے بڑھتی ہے۔ ہندی لفظوں کو فارسی قواعد کی رو سے 'ا'، 'ن' کے اضافے سے جمع بنانے کا رجحان عام ہے۔ ہاتھاں، باتاں، لگاتاں، پھولاں وغیرہ۔

اردو کی سرشت میں ہندوستانی تہذیب اور اس کے متعلقات کے سرچشموں کا سراغ مشکل نہیں۔ یہ زبان اور ادب دونوں سطح پر مقامی تہذیب و تلمیحات کے علائم سے گراں بار ہے۔ یہ ایک فطری تقاضا ہے جس سے کوئی بھی زبان چشم پوشی نہیں کرسکتی۔ اس کی سرشت و سیرابی میں اس سرزمین کا بہت زیادہ دخل رہا ہے۔ حاتم کے یہاں ان تہذیبی علامتوں میں روز و شب کی تپش اور گداز کا بھرپور تجربہ شامل ہے جو ان کی زندگی کا جز بن گیا تھا۔ مشرق و مغرب کی دو عظیم تہذیبوں کے اس دل نشیں اظہار سے ہندوستان کی دوسری زبانیں محروم ہیں۔ حاتم کا بانکا سجن اپنے دائرۂ محبوبیت میں کنہیا ہے۔ بانسری کی دھن سنائی نہ دینے پر گوپیاں شامِ فراقِ یاراں سے دوچار ہیں:

ہائے کیا وقت کیا گھڑی ہے آج
نہ کنہیا نہ بانسری ہے آج

دوسری طرف راون وبھیم ،نل ودمن، کے ساتھ سدارنگ، دیبی دت وغیرہ کے حوالے ان تصورات کوتوسیع بخشتے ہیں۔

ہندوستان کے تعلق سے برسات کی جھڑیوں کا ذکر ملتا ہے۔ محبوب بسنتی پوش ہوکر اتراتا پھرے ہے۔ سرسوں کے پھولنے سے حدِ نگاہ تک لباسِ زرد کا منظر دل ونظر کومسحور کرتا ہے۔ گلِ دوپہریا کا کھلنا، پپیہا کا پیو پیو کرنا اسی فضا کی دین ہے:

پہن کر جامہ بسنتی جو وہ نکلا گھر سوں
دیکھ آنکھوں میں مرے پھول گئی ہے سرسوں

دھنیور کا شکار، اہیر، لوہار، کمہار، کٹار، اتیت، ارگجی، اوگھٹ، نٹ، اگن، برہمن، بدیا، بھانگ، برن، ٹیسو، جٹادھاری، جھانجھ، جوت، چکارا، ڈھاڑی، ڈکیت، راوت، ساونت، سری جن، سمرن، سروہی، سوگند، شگن، کنول، گوسالہ، گھٹ، گیان، ملہار، ساون، ہولی، پھاگ، بیراگ وغیرہ سیکڑوں الفاظ، علامتوں، اشاروں سے حاتم کا کلام بوجھل ہے۔ تقریباً ایک تہائی ذخیرۂ الفاظ میں یہی روح روانِ فکر بن گئی ہے۔ ہندوستان، دہلی، کشمیر، پنجاب اور شکر پور کی مقامی معنویت بھی کم نہیں ہے۔ ہندی آثار واساطیر، تاریخ وتلمیح کے ساتھ حاتم کے یہاں لسانی ممکنات کے بھی مظہر ہیں، جوکہیں کہیں ایہام کے لیے بھی بروئے کار لائے گئے ہیں۔ حاتم معترف ہیں کہ حسنِ فرنگ سے کہیں دل کش حسینانِ ہند ہیں اور یہاں کی زبان بھی دوسری زبانوں سے بہت زیادہ دل نشیں ہے۔ یہ لسانی تفاخر بھی قابلِ غور ہے:

ہند کی گفتگو انوکھی ہے
چرب ہے سب اوپر یہاں کی زباں

لسانی تشکیل کے دور میں حاتم کو یقین تھا کہ اردو گونا گوں پیرایۂ اظہار کی متحمل ہو چکی ہے۔

غزل کے محبوب سے متعلق مختلف مباحث پیشِ نظر ہیں۔ حاتم نے بھی فارسی روایت کی پاس داری کی ہے۔ مگر دوست کے خط وخال، قد وقامت، خوش پوشی وخودنگہداری میں ہندی عناصر بھی کارفرما ہیں۔

کہیں کہیں اس محبوب کا تصور سایہ نشین ہے جو دہلی یا نواحِ دہلی میں عام تھا۔ یہ محبوب اسی ارض وسما کا دکھائی دیتا ہے۔ جب اکھاڑۂ اندر کوزینت دینے والا دلبرِ عیار پٹے دار جوتے پہن کر سجیلی صورت لیے اکڑ کے چلتا ہے۔ تو سرپیچ زری سے بھنواں کے بیچ ٹیکا اور سرمے کی ادا دشمنِ ایمان وآگہی بن جاتی ہے۔ اس سے بھی اس کی آن بان اور کج کلاہی ٹپکتی ہے۔ محبوب کی یہ طرح داری اس عہد کے حسینوں میں عام تھی۔ عاشق بھی اسی طرز کے بانکپن کا عادی ہوتا۔ ارضی اور فطری تصویریں کلام میں جا بجا ملتی ہیں جس میں نشاطِ زیست کا سامان موجود ہے۔

انھیں سے محفلِ طرب آراستہ ہے اور ہر کس و ناکس غمِ زندگی کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے دوگال ہنس بول لیتا ہے۔ خوش وقتی و خوش باشی کے ساتھ خواب گاہوں میں راتیں گزار دی جاتی ہیں۔ معاشرہ انحطاط پر آمادہ ہو تو آلامِ ہستی کو فراموش کرنے کے لیے دل دینا اور دل لینا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔ دو دن کے چل چلاؤ سے لطف اندوز ہونا شعارِ زیست میں تبدیل ہو جاتا ہے لطف اندوزی کا سب سے بڑا وسیلہ عشق قرار پاتا ہے خواہ مجازی ہو یا حقیقی حاتم اسی سماجی نقطۂ نظر کی ترجمانی میں کہتے ہیں:

کاملوں کا یہ سخن مدت سے مجھ کوں یاد ہے

جگ میں بن محبوب جینا زندگی برباد ہے

حسن پرستی دورِ محمد شاہی میں عام ہے۔ نغمہ و موسیقی سے بھی امرا و شرفا کو دلچسپی ہے۔ عوام بھی لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ حسن پرستی کے کئی روپ ہیں۔ کہیں زنانِ بازاری اور کہیں نو خیز و طرح دار لڑکوں کی صورت دکھائی دیتی ہے اور کہیں عشقِ پردہ نشین بھی ہے۔ حسن پرستی، خوش نوائی اور کج ادائی کی عام فضا شاعری میں موجود ہے۔ یہ پری پیکر نظر افروزی کا ایک مرقع لیے ہوئے ہیں جس کا سراپا فارسی شاعری کے تصورات سے محض روایتی بن جاتا ہے لیکن یہ حقیقی تصویریں مثالیت کے آئینہ میں اس طرح نظر آتی ہیں جیسے خواجہ حافظ کے پیالے میں عکسِ رخِ یار، حاتم کا محبوب بھی ادا و ناز و دلبری میں بانکا ہے۔ اس کی سراپا نگاری میں حاتم نے کلاسیکی سرمایہ صرف کیا ہے۔ وہ گل بدن، سرخ رنگ بدن، ماہ رو لالہ رو، زمرد رنگ، برنگ آفتاب، گلِ خوش باس، سیم بر، پری رو، شوخ و بے پروا شوخ و ستمگر ہے۔ سروِ قامت، قامتِ دل جو، خوش خو ہے۔ اس کا خرامِ نازشۂ خوباں کی چال ہے وہ کاکل پر پیچ، مکھ کی کتاب، سورۂ والشمس کی تفسیر، جبینِ روشن، تل مشکِ ختن، تل تریاک، چشم جامِ شراب، بادامی آنکھیں، چشم خماری، آہو نین، پتلی نین، چنچل نگہ، چشم سیہ مست، سرخ نین، چشم نرگس، نرگس شگفتہ نین، مست انکھیاں، مے فروش، چشمِ فتنہ جو رکھتا ہے۔ ابرو محرابی اور تیغ و تلوار کی مانند ہیں۔ وہ شیریں لب، غنچہ لب، غنچہ دہن، پستہ لب، یاقوتی لب، سرخ لب، شیریں بیان اور شیریں گفتار ہے۔ محبوب کا یہ سراپا نا تمام رہتا ہے بات کمر تک پہنچتی ہے۔ ساری توجہ چہرے پر ہے اور اس میں بھی آنکھوں کی تشبیہ و تمثیل زیادہ پر کشش محسوس ہوتی ہے۔ یہ بھی اسی تہذیبی بانکپن کی علامت ہے جس میں تاک جھانک، اشارہ و کنایہ انتہائے عشق ہے گویا عشق کی رسائی آنکھوں تک ہے۔ شاید اس سے زیادہ ہوس گیری کی اجازت بھی نہ تھی۔ حسن کی پردہ داری بہر حال محترم تھی۔ جذبہ و احساس کی کشاکش اور تہذیبی اقدار کا احترام پورے سماج میں ایک کشش کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کشمکش کا اظہار بانکپن یا نک داری میں ممکن تھا۔ یہ اس دور کی تہذیب و معاشرت کا نمایاں پہلو ہے۔

سیاسی انتشار نے تہذیبی بساط میں انقلاب انگیز تبدیلی پیدا کی تھی۔ مغلیہ تہذیب بکھر رہی تھی۔ اس تہذیبی استحکام میں ٹوٹنے اور بکھرنے کا میلان تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ ایسے میں کوئی تہذیب سہارا نہ دے سکی اور نہ اس کی قائم مقام بن سکی۔ بلکہ سطحی اور وقتی ثقافتی علامتیں نمودار ہوئیں۔ مغلوں، ایرانیوں، ترکوں کی جگہ میرزاؤں کی معاشرت دکھائی دیتی ہے۔ اسی کے تحت بانکپن ونک داری بھی پیدا ہوئی اسی دور میں شعرا کے یہاں اسی میرزائی معاشرت کی تہ داری کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ شاہ حاتم میرزائی محاسن کے پروردہ ہیں وہ جگہ جگہ اس طرزِ تہذیب کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ خوبانِ شہر میں شوکتِ حسن میں سبقت کا سزاوار میرزائی جمال ہے:

تمام شہر کے خوباں میں میرزا تو ہے

میرزائی مزاج کا ایک دوسرا پہلو بھی ملاحظہ ہو:

جمع اے حاتم مے و معشوق و مطرب ہو جہاں
اس طرح کے عیش کو کہتے ہیں مرزایانہ عشق

کیف ونشاط سے سرشار زندگی ہی شادمانی وشادکامی ہے۔ حاتم منشائے عشق کے منشور میں اسے ترجیح دیتے ہیں:

دیجے اگرچہ دل تو کسی میرزا کے ہاتھ

ان میرزاؤں کی معاشرت کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے۔ میدانِ جنگ میں شکست کھائے ہوئے سپاہی، سڑکوں، شاہراہوں، میلوں، ٹھیلوں میں بان بنوٹ اور فن سپہ گری کا مظاہرہ کرنے لگے۔ قوتِ بازو کا مظاہرہ کشتی کے اکھاڑوں میں ہونے لگا۔ تیر وکماں کی نشان سازی کا کام آنکھوں اور ابروئے خم دار سے لیا جانے لگا۔ اس دور کی زندگی ایک دوئی یا دہرے پن سے دوچار ہے۔ اس دہرے پن سے کردار میں خلا پیدا ہوا جس سے قدریں پامال ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے نظر فریب تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ چہرے بدل گئے۔ حاتم اس نیرنگئ زمانہ سے حیران رہ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قدروں کی پامالی دیکھ کر رنجیدہ ہوئے۔ شہرآشوب لکھنے پر مائل ہوئے۔ اس سے بھی تشفی نہ ہوئی تو دنیا سے لولگانا چھوڑ دیا اور اپنی ذات کی دنیا میں گم ہو گئے۔ دل ونظر کے سفینے کو راہِ فرار پر ڈال دیا لیکن اس سے پہلے وہ بھی طرزِ مرزایانہ کے دلدادہ تھے۔ ان کی شخصیت اور شاعری میں یہی بانکپن امتیاز کا سبب بنتا ہے:

ہماری گفتگو سب سے جدا ہے
ہمارے سب سخن ہیں بانکپن کے

یا اس سے بھرپور اور زیادہ معنی خیز وہ شعر ہے:

شعرِ عاشقانہ و حاتم ہے مرزایانہ وضع
طبع آزادانہ واوقات درویشانہ ہے

بعض نسخوں میں بے باکانہ وضع بھی ملتا ہے۔

محمد حسین[1] آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے کہ انھوں نے فقیری اختیار کر لی تھی۔ مگر بانکوں کی طرح ڈوپٹہ سر پر ٹیڑھا ہی باندھتے تھے۔ حاتم کے یہاں یہی میرزائی تہذیب اوراس کے بانکپن کے دوسرے سبھی انداز موجود ہیں۔ حاتم کی مرزایانہ وضع میں اس دور کے شرفا اور مغلیہ تمدن کی بوباس شامل تھی۔ جوسمٹ کر مجلس و مکان تک محدود ہو چکی تھی۔ یہی مجلسی زندگی خواہ شعر کی ہو یا بزمِ طرب کی، زندگی کا مقصود اور نشاطِ زیست کا مرکزی ادارہ بن چکا تھا۔ معاشرے کے بکھرنے سے دوستوں کے باہم مل بیٹھنے کو بہت غنیمت سمجھا جانے لگا۔ دو میٹھے بول اور حکایتِ لذیذ زندگی کی تلخیوں کو خوش گوار بنانے کی کوشش دکھائی دیتی ہے۔ اس میرزائی تہذیب کی آن بان میں محبوب کا بانکپن اور سجاوٹ بھی مختلف ہے۔ حاتم نے ایک جگہ سپاہی پسر کہہ کر اس پر اسرار رمز کو بھی افشا کر دیا جو محمد شاہی دور کی خوش فعلیوں کا مرکزِ التفات تھا۔

حاتم ایک سچے دوست، بامراد عاشق ہیں۔ وہ خود سرشار ہیں اور اس سرشاری نے زندگی کا اثباتی نقطۂ نظر پیدا کیا۔ زمانہ کی مایوسیوں کے باوجود وہ نغمہ سنج ہیں۔ انھیں نوحہ خوانی نہیں آتی۔ ان کا لب ولہجہ بھی متاثر ہوا۔ وقار اور مردانگی نے راہ پائی۔ وہ اپنے حریف کو بھی آواز دیتے ہیں اور محبوب کو بھی:

حاتم اب چیت کہ پھر وقت نہ پاوے گا توں
دوڑ کے یار کوں للکار کہاں جاتا ہے

یا یہ شعر:

ہوا جو رزق مقدر سو ہو نہ بیش و کم
تلاش و فکر و تردّد کیا کرو ہر چند

ہمت ہی حرمتِ زندگی ہے اور یہی رازِ حیاتِ کائنات ہے۔ دیدۂ بینا میں اسی سے نور و حضور حاصل ہوتا ہے۔ ہر ذرۂ زمیں اسی کی تاب وتپش سے کہکشاں کی راہوں تک رسائی کے لیے مچلتا رہتا ہے۔ ہمت وجرأت سے خالی بدن نفسِ گرم سے محروم ہو کر پائمال ہوتا ہے۔ کار آفریں اور کار کشا ہاتھوں سے ہی تقدیر سازی ممکن ہے:

---

[1] آبِ حیات، ۱۱۳

اسی میں ہے کشودِ کار حاتم
جسے تو سخت مشکل جانتا ہے

دوسری آواز بھی پیغام سے خالی نہیں ہے:

جائے ہمت تو مرا تنگ نہیں ہے

ان کا دوست بھی خنجر بدست ہے۔ چنچل نین ہے۔ آن بان ہی شیوۂ زندگی ہے۔ یہی بانکپن اسے طرح دار بناتا ہے اور حاتم اسی محبوب پر مرنے اور اس کی ہر ہر ادا پر جی جان سے قربان ہونے کے لیے تیار ہیں:

کروں قربان جی کوں اوس گھڑی اوس وقت اوس پل کے
کہ جس دن جس گھڑی دل دار آوے میرے گھر چل کے

کھب گئی ہے دل میں حاتم کے تری بانکی ادا
جاتے جاتے ٹک بتاتا جا ترا کیا نام ہے

شہر کے خوش خراموں میں اس کی سب سے نرالی چال ہے:

خوش خراموں میں نرالی ہے مرے سرکش کی چال

ان جواں قدوں سے بستی و بازار آباد تھے۔ ان کے قدردانوں سے قریہ وقصر بھی خالی نہ تھے۔ شعرا ان شبیہوں کی پیکر تراشی اور فریقین کے جذبات کی ترجمانی میں پیش پیش تھے۔ تخلیق کی یہ ترجمانی مشاعروں یا محفلوں تک محدود نہ تھی۔ زندگی کی دوئی یا معاشرت کے دہرے پن کا یہ بھی فیض تھا کہ دہلی کا معاشرہ انتہائی خوش باش ہونے کے باوجود مذہبی افکار و اعتقاد کا سرچشمہ بھی رہا ہے۔ یہ مجلسی زندگی، وعظ، عرس، قوالی، زیارت کی محفلوں میں بھی رچی بسی تھی۔ لوگ وہاں بھی جمع ہوتے اور روح کو عرفان سے سیراب کرتے۔ وہاں سے اٹھے تو بزم نشاط بھی ہو آئے۔ زندگی کے اس دور کا رجحان اور رویے نے حقیقت و مجاز، سطحیت و سنجیدگی کی طرف مائل کیا۔ لفظوں میں بھی معنی کا یہ طلسم دکھائی دینے لگا۔ ذہنی ورزش کا مظاہرہ فن کاروں کا مزاج بن گیا جس سے ایہام گوئی کو فروغ ملا۔ کردار کا دہرا پن حقیقت و مجاز کی تلاش میں آگے بڑھا۔ عرس کی محفلوں اور بزمِ نشاط دونوں سے یکساں طور پر لطف اندوز ہونے کا جواز پیدا کیا گیا۔ دورخے پن کے اس رجحان نے لفظ و معنی کے ارتباط پر نظر ڈالی تو زبان و بیان کی دنیا بھی بدلتی نظر آئی۔ پہلو دار، طرح دار اور ظاہر و باطن کا فرق نظر آتا ہے جو معاشرت کا اہم پہلو بن چکا تھا۔ لفظوں کے پیکروں، دروبست، اور محلِ استعمال سے لفظی صناعی، ذہنی ورزش اور پہیلیاں بوجھنے کا بڑھتا ہوا شغف ایہام گوئی کے رواج کا سبب بنا۔ لفظوں کی معنوی تہ داری پر غور کیا گیا۔ انھیں پیرایۂ

بیان میں اس طرح ڈھالا گیا کہ قریب وبعید کے مفاہیم سے لفظوں کی دو رخی تصویر دکھائی دے۔ لفظ و معنی کے اس تصویر خانے میں صرف آئینہ ساز کی ہی نہیں بلکہ پوری تہذیب اور اس کا اندازِ فکر جمالِ ہم نشیں کی طرح روشن ہے۔ مصحفی نے تذکرۂ ہندی میں حاتم کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب ولی کا دیوان دلّی آیا تو:

''یا دو سہ کس کہ مراد از ناجی و مضمون و آبرو باشد، بنائے شعر ہندی را با یہام گوئی نہادہ، داد معنی یابی و تلاش مضمونِ تازہ می دادیم۔''

گویا ولی کے کلام میں موجود ایہام سے متاثر ہو کر اردو شاعری کی بنیاد میں ایہام گوئی شامل ہوئی۔ مگر کیفیت کے اعتبار سے وہ اتنی متحرک نہیں ہو سکتیں کہ شمالی ہند کی شعری بنیاد قرار پا سکیں۔ ولی کے اشعار یقیناً پیر وجواں کی زبان پر جاری ہوئے کلامِ ولی کی پیروی کی گئی۔ یہ دراصل پوری معاشرت کا وہ لاشعوری احساس ہے جس کا ایک اظہار لفظوں کی بازی گری اور جھوٹے طلسم سے نمایاں ہو سکا۔ ایہام کی تعریف ''بگمان و وہم انداختن'' کہا جاتا ہے۔ اس لسانی گورکھ دھندے کا نظر فریب ہونا لازمی تھا۔ اور دیر سویر اس سحر کا ٹوٹنا بھی فطری تھا۔

محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں لکھا ہے کہ ایہام گوئی کی ایک وجہ یا سر چشمہ ہندی دوہروں میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ایہام گوئی کے رواج میں یہ محرک بھی کار فرما ہے۔ ہندی ادب کی تاریخ کا ابتدائی دور رزمیہ موضوعات پر ختم ہوا ہے۔ دوسرا دور بھگتی تحریک سے منسوب ہے۔ اس دور کی شاعری سچے اور کھرے جذبہ واحساس کی ترجمان ہے۔ زبان و بیان کا اسلوب فطری حسن و سادگی سے بھرا ہوا ہے۔ تیسرا دور ریت کال کہلاتا ہے اب زبان و بیان کی فطری سادگی اور سچائی لفظوں کی صناعی اور سجاوٹ میں تبدیل ہو کر نگاہوں کو چکا چوندھ کرنے لگی۔ اسے ادبی حسن کے اظہار کا ایک موثر وسیلہ بھی تسلیم کیا گیا۔

ایہام گوئی کی پشت پر ہندی شاعری کی یہ روایت موجود تھی۔ متقدمین اس روایت کی اثر آفرینی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ زبان و بیان کی سطح پر دورِ اول میں ہندی لب ولہجہ کی موجودگی سے اس امر کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یوں بھی ذخیرۂ الفاظ میں ہندی کے موثرات سے بھی اس خیال کی توثیق ہوتی ہے۔ ایہام گوئی کے لیے مستعمل لفظوں میں ایسے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں جو دو زبانوں میں مختلف ہیں۔ لیکن تلفظ واملا میں یکساں ہیں اور دونوں جگہ لغات میں استناد رکھتے ہیں۔ کچھ صدی قبل دو نسخے آزمائے جا چکے تھے۔ اب لفظیات کی باری تھی۔

ہندی و فارسی لفظوں کے استعمال سے بھی زبان دانی کا مظاہرہ بنامِ ایہام ہوا۔ جس طرح جسمانی قوتِ بازو کا اظہار میدانِ کارزار کے بجائے گلی کوچوں میں ہو رہا تھا۔ ایسے الفاظ کی ترکیب سے معنی قریب وبعید کی آزمائش ہونے لگی۔ برائے نام ہی سہی زبان و بیان کی اس سے توسیع بھی ہوئی۔ اظہار کے نئے امکانات کی

تلاش سے بھی اسے کسی قدر تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایہام کو صرف حاتم کے دور تک محدود کرنا بھی غلط ہے۔ ان کے بعد کئی شعرا نے اسے آزمایا۔ غالب کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔

تری سمرن میں ہیں دانا سخن کے
دکھاویں ہیں تجھے سوراخ من کے

دوسری صورت میں ایسے لفظوں کی کثیر تعداد دکھائی دیتی ہے جو دونوں زبان میں مستعمل ہیں مگر مفہوم مختلف ہے۔ گویا ہندی اور فارسی معانی کے اختلاف سے ایہام کی صورت گری کی گئی ہے۔ ایہام گویوں کے ہاں یہ عام روش ہے۔ حاتم نے بھی ان لفظوں سے خوب فائدہ اٹھایا ہے:

اس کی انکھیوں نے مجھے تاک کے مارا ہے گا
اب مرا سایۂ انگور قبر پوش کرو
مجھے اس شوخ نافرماں نے مارا ایکلا پا کے
بجا ہے گر رکھو تربت پر میرے پھول لالا کے

ایہام گوئی کا یہ لفظی کھیل ایک اور پہلو بھی رکھتا ہے۔ ایک ہی زبان کا ایک مرکب لفظ ایک مفہوم میں مستعمل ہے لیکن اس مرکب لفظ کو الگ الگ کرنے سے دوسرا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے اور معنی بعید کی طرف اشارہ کرتا ہے، حاتم کا شعر ہے:

رات ظالم نے دیکھو مسی لگا کر کے پان
کس دغا سوں عاشقوں کی فوج پر شب خوں کیا

معانی وتلاشِ مضمونِ تازہ کی اس روش سے حاتم کا قدیم دیوان بھرا پڑا ہے۔ ایہام کے التزام سے اشعار بوجھل نظر آتے ہیں اور طبیعت میں انقباض پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ جمہور کا مزاج بن گیا تھا اور حاتم جمہور کی متابعت سے مجبور تھے۔ چاروناچار اس روش پر چلنا پڑا۔ بعض مقامات پر پسندیدہ رعایتِ لفظی ایک صوتی حسن پیدا کرتی ہے۔ حاتم کے اشعار میں نرم ونازک نغمہ وآہنگ کمزور دکھائی دیتا ہے۔ حاتم کے ہاں غزل کے دوسرے اشعار کے مقابلے میں مقطع زیادہ معنی خیز دکھائی دیتا ہے۔ کہیں فارسی ترکیبیں شعر کے حسن کو دوچند کر دیتی ہیں۔ اگر چہ یہ عام نہیں ہیں پھر بھی حاتم کی توجہ سے ایسے اشعار بڑی دلکشی کے حامل ہیں:

حاتم نے دیکھ یار کوں ہنس کر دیا تھا رو
پیرو ہوا اور رو یہ کہا رو پہ ہنس نہیں

فصاحت و بلاغت کی کتابوں میں ایہام کی ایک قسم ایہامِ تضاد بھی بتائی جاتی ہے جس میں ایسے الفاظ کا تناسب ہوتا ہے جن میں الفاظ کا تضاد ہوتا ہے۔ ظاہر میں معنی کا تضاد نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایہام مجرد، ایہام مرشمہ، ایہام تناسب، ایہام صورت بھی اس کے اقسام میں شمار کیے جاتے ہیں۔

مخطوطات کے آخر میں فردیاتِ ایہام کے عنوان سے اشعار کا انتخاب موجود ہے۔ متقدمین کا یہ دور ایہام گوئی کی صداؤں سے گونج رہا ہے۔ ایہام گوئی کی وجہ سے زبان و بیان میں غیر فطری رنگ جھلکنے لگا۔ ایک مصنوعی اظہار کا در آنا فطری تھا۔

معاشرت کی دورخی تصویر، مزاج کا دہرا پن، پہلو دار الفاظ، دلچسپی کے ساتھ ہندی لفظوں کا استعمال اور چلن ایہام کی مقبولیت میں معاون ہوا۔ ولی کی شاعری اور ہندی شاعری کی روایت نے بھی اسے سہارا دیا اور یہ ایک شعوری رجحان کی صورت میں سامنے آیا جو بعد میں تحریک کی صورت اختیار کرنے لگا۔ اس کا ایک مصدر فارسی شاعری کو بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ سبکِ ہندی کو اہلِ زبان کے ادبی اکتسابات سے فروتر سمجھا گیا۔ اسلوب و آہنگ کو بھی غیر مستند سمجھا۔ ہندی سخنور اہلِ زبان کے مقابلے میں کم مایہ قرار پائے۔ فارسی شاعری بھی اپنے عروج کے اس دور سے گزر چکی تھی جہاں فطری شاعری کو فن کا معراج سمجھا جاتا تھا۔ وہ دَورِ اُردو کی تخلیق سے بہت دور تھا۔ اُردو کی پشت پر فارسی شاعری کا دورِ آخر تھا جو تازہ گویانِ ہند کا عہد کہلاتا ہے۔ فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، میرزا صائب، ناصر علی، ابو طالب کلیم، مرزا بیدل، نعمت خاں عالی، فارسی شاعری کے مہتمم بالشان روایت کے آخری ہندی چراغ ہیں۔ سیاسی استحکام اور تہذیبی بلندی و برنائی نے زبان و ادب کو اوجِ ثریا تک پہنچایا۔ تخیل کی بلند پروازی، نازک خیالی، مبالغہ آرائی، لطافتِ بیان، نزاکتِ ادا سے شاعری ممتاز ہوئی۔ تمثیلی پیرایۂ بیان، معاملہ بندی، خیال بندی اور مضمون آفرینی پر خاص توجہ دی گئی۔ تلاشِ مضمونِ تازہ کی روش نے پیچیدہ گوئی کی طرف رہنمائی کی اور ذہنی معمہ سازی کا عمل شروع ہوا۔ مولانا شبلی نے اس دور کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اس زمانے کے اکثر مضامین کی بنیاد الفاظ صنعتِ ایہام پر ہے۔ یعنی لفظ کے لغوی معنی کو ایک حقیقی بات قرار دے کر اس پر مضمون کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں۔ متاخرین کی شاعری سے اگر ایہام کو الگ کر دیا جائے تو ان کی شاعری کا بہت بڑا حصہ دفعتہً برباد ہو جائے گا۔'' [۱]

فارسی شاعری کا یہ دورِ آخر اردو شاعری کی ابتدا اور ایہام گوئی پر براہ راست اثر انداز ہوا ہے۔ فارسی کی یہ روایت اردو سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال (۱۱۱۸ھ) سے پہلے اردو شاعری وجود میں

---

[۱] شعر العجم، حصہ سوم، ۲۴

آ چکی تھی۔ اس طرزِ خاص کے نمائندہ فارسی شعرا اس عہد تک موجود ہیں اور ان کی شاعری مقبولِ خاص و عام ہے۔ اردو کے متقدمین شعرا خانِ آرزو، میرزا مظہر جان جاناں، شاہ مبارک آبرو اور شاہ حاتم فارسی میں شعر کہتے ہوئے اردو کی طرف آئے ہیں۔ وہ فارسی کی روش و روایت کیسے فراموش کر سکتے تھے۔ اردو میں بھی ایہام کو فروغ ملا۔ شاہ مبارک آبرو کے کلام میں ایہام گوئی کا رجحان بہت نمایاں ہے۔ مضمون بھی ان کے ہمدوش ہیں۔ ناجی نے بھی اپنی شاعری کے حسن و قبح کو ایہام گوئی سے سنوارا۔ حاتم نے بھی جمہور کی اتباع کی۔ ایہام گوئی کا باقاعدہ رواج یا شعوری کوشش ۱۱۳۲ھ کے آس پاس شروع ہوئی اور تقریباً پچیس سال کے بعد یہ شاعری کھٹکنے لگی۔ اس کے خلاف آواز سنائی دینے لگی۔ پسندیدگی کا معیار بدل گیا۔ عوامی ذہن نے بھی مسترد کرنا شروع کیا۔ ایہام گوئی کے نمائندہ حاتم اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ ۱۱۵۸ھ کی غزل کے مقطع سے یہ تبدیلی صاف ظاہر ہے:

کہتا ہے صاف و شستہ سخن بسکہ بے تلاش

حاتم کو اس سبب نہیں ایہام پر نگاہ

اس عام رویے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایہام گوئی کے خلاف بیزاری شروع ہوگئی۔ میر کے تذکرے نکات الشعرا میں ایہام گو شاعروں کے ترجمے میں جو ذکر ملتا ہے اس سے بھی اس سے گریز کا احساس ہوتا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۱۶۵ھ میں لکھا گیا۔ قائم اور گردیزی کے تذکروں میں ناپسندیدگی موجود ہے۔ میر حسن نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ چند ہی شعرا نے اس بحر سے گوہرِ شہوار حاصل کے۔ بیشتر صرف خذف ریزے ہی پا سکے۔ حاتم فن اور رجحان کے نبض شناس ہیں اور انھوں نے اپنی روش بدل دی۔ ۱۱۷۱ھ کی غزل کا یہ مقطع ایہام گوئی کے زوال کا غماز ہے:

ان دنوں سب کو ہوا ہے صاف گوئی کا تلاش

نام کو چرچا نہیں حاتم کہیں ایہام کا

صاف گوئی یا سادہ گوئی کا شعور اس وقت تک پیدا ہو چکا تھا۔ یہ کوشش ایہام گوئی یا لفظی گورکھ دھندے کے خلاف ایک رجحان تھا۔ ساتھ ہی میرزا مظہر کی اصلاحِ زبان سے براہ راست متعلق تھا۔ الفاظ و معانی کے ارتباط پر توجہ دی جا رہی تھی۔ اردو کو فارسی سے قریب تر اور بازاری زبان کی سطح سے اُٹھا کر کتابی اور اشرافیہ کی زبان میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش تھی۔ اس کے علاوہ سیاسی و تمدنی حالات کی تبدیلیوں نے بھی فکر و نظر کو متاثر کیا۔

سیاسی انتشار نے بزمِ نشاط کو درہم برہم کرنا شروع کیا۔ ۱۱۴۹ھ میں مرہٹہ پیشوا بالاجی راؤ دلّی پر بے رحمی سے حملہ آور ہوا۔ ہر فرد سراسیمہ ہو کر زندگی کے اچھے دن بھول گیا۔ امیر خاں انجام کی شکست نے اس سراسیمگی

میں اضافہ کیا۔ ۱۱۵۱ھ میں نادرشاہ کے قتل عام نے پوری معاشرت کو زیروزبر کر کے رکھ دیا۔ دارالخلافہ کے آس پاس کی روئے زمین خونی کفن پوش تھی۔ شعروسخن کے ساتھ بزمِ نشاط کے سارے ٹھکانے ویران ہو گئے۔ ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) میں نواب امیر خاں انجام شاہی قلعہ میں شہید کر دیے گئے۔ حاتم کا گھر بار لٹا۔ سرمایۂ کلام بھی سوخت ہو گیا۔ یہ ترقیمہ میں حاتم کی خودنوشت سے معلوم ہوا۔ حاتم نے اس شہادت پر ایک پرسوز قطعہ قلم بند کیا جو صرف نسخۂ کراچی میں محفوظ ہے۔ دیوان زادہ کے نسخوں میں متروک ہے:

عمدۃ الملک وہ کہ عالم میں زال تھا جس کے آگے رستم و گرد

چلا جاتا تھا بادشاہ کے پاس ناگہاں راہ میں قضا در خورد

نوکر بے حیا، حرام نمک جانِ شیریں کو جمدھرے زد و برد

جائے عبرت ہے یا اولی الابصار پیر ہو یا جوان ہو یا ہو خورد

کہا ہاتف نے سالِ رحلت میں ہائے حاتم ''امیر خاں جی مرد''

۱۱۵۹ھ

اپنے محسن کے سانحہ پر وہ بہت دنوں تک ملولِ خاطر رہے۔

ان پیہم حادثات سے اندازِ فکر کا بدلنا لازم تھا۔ زندگی حقیقتوں سے قریب تر ہونے لگی۔ اب تلاشِ مضمونِ تازہ اور پہلودار یا طرح دار لفظوں کا اہتمام جاتا رہا۔ حقیقت نگاری، جذبہ واحساس کی سچی تصویرکاری کے بڑھتے ہوئے احساس نے ادب واسالیب میں تغیر کے آثار پیدا کیے۔ سادہ گوئی کا شعور ایک فالِ نیک تھا۔ اسی سرچشمے سے میر وسودا کا عہد آفریں تخلیقی سرمایہ وجود میں آیا۔ عوامی پسند وناپسند سے فن میں تبدیلی وترمیم واقع ہوتی ہے۔ زبان قطعی اور جامد نہیں ہے۔ ٹھہراؤ سے تعفن پیدا ہوتا ہے۔ جب ایک معیاری زبان نے انگڑائی لی تو حاتم نے اپنا چلن بدل دیا۔

اس ذہنی تبدیلی کے نمایاں اثرات ۱۱۵۷ھ میں ظاہر ہوئے اور ''دیوان زادہ'' کی ترتیب کے وقت ایک حصہ کلام کو حذف کر دیا یا اکثر بدل دیا۔ دیوان زادہ کی تکمیل ۱۱۶۹ھ میں ہوئی۔ یہ ایک انقلاب آفریں لسانی تبدیلی تھی۔ ان لسانی تغیرات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ بڑی شدومد سے پیش کیا جانے والا امیر خسرو (۱۳۲۵-۱۱۵۳ء) کا ہندوی کلام ایک واہمہ اور مفروضہ بلکہ فریبِ نظر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اگر عہدِ حاتم کے ایک مختصر وقفے میں زبان ترقی کر کے اتنی صاف ستھری ہو سکتی ہے تو خسرو سے حاتم کے درمیان چار سو سال کی مدت میں زبان میں ٹھہراؤ یا جمود کیوں طاری تھا۔ خسرو نے لکھا ہے کہ وہ ہندوی میں بھی شعر کہتے رہے ہیں لیکن

ان کے اس حصۂ کلام کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے۔حافظ محمود شیرانی سے لے کر آج تک محققین نے تردید کی ہے۔خالق باری ہو یا چہار درویش یا وہ مشہور غزل ''زحالِ مسکین'' سب کے سب امیر خسرو سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ بزرگوں کی تحقیق نے خسرو سے منسوب ان تمام تخلیقات کو مسترد کر دیا ہے۔ ہندوی کی ترقی یافتہ شکل کو حاتم کے دور تک آتے آتے اکیسویں صدی کی زبان میں تبدیل ہو جانا چاہیے تھا۔مگر ایسا نہیں ہوا۔لہٰذا یہ ہندوی کلام خود ساختہ تحقیق کی مثال ہے جس میں تحقیق کم اورادعائیت غالب ہے۔

حاتم نے بڑے اہتمام سے اپنی تخلیقات کا ماہ وسال قلم بند کیا ہے جو سرِ عنوان لکھا گیا۔آج بہت سی پیچیدگی زمانۂ تخلیق کا تعین نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔خاص طور پر تدوین وترتیب یا فکر وخیال کی افہام و تفہیم کے وقت غیر یقینی صورتِ حال سے سابقہ پڑتا ہے۔مگر حاتم کا یہ تاریخی شعور قابلِ ستائش ہے۔ان کی تقریباً ہر تخلیق کا زمانہ متعین ہے اس سے نہ صرف حاتم بلکہ بعض معاصرین کے کلام پر بھی روشنی پڑتی ہے۔حاتم کے علاوہ کسی اور فن کار نے اس نکتے کی طرف توجہ نہ دی کہ جس سے فن کار کی تخلیقات کی ارتقائی تصویر مکمل ہوتی۔مثال کے طور پر پہلی غزل ملاحظہ فرمائیں ۱۱۳۱ھ درج ہے۔اسی طرح دیوان زادہ کی تقریباً تمام غزلوں کی تخلیق کا زمانہ محفوظ ہے۔یہ صرف ان کی اختراع ہے جو روایت نہ بن سکی اسی طرح انھوں نے ہر غزل کی بحر کو بھی سرِ عنوان لکھ دیا۔بعض مخطوطات میں تو بہت اہتمام کے ساتھ اور نمایاں طور پر جلی حرفوں میں لکھا گیا ہے جس سے فن کے نغمہ وآہنگ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔یا اس دور کے عروضی مطالعے میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔حاتم کے پیشِ نظر یہ خیال اہم تھا کہ شعری روایات کو فروغ دینے کے لیے مبتدیوں کو ان فنی آداب سے روشناس کرانے اور تربیت دینے کی ضرورت ہے۔چنانچہ مقدمہ میں اشارہ کیا ہے: ''اوزان و بحور نیز داخل کردہ تا مبتدیان از وفائدہ بر دارند'' اس کے علاوہ ان کے معاصرین کے پسندیدہ اوزان کا بھی علم ہوتا ہے۔یا قدیم دور کی شاعری میں بحور واوزان کے انتخاب پر بھی روشنی پڑتی ہے۔'تذکرۂ ہندی' میں یہ اعتراف موجود ہے:

''بحورِ اشعار اہم جدا جدا از سرخی بر سر ہر غزل نوشتہ وایں ایجاد اوست۔''

ان نکات سے حاتم کے تاریخی شعور اور اختراعی ذہن کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ساتھ ہی انھوں نے بڑی دیانت داری کے ساتھ زمینِ طرح کا بھی اہتمام کیا ہے۔فن کاروں کے نام اور ان کی زمینوں کا ذکر ہے جو ان کی دیانت داری کے علاوہ ان کی پسندیدگی پر روشنی ڈالتا ہے۔نیز خود اس زمین میں کہی گئی معاصرین کی تخلیقات کی بھی نشان دہی ہوتی ہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

زمین ولی ۱۱۳۵ھ

جس کوں تیرا خیال ہوتا ہے
اس کوں جینا محال ہوتا ہے

زمین شاہ مبارک آبرو ۱۱۳۵ھ

اس دکھ میں ہائے یار یگانے کدھر گئے
سب چھوڑ ہم کو غم میں نہ جانے کدھر گئے

زمین مرزا مظہر جان جاناں ۱۱۴۰ھ

کیا جو فاختہ نے سرو اوپر آشیاں اپنا
مگر سولی اوپر چڑھ کر دیا چاہے ہے جاں اپنا

دوسری طرف بحر و اوزان کی مثالیں بھی ملاحظہ ہوں:

زمین طرحی سرغزل دیوان قدیم ۱۱۳۱ھ

رمل مثمن محذوف، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن

کیا کہے قاصر زباں توحید و حمدِ کبریا
جنے کن کے حرف میں کونین کو پیدا کیا

یا ایک دوسری مثال دیکھئے:

زمین طرحی ۱۱۳۲ھ

مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف ۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

اول خدا نے نور تمہارا عیاں کیا
اس نور سے بنا یہ زمین و زماں کیا

ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

زمین طرحی الزوم مالا یلزم ۱۱۴۶ھ

کہیں وہ صورتِ خوباں ہوا ہے
کہیں وہ عاشقِ حیراں ہوا ہے

کہیں حاتم کہیں جاں بخش حاتم
کہیں حاتم کا جا مہماں ہوا ہے

حسب الفرمایش نواب مجاہد جنگ تضمین مصرع استاد ۱۱۶۱ھ

حاتم وہ قول بوسے کا دے کر مکر گیا
''آرے وفائے وعدہ کریماں چنیں کنند''

ایک دوسری نوعیت کی تضمین بھی ملاحظہ ہو مقطع کے بعد مرزا مظہر کا فارسی شعر نقل کیا جاتا ہے:

حسبِ حالِ حاتم ہے شعرِ میرزا مظہر — اس سے پھر زیادہ کچھ ہے عبارت آرائی
''دل ہمیشہ میخواہد طوفِ کوئے جاناں را — ہائے بے پرو بالی وائے نا توانائی''

ایک اور غزل میں یہی صورت ہے:

پڑھوں ہوں ترے آگے شعرِ استاد — سن اے قاتل نگہ دزدیدہ دیدہ
''ترا دیدم و یوسف را شنیدم — شنیدہ کے بود مانند دیدہ''

استاد کے ساتھ اپنے شاگرد کی تضمین میں بھی انھیں کوئی عار نہیں ہے:

کہنے لگا کہ مصرعِ سودا نہیں سنا
''جو کچھ خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا''

تضمین کے علاوہ ان کے کلام میں بیش از بیش مروجہ ومقبول اصنافِ شعر کے بڑے کامیاب نمونے موجود ہیں۔ غزل، نظم، مثنوی، قصیدہ، سراپا، مرثیہ، قطعہ، مخمس، مسدس، مستزاد، رباعی سے کلام معمور ہے۔ لیکن غزل اور مثنوی سب میں بہت نمایاں ہیں۔ دیوان زادہ میں ندرت سے بھرپور ایک مستزاد ہے جو ہیئت کی دلچسپ مثال پیش کرتا ہے:

جاتے ہیں نظارے کو ہم اُس صبح جبیں کے — ہر روز سحر
طالب نہیں اس ملک میں ہم نام ونگیں کے — مرتے نہیں زر کو

ساٹھ اشعار پر مشتمل ایک ساقی نامہ بھی ہے جو ظہوری کے ساقی نامے کی یاد دلاتا ہے۔ یا اردو میں محمد فقیہہ دردمند یا پھر اقبال کے معجز نما ساقی نامہ کا یہ آغاز ہے شاہ حاتم کو زبان وبیان پر زبردست عبور حاصل ہے۔ بغیر کسی واقعہ یا قصہ کے پانچ سو اشعار کی مثنوی کہنا آسان نہیں ہے۔ ایسے ہی دوسری نظمیں بھی تخلیقی معجزات سے کم نہیں ہیں۔ 'وصفِ تما کو وحقہ' پر پچانوے اشعار کو منظوم کرنا ایک غیر معمولی تخلیقی عجوبہ ہے۔ محمد شاہ بادشاہ نے جعفر علی

خاں صادق سے اس عنوان پر نظم لکھنے کی فرمایش کی تھی۔ انھوں نے ہمت ہاردی اور شاہ حاتم سے درخواست کی یہاں یہ نکتہ بھی پیشِ نظر رہے کہ امرا و سلاطین شاہ حاتم کا بڑا احترام کرتے تھے۔ محمد شاہ بادشاہ ان سے فرمایش نہ کر سکے۔ قیاس کہتا ہے کہ صادق شاہ صاحب کے حلقۂ تلامذہ میں شامل تھے۔ اس لیے انھوں نے استاد سے خواہش ظاہر کی اور حاتم نے شاگرد کی سرپرستی کی۔

کچھ امرا و نوابین کا ذکر کیا جاچکا ہے جن سے حاتم کے قریبی مراسم تھے یا وہ ان کی سرپرستی فرماتے تھے۔ کلام میں کچھ اور بھی نام موجود ہیں جن سے حاتم کے تعلقات یا رسم و راہ تھی۔ ایک نام علی اصغر خاں کا ہے جن کی فیاضی اور سخاوت کا حاتم نے اعتراف کیا ہے:

یعنی فیاض زمانے کا علی اصغر خاں
جس کی ہمت کی اب حاتم نے قسم کھائی ہے

نواب مجاہد جنگ اور نواب سید ہدایت علی خاں بہادر ضمیر کی بھی فرمایش اور مصرعِ طرح کا تذکرہ دیوان زادہ میں موجود ہے۔ ۱۱۶۵ھ کی ایک غزل سید ہدایت علی خاں کی فرمایش پر لکھی گئی جس کا مطلع ہے:

کیوں کر نہ کرے آج مرا جلوہ گری رنگ
شیشے میں مرے دل کے بھرے ہے وہ پری رنگ

ان کی فرمایش پر اور بھی غزلیں موجود ہیں۔ فرمایش ہی نہیں ان کی زمینوں میں طرحی غزلیں کلام میں دستیاب ہیں۔ آج ان کم معروف شعرا یا معاصرین کے کلام پر عام و خاص کی نظر نہیں ہے۔ لیکن کلامِ حاتم میں ان کے حوالے موجود ہیں۔ جیسے ضابطہ خاں، یعقوب علی خاں، صادق، مراد علی خاں، فاخر خاں، عبداللہ خاں، حسین علی شوق، میر محمد امین وغیرہ کے اسماء اہم ہیں۔ گویا حاتم کی شاعری ایک اعتبار سے کتابِ حوالہ کا درجہ رکھتی ہے۔ پچیس شعرا کی اسّی سے زاید طرحی غزلیں خود ایک دستاویزی ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اس تخلیقی تنوع اور تاریخی جہات میں بھی حاتم کا کوئی حریف نظر نہیں آتا۔ اسے ان کی بالغ نظری اور تاریخی شعور کا نتیجہ کہنا چاہیے۔ یہاں ایک مثال دی جاتی ہے۔ سودا کا بہت معروف نعتیہ قصیدہ ہے:

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیحِ سلیمانی

اس نعتیہ قصیدے کے زمانۂ تخلیق کا علم حاتم کے کلام سے ہوتا ہے۔ ۱۱۵۳ھ کی طرحی زمین میں جو غزل ہے۔ سودا کے اسی مشہور قصیدے کی زمین سے یہ مستعار ہے۔ قصیدے کا ایک ٹکڑا ہے جسے حاتم نے اپنی زبان

میں ادا کیا ہے:

نہ جاوے صحبتِ کامل سے جس کے کفر ہو دل میں
سلیماں سے کبھو ٹوٹا نہ زنارِ سلیمانی

اس غزل میں دو باتیں اور بھی قابل ذکر ہیں۔ مقطع میں خواجہ حافظ کے خالِ ہندی اور مصرع کی تضمین بھی خوب ہے:

کہا حاتم نے تیرے دیکھ منہ پر خالِ ہندی کو
''چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی''

حاتم کے پیشِ نظر اصنافِ ادب کا بہت واضح اور وسیع تصور ہے وہ خانہ بندیوں یا اجزا و عناصر سے بے نیاز دکھائی دیتے ہیں۔ وہ غزل میں قصیدے یا مثنوی یا قطعات کی صنفی ہیئتوں کے استعمال کو معیوب نہیں سمجھتے۔ قصیدے کے طرز پر درمیانِ غزل مطلعِ ثانی کی شمولیت ملاحظہ ہو:

اگرچہ یہ زمینِ کہنہ تھی اے دوستاں لیکن
ہے دل میں اس غزل میں تازہ کہیے مطلعِ ثانی
ہوا ہوں اس قدر کا ہیدہ تیرے ہجر میں جانی
کہ میں نے اپنی صورت دیکھ کر آپ ہی نہ پہچانی

لسانی اور ادبی وسعتِ نظر کی کئی مثالیں غزلوں میں موجود ہیں جو امتیازات کی بھی حامل ہیں۔ ہیئت کی ایک اور حیرت انگیز مثال ملاحظہ ہو۔ ۱۱۵۵ھ کی غزل ہے۔ اس تجربے سے شعر کے آہنگ اور نغمگی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ نغمہ و آہنگ میں ایک کیفیت پیدا ہو گئی ہے:

آؤ چمن میں گلرو دیکھیں بہار ہم تم — اور بیٹھ کر لبِ جو ہوں ہم کنار ہم تم
دل چاہتا ہے مل لیں دم کا نہیں بروسا — دودم کی زندگی میں پھر ایک بار ہم کو

غزل کی ہیئت میں یہ تجربہ انوکھا ہے جو حاتم کی اختراع ہے۔ مصرعوں کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے مصرع کا پہلا جز و دوسرے مصرع کے پہلے جز و کا ہم قافیہ ہے۔ باقی غزل ہم ردیف و ہم قافیہ ہے۔

اس احساس اور شعور کا ایک دوسرا پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ حاتم نے دیوان زادہ میں ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ درج ہے کہ دیوان زادہ کی ترتیب کے وقت یہ خیال بھی رکھا گیا کہ قدیم و جدید فکر یا ماضی و حال کے مذاق کی خاطر جدید کلام کے ساتھ تخلیقات کے نمونے بھی شامل کیے جائیں۔ نمونے کے لیے ہر ردیف کی دو تین غزلیں یا چند اشعار کا انتخاب کیا گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ضخیم کلام سے اختصار کیا ہے تاکہ

پڑھنے والوں یا نقل کرنے والوں پر بارِ خاطر نہ ہو۔ گویا انھیں قاری کے مذاق اور کتاب کی گراں باری کا بھرپور عرفان تھا۔ اس تاریخی شعور کی مدد سے ہم اردو زبان کی ارتقائی تاریخ کو حاتم کے تعاون کے بغیر مکمل نہیں کر سکتے۔ ان کے الفاظ دیکھیے:

''بنابر خاطر داشت یارانِ نازک طبعاں از فکرِ قدیم وجدید کہ از مذاقِ ماضی وحال از وخبر دہد۔''

یہ تاریخ لسان کا ایک بہت اہم پہلو ہے۔ گردشِ ایام یا شام وسحر کے انقلابات کا گہرا شعور رکھنے والا فن کار ہی ''شہر آشوب'' تخلیق کر سکتا تھا۔ یہ حاتم کا سماجی ادراک ہے۔ حاتم کی تخلیقات میں بہ تمام وکمال دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ یہ موجود ہے۔ حاتم نے طویل عمر پائی چشم زدن میں گنبدِ گرداں نے ایسے انقلابات دکھائے کہ معاشرہ ہی منتشر ہو گیا جس کی کسی کو نہ توقع تھی اور نہ طاقتِ دید ہی حاصل تھی۔ سیاسی زوال کا حال تو جزوِ تاریخ بنا مگر معاشرتی زوال اور اقدار کے انحطاط کا تذکرہ نظروں سے اوجھل ہی رہا۔ طبقاتی کشمکش کے احوال کا تذکرہ حاتم کے احساس اور شعور کی صدائے دردناک بن کر تخلیقات میں ڈھل گئے۔ یہ آشوب نامہ شہرِ دہلی یا دارالخلافہ کا نہیں ہے بلکہ برصغیر کی بدلتی قدروں اور سراسیمہ سماج کی دل دوز داستان کا سب سے الم ناک منظر نامہ ہے۔ حاتم کی اولیات سے قطع نظر ان کی فکری بلندی اور وسعتِ نظر کی بے کرانی تھی جو ماضی وحال کے حادثات سے فردا کے استقبال کی بشارت رکھتی تھی۔ وہ اپنے اضطراب سے دوسروں کو آگہی بخشنے کے لیے آرزومند ہیں۔ مخمس شہر آشوب ۱۱۴۱ھ کی تخلیق کے چند بند ملاحظہ ہوں:

تو کھول چشمِ دل اور دیکھ قدرتِ حق یار — کہ جتنے ارض و سما اور کیا ہے لیل و نہار
نہ کھو تو عمر کو غفلت میں ٹک تو ہشیار — کہ دور بارہ صدی کا ہے سخت کج رفتار
جہاں کے باغ میں یکساں ہے اب خزاں و بہار

حرام خور جو تھے اب حلال خور ہوئے — جو چور تھے سو ہوئے شاہ، شاہ چور ہوئے
جو زیر دست تھے سو ان دنوں میں زور ہوئے — جنھوں کو زور تھا سو اب مثالِ مور ہوئے
جو خاک چھانتے پھرتے تھے سو ہوئے زردار

باورچی کھا کے ڈکاریں ہیں اب دو پیازہ پلاؤ — اور اپنے زعم میں کھاتا یہ کاغذی کا تاؤ
گرانی غلے سے بنیے کا اور ہی ہے سبھاؤ — گلی گلی میں ہے ہر ایک اپنی راجا راؤ
نوار باف پلنگ پر پڑا ہے پاؤں پسار

سبھوں کے بیچ یہاں سرخرو ہے تنبولی کمہار رکھتے ہیں بندوق، توپ اور گولی
ہوا ہے خضر کا چشمہ بھینگرے کی جھولی ہنسے ہے خانم و بیگم کو دیکھ کر لولی
ہر ایک صبح کو یاقوتی کھائے ہیں عطار

عجب یہ اُلٹی بہی ہے باؤ دلّی میں کہ شاہ باز، چڑی مار کی ہے انٹی میں
روغن فروش کی ہیں پانچوں انگلیاں گھی میں جنگل کو چھوڑ کے بوم آ بسے ہیں بستی میں
نجیب چھوڑ کے شہروں کو ہیں جنگل میں خوار

یہ شہرآشوب سماج کے مختلف طبقوں اور پیشہ وروں کا دلاویز مرقع بھی پیش کرتا ہے۔شاہ، امیر، سپاہ، بزرگ، نجیب، رذیل، قاضی، مفتی، اہل کار، صراف، صحاف، سنار، نائی، قصائی، نان بائی، کونجڑا، مالی، لہار، تیلی، رنگ ریز، حلال خور، رفوگر، چور، حلوائی، باورچی، گھسیارے، تنبولی، کمہار، عطار، چڑی مار، روغن فروش، جوتافروش، بزاز، آتش باز، گندھی، صیقل گر، بھڑبھونجے، اہیر، سائیس، عراقی، بھڑوے وغیرہ کی بنتی بگڑتی تقدیروں کی مرقع سازی حاتم نے بڑی فن کاری اور فکرانگیزی کے ساتھ کی ہے۔اردو میں یہ ایک عہد آفریں نظم ہے۔ساتھ ہی فنی اور فکری امتزاج میں شاہ کار تخلیق کی حیثیت رکھتی ہے۔نظم بہ ظاہر مخمس کی شکل میں ہے تسلسل اور روانی میں بھی موتی کی مسلسل لڑی کی مانند ہے۔حاتم نے انقلاب زمانہ کا ایک اور جگہ بھی بیان کیا ہے جو قصیدے کی زمینِ طرحی میں ہے اور ۱۱۷۲ھ کی تخلیق ہے اور صرف انیس اشعار پر مشتمل ہے۔نظم تاثرات سے خالی نہیں ہے۔بہ ظاہر یہ غزل ہے۔مگر دوسرا شہرآشوب بھی کہلانے کا حق رکھتی ہے۔ہیئت مخمس کی نہیں ہے بلکہ غزل کی ہے اور مسلسل بیانیہ پر موقوف ہے جس کی وجہ سے روانی بھی بے مثل ہے۔

کیا بیاں کیجیے نیرنگیٔ اوضاعِ جہاں کہ بیک چشم زدن ہوگیا عالم ویراں
جن کے ہاتھی تھے سواری کو سو اب ننگے پاؤں پھریں جوتی کے محتاج پڑے سرگرداں
اے خدا خوب کہا ہے یہ کسو نے مصرع یعنی نعمت بہ سگاں بخشی و دولت بہ خراں
جس کو دیکھوں ہوں سو ہے فکر میں غلطاں پیچاں یعنی چہ میر و چہ مرزا و چہ نواب و چہ خاں
گرم ہے ظلم کا بازار خدا خیر کرے کہیں مظلوموں کے رونے سے نہ آوے طوفاں

بیانیہ کا یہ پیش کش حاتم کے منفرد ذہن اور فنی امتیازات کی مثال ہے۔شاہ حاتم کی غزلوں میں بیانیہ اسلوب عام ہے۔اور اس میں مکالماتی رنگ و آہنگ کی کمی نہیں ہے۔کہیں کہیں خود کلامی بھی ہے۔ان غزلوں کا یہ امتیاز ان کی قوتِ تخلیق کا مظہر ہے جو حاتم کو بڑی ارزانی کے ساتھ بخشا گیا ہے۔انھیں تنگ نائے غزل کا شکوہ نہیں

ہے۔ حاتم نے مسلسل غزلیں کہیں اور اشعار کے متعین یا مجوزہ تعدادِ اشعار سے گریز کیا۔ کئی غزلیں طویل ہیں اور مسلسل ہیں۔ مکالماتی اور محاکاتی اسالیب سے ہم آہنگ ہیں۔ خاص طور پر دیوان زادہ کی ترتیب کے بعد مسلسل یا طویل غزلیں کہنے کی مثالیں ملتی ہیں۔ ۲۲ اشعار پر مشتمل غزل ایک انوکھا تجربہ ہے۔ ۱۹ اشعار کی کئی غزلیں ہیں۔ ان کی اور بھی خصوصیات ہیں۔ اشعار کی تعداد سے حاتم کے تخلیقی سیل کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔ نظمیں بیان، تخلیق اور روانی میں شاہ کار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہ ہماری خوش بختی ہے کہ تحقیقی سرگرمیوں کا کارواں آگے کی طرف رواں دواں ہے۔ لائقِ احترام ہیں وہ اساتذہ جن کی کاوشوں سے قدیم متن سامنے آیا۔ اس دریافت سے زبان و بیان کی تاریخ پر نئی روشنی پڑتی ہے۔ 'دیوانِ فائز' کے بعد 'دیوانِ آبرو' کی اشاعت سے قدیم تاریخ کے سلسلے مربوط ہونے لگے۔ بعدازاں 'دیوان شاکر ناجی'، 'دیوان یقین'، 'جعفر زٹلی'، 'دیوانِ یک رو'، 'انتخاب حاتم' اور 'دیوان زادہ' کی اشاعتوں سے قدیم متون تک رسائی آسان ہوگئی ہے۔ ان کے تجزیہ نے تخلیقی تفہیم کی راہیں ہموار کردی ہیں۔ اس دور کے سبھی شعرا کی کم وبیش یکساں حیثیت اور اہمیت ہے۔ ان میں حاتم کا معاملہ قدرے مختلف ہے۔ چوں کہ انھوں نے ایک طویل عمر پائی اور پرورشِ لوح وقلم کی سعادت سے دیر تک بہرہ ور ہوتے رہے۔ اس لیے ان کو معاصرین پر ایک گونہ سبقت و سربراہی حاصل ہے۔ اس لحاظ سے بھی ان کا مطالعہ ایک نئے زاویہ نظر کی دعوت دیتا ہے۔ حاتم کا کلام حوالوں اور لسانی تبدیلیوں کا ایک مرقع ہے جس میں زبان و بیان کی مکروہ وزشت صورتوں کے ساتھ اظہار واسالیب کے دلاویز پیکروں کی شفاف تصویریں موجود ہیں۔ پھر گردشِ ایام کے نشیب وفراز کی بنتی بگڑتی شکلیں بھی ہمارے دامنِ احساس کو متاثر کرتی ہیں۔ ان کے کلام میں افلاس وامارت، نوحۂ غم اور نغمۂ شادی، ترکِ لذات اور آسائشِ دوگیتی، عرفان وارضیت، لمس وگریز کی متضاد کیفیات کا حسنِ امتزاج موجود ہے۔ بارہویں صدی کے فرد وسماج کے انبساط وانحطاط کی داستان کے کئی پہلو حاتم کے کلام میں دستیاب ہیں۔ انسانوں کی ذہنی کشمکش، زندگی کے پیچ وخم قلندرانہ شان وشکوہ کے ساتھ لطف ولذت سے ہم کنار ہونے کی خواہشات کے کئی رخ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان پہلوؤں کا رشتہ وپیوند ایک حد تک خود حاتم کی ذات وصفات سے بھی ہم آہنگ ہے۔ ان کی شخصیت بھی بذاتِ خود بڑی دل کشی کی مالک تھی۔ تخلیقات میں اس کا عکس واظہار عین فطری تھا۔ انھوں نے عصری محسوسات اور شخصی مشاہدات کو عرضِ ہنر میں تحلیل کر کے پیش کیا ہے۔ درحقیقت ان کا کلام ان کی شخصیت اور سماج کی ترجمانی اور تصویر آفرینی کی تمثیل ہے۔

اردو تہذیبی امتزاج وارتباط سے عبارت ہے۔ اس ترکیب میں ثقافتی آویزشوں اور کشاکش نے ہم

آغوش ہو کر اسے توانائی بخشی ہے۔ خاص طور پر ابتدائی دور کی تخلیقات کا سب سے موثر اور متحرک منبع تہذیبی تفہیم کے مشترک اقدار ہی ہیں جو زبانوں اور بولیوں کے خدوخال سے بہت واضح ہیں۔ موضوعات اور اسالیب میں بھی ان کے نشانات بہت نمایاں ہیں۔ اگر صرف غزلوں کے حوالوں سے ہی گفتگو کی جائے تو حاتم کی شاعری سے ان رویوں کی توثیق ہوتی ہے۔

وسط ایشیا کی تہذیب اپنی پوری توانائی کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئی تھی۔ ترکوں، مغلوں، ایرانیوں اور افغانیوں کے بود و باش میں قدرے فرق کے باوجود ایک اجتماعی آمیزش تھی جو دہلی اور نواحِ دہلی میں سایہ نشین تھی۔ اسے مجموعی طور پر مرزائی معاشرت کہہ سکتے ہیں جو طرح داری نک داری، بانکپن میں انوکھے رکھ رکھاؤ کے لیے مشہور تھی۔ یہ جواں سال، جواں قد، جانباز اور جیالے بھی تھے۔ قد و قامت کی دلآویزی کے ساتھ کج کلاہ، مردِ سپاہِ خوش پوش و خوش کلام بھی تھے اور چال ڈھال بھی ایسی کہ بہ قول حاتم:

ہر قدم پر ان کے چلنے سے ہوا ہے فرشِ گل

ایسی فضا میں دل داری و دلاسائی عام تھی۔ حاتم نے بار بار اس معاشرت کی تصویر کشی کی ہے۔ ایک دوسری تصویر یا اظہار ملاحظہ ہو جس سے معاشرت اور ماحول کے اندازِ نظر کا علم ہوتا ہے:

تیز پھرتی ہے نگہ ترک کماں ابرو کی
باز گشتی کا لگانا فنِ مغلائی ہے

ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ سب خیالی حسن کے ناز و غمزے ہیں۔ وہ مغلائی حسن ہو یا میرزائی جمال، سب میں ہندی حسن کی آمیزش اور اندازِ آرائش ہی جہاں دوست کو جمال آفریں بناتا ہے:

لگاتا تو نہ گر پاؤں میں مہندی
تو فتنہ شہر میں برپا نہ ہوتا

حسینانِ ہند پنجاب کی راہوں میں روپوش ہو کر رہزنی کرتے ہیں۔ وسط ایشیا کے میرزائی مغل جوان انھیں راہوں میں نقدِ دل گنوا بیٹھتے ہیں۔ تاریخی طور پر تہذیبی کارواں کی یہی گزرگاہ ہے۔ رنگ روپ کا ارغوانی ملاپ یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ حاتم کے مشاہدات میں تاریخ کی بدیہی حقیقتیں بہت واضح ہیں۔ وہ کارواں کے جیالوں کا دل لینے اور دل دے بیٹھنے کے حادثات سے بخوبی واقف تھے:

حسن رہزن ہے یو پنجاب کی راہوں کے بیچ　　چھین لیتے ہیں مرے دل کوں نگاہوں کے بیچ

کلام میں پنجاب کا تذکرہ اور بھی ہے۔ حاتم کی دلچسپی کے دوسرے مقامات بھی ہیں جن کا اشعار میں

ذکر کیا گیا ہے۔ یہ امصار مختلف تہذیبوں کی علامتیں پیش کرتے ہیں اور اردو ان کے ارتباط کی نمائندگی کرتی ہے۔ حاتم کے یہاں تہذیبی اختلاط کی وافر مثالیں موجود ہیں۔ وہ دہلی سے باہر نہیں گئے مگر دکن و نجف، کشمیر و کابل، یمن و یورپ کا تصور کرتے رہے۔

حاتم درویش منش انسان تھے۔ کارِ جہاں سے لاتعلقی ان کا مزاج تھا۔ اسی رنگ میں ان کی پوری زندگی بسر ہوئی جو ان کی پسند کی ہوئی تھی۔ صبر و شکر کے ساتھ گزران کیا وہ اس طرزِ حیات پر فخر کرتے رہے:

نہ چاہا جاہ حاتم آفریں ہے   خدا جانے کہ ہوتا یا نہ ہوتا

دینار اور درم کے نہ لا دل کو دام میں   قاروں سے بے خبر ہے کہ خزانے نے کیا کیا

ہے وہ چرخ مثال سرگرداں   جس کوں حاتم خیالِ مال ہوا

گھر کیا ہے ہم نے حاتم برسرِ دارِ فنا   بھاڑ میں ڈالیں لے کر منصب و املاک ہیں

قناعت پسندی ان کی درویشانہ زندگی کا جزو بن چکی تھی۔ نواب کی ملازمت سے دست کش ہونا معمولی کردار کی بات نہ تھی۔ یہ ان کے فقر و استغنا کا کمال تھا۔ انھوں نے بہاریہ مثنوی 'بزمِ عشرت' لکھی ہے جس میں آدابِ نگارش کو ملحوظ رکھتے ہوئے بادشاہِ وقت محمد شاہ کی تعریف کی ہے۔ مگر ان سے کسی طلب یا مدعا سے گریز کیا ہے اور ایمان و یقین پر سختی سے کاربند رہنے کو حاصلِ حیات قرار دیا ہے:

نہ رکھ حاتم طمع شاہ و گدا سے   جو کچھ چاہے سو مانگا کر خدا سے
توقع غیر سے خطرات ہے گا   کہ سب کا رزق اس کے ہات ہے گا

غزلوں میں اس فکر کی تکرار ہے۔ اوائل شاعری میں ۱۹۳۶ء کا دس بند کا ایک مسدس ہے جو اس موضوع پر ایک منظم اور مربوط خیال کا ترجمان ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ بے نیازی ان کی سرشت میں شامل تھی۔ دلِ بے مدعا انھیں فیاضِ فطرت نے ودیعت کیا تھا۔ وہی ان کا حاجت روا تھا۔ ربِ کائنات کی کفالت و پرورش پر ان کا راسخ عقیدہ تھا:

چشم امید رکھ کے خدا کے کرم کے ساتھ   باندھا نہیں ہے دل کو میں دام و درم کے ساتھ
گزران اب کروں ہوں جہاں میں بھرم کے ساتھ   گزرا ہوں قوتِ بیش سے قانع ہوں کم کے ساتھ

قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ
روزی مری ہے روز مرے دم قدم کے ساتھ

اس نظم میں بڑے نکات موجود ہیں۔وہ پتھر میں گھاس، مگس کو عنکبوت کے پاس غذا فراہم کرتا ہے تو حاتم کو کارِ جہاں سے فراغ کیوں نہ ہو۔انھیں شوقِ زر اور تلاشِ گہر کا تردد نہیں ہے۔وہ ملکِ غنا کے سلطان ہیں۔سب کو چھوڑ کر خدا سے ساز کیا ہے وہ رزاق کی صفت کے تماشے سے سرشار ہو کر غیر کے مدار و مدد سے معذرت خواہ ہیں۔

اس کے بہت سے پہلو ہیں جن پر حاتم نے بڑی بے باکی سے اظہار کیا ہے کہ زندگی اور کائنات کی بے ثباتی عام ہے۔عرفان حق پر بھی تاکیدی نظر کار فرما ہے جو ظاہری نمود کی محتاج نہیں ہے:

حق سے ملنا گیروے کپڑوں اوپر موقوف نئیں
دل کے تئیں رنگو، فقیری یہ ہے اور سب ہے لباس

جو کہ آیا رباطِ دنیا میں سو مسافر مثال راہی ہے

گدا ہوں پر طمع رکھتا نہیں میں بادشاہوں سے
کہ دنیا دار ہے درویش کو دولت قناعت سے

عام صوفیانہ خیالات سے قطعِ نظر یہ تصورات حاتم کی فکر و کردار کا جزو بن چکے تھے اور اس پر وہ عمل پیرا بھی تھے۔معاشرتی زوال کے سبب ان رجحان کا پیدا ہونا ایک لاشعوری عمل ہوتا ہے۔ہستی کو حباب وجود کو دامِ فریب اور نمود کو ریا سمجھنا عمومی فکر کا حصہ بن جاتا ہے۔ترکِ دنیا اور ترکِ لذات کو عرفان کا وسیلہ سمجھ لیا جانا بھی فطری تھا۔اس کا دوسرا رخ بھی حاتم کی شاعری میں موجود ہے ۔نیا سے لطف اندوز ہونے کی آرزو بھی رکھتے ہیں۔اس میں لذت پرستی نہیں دکھائی دیتی بلکہ کائنات میں بکھری ہوئی بے شمار نعمتوں سے لطف اندوز ہونے پر زور ہے تاکہ تحسین و تشکر کا حق ادا ہو سکے۔اور انسانی وجود کو قدرت سے ہم کنار کیا جا سکے۔کیوں کہ مظاہرِ فطرت اور انسان کے درمیان ایک گہرا رشتہ تخلیق ہے جس سے روبرو ہو کر انفس و آفاق کا عرفان حاصل ہوتا ہے اور خالقِ کل کے اقرار میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔اس کی ابتدا اپنے وجود کے مضمرات کی تفہیم سے ہوتی ہے:

اہلِ معنی جز نہ بوجھے گا کوئی اس رمز کوں
ہم نے پایا ہے خدا کوں صورتِ انساں کے بیچ

یہ انسان تخلیقِ کائنات کا شاہکار ہے حاتم نے عظمتِ آدم کے احساس کو قربِ الٰہی کا ایک فکر انگیز نکتہ فراہم کیا ہے۔۱۱۴۴ھ کی غزل کا مطلع پیشِ نظر ہو:

دیکھ بنیاد رب کی آدم ہے جان لے گا اگر تو محرم ہے
سب صفت اس کی دیکھ لے اس میں کہہ تو بندہ خدا سے کیا کم ہے

اس برس کی دوسری غزل ہے جس میں بنی نوع بشر کے ساتھ ارض وسما کے مظاہر اور نور فشاں فطرت کی آگہی کو ایقانِ نظر کے لیے لازم بتایا ہے:

دل کی اس بات پر گواہی ہے ہر طرف مظہرِ الٰہی ہے
جن نے بوجھا ہے اس سخن کو یقیں اس کو عرفاں کی بادشاہی ہے

ڈاکٹر محمد حسن نے لکھا ہے کہ:

''جسے تصوف کہا گیا وہ اس مشترک تہذیب اور ان مشترک اقدار کا فکری اظہار تھا۔ اسلامی تصوف کی نشو ونما زیادہ تر انھیں علاقوں میں ہوئی جہاں بدھ وہار تھے۔''[۱]

یہ آئینِ تصوف کا اساسی اصول ہے جس سے وجود و نمود کے افکار جنم لیتے ہیں۔ وحدت و کثرت کے تمام تصورات کا سرچشمہ بھی یہی خیال ہے۔ لیکن حاتم نے وجودی فکر سے گریز کرتے ہوئے کائناتی کلیہ فراہم کیا ہے جو عقیدے کے مسلمات کا جزو لاینفک ہے۔ ہر طرف کہہ کے انھوں نے حلول کو مسترد کیا ہے۔ اس سے ان کی صحتِ فکر کا پتہ چلتا ہے۔ حاتم متصوفانہ خیالات رکھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ شمال میں صوفیانہ شاعری کے وہ مصدرِ اول ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ یہی نہیں کردار و عمل کے اعتبار سے بھی ان کا کوئی مقابل نہیں ہے۔ فکر و خیال کے ساتھ ان کی زندگی درویشی و قلندری کی مثال پیش کرتی ہے جس پر وہ قائم رہے۔ یہ روایت ان کے محترم معاصر خواجہ میر درد کے ہاتھوں پروان چڑھتی ہے جنھوں نے عمل اور افکار میں گہری اور کشادہ معنویت پیدا کی۔ فکری سطح پر وہ مفکر صوفی شاعر ہیں۔ انھوں نے 'علم الکتاب'[۲] لکھ کر تصوف کو فکری بنیاد فراہم کی[۳] اور ماورائی مباحث کا دستاویز تیار کیا۔ عملی سطح پر بھی وہ ایمان و یقین کے پیکرِ نور تھے۔ اردو کے تیسرے صوفی شاعر شاہ غمگین گوالیاری ہیں جو دہلی کے ہی پروردہ تھے۔ وہ حاتم کے شاگرد سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد کہے جاتے ہیں۔ وہ بھی فکر و عمل میں یکتائے روزگار تھے۔ حاتم کی خوش بختی دیکھیے کہ اردو کے تین بزرگ صوفی شاعر ہیں۔ ان کے علاوہ ایک معاصر اور دوسرا ان کے نسب نامے کا نامی گرامی فن کار جو غالب جیسے محترم سخنور کا مخدوم تھا اور محبوب بھی یہ سیادت بھی حاتم کے حصے میں آئی تھی۔

---

[۱] دہلی میں اردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر، ۱۰ [۲] علم الکتاب، ۷

[۳] خواجہ میر درد، ۹

یہ بدیہی سچائی ہے کہ دنیا میں جینے کے لیے مادّی وسیلے لازمی ہیں اور انھیں حاصل کرنے کی جائز تدبیر کرنی چاہیے تاکہ زندگی کو خوشگوار بنایا جاسکے:

خواہ ہو بادشاہ خواہ ہو گدا
کام دنیا کا ہے رواں زر سوں

وہ ضرورتیں جو انسان کے لیے ملزوم ہیں بنیادی طور پر تین ہیں: شکم سیری کے لیے نان ونمک، تن پوشی کے لیے ملبوسات اور جسم وجان کی حفاظت اور راحت کے لیے سایۂ دیوار کی پناہ گاہ۔ انھیں حاصل کرنے کے لیے انسان مجبور ہے اور مامور بھی۔ ان ضرورتوں کی تکمیل ہر بشر کے لیے لازمۂ حیات ہے:

گدا یا شاہ کوئی ہو موافق قدر ہر اک کے
لباس وقوت ومسکن سب کو ہے درکار دنیا میں

اس طرح کے موضوعات میں ایک دائمی صداقت موجود ہے جو ہر زماں اور ہر فرد محسوس کرتا ہے۔ ان میں دنیا اور زندگی کی وہ حقیقتیں شامل ہیں جن سے گریز ممکن نہیں ہے اور نہ فرار کی صورت ہی ممکن ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ حاتم کے تصورات اور تعلیمات میں اثبات کا عنصر غالب ہے جو اس دور کی عام فکری روش کے برعکس ہے۔ حاتم کی رجائیت اور امیدوں پر انحصار ان کے فکر ونظر کی ایک قوت بخش توانائی ہے:

گردشِ دوراں سوں حاتم غم نہ کھا
حق نکالے گا تجھے افلاس سوں

اس سے بڑھ کر انھوں نے آخری صحفِ سماوی کی فکر انگیز آیت کو منظوم کیا ہے جس سے ان کی رجائیت پسندی کا پتہ چلتا ہے اور فکری اصابت واستحکام کا بھی:

رحمت حق سے نہیں کوئی ناامید
دیکھ لے لاتقنطوا قران میں

شاہ حاتم عربی زبان وادب کے عالم نہ تھے لیکن ضرورت کے مطابق قرآن فہم تھے۔ کلام میں کئی جگہ آیتوں کو خوب صورتی سے منظوم کیا ہے جیسے:

نحن اقرب تو راست ہے لیکن
وہ ہے نزدیک تجھ سے تو ہے دور
تو جو کہتا ہے بولتا کیا ہے

امرِ ربی ہے روحِ مولا ہے
کل شیٔ محیط پیدا ہے

کل شيِ اور عرفان ذات کے لیے من عرف نفسہ کا حوالہ بھی موجود ہے۔ اس غزل میں شریعت، طریقت اور معرفت کی ایک فکر انگیز تعریف بھی ملتی ہے:

اور شریعت کی پوچھتا ہے تو یار
وحدہٗ لا شریک یکتا ہے

یہ پوری غزل رمزِ توحید پر لکھی گئی ہے۔

حاتم کی رجائیت پسندی سے رغبت اس دور کے فکری تناظر میں بڑی معنویت رکھتی ہے۔ زندگی کی بے ثباتی اور کارِ دنیا پیچ کی مسموم فضا میں عزم و استقلال پر اعتماد رکھنے کی تاکید مردہ لوگوں کے لیے حرکت و حرارت کا پیغام رکھتی ہے۔ یہ جواں مردی اور جواں کاری کے آداب سکھاتی ہے۔ یہ جنوں خیزی کے ساتھ آتشِ نمرود کی آزمائش کو بھی آسان بنا دیتی ہے:

وہی ہے مرد جو ہو روبرو تروار کے حاتم
کہ منھ کے پھیرتے نامرد پر شمشیر ہنستی ہے

حاتم ایک باعمل انسان تھے، تحرک و عمل انھیں بہت عزیز تھا۔ وہ سعی و عمل کو انسانی وجود اور اس کی حفاظت کے لیے آئینِ فطرت سمجھتے تھے۔ جدوجہد سے زندگی کے اسرار تک رسائی ہوتی ہے۔ وہ عمل کے بیج بونے اور اس کے ثمرات حاصل کرنے کی بات کرتے ہیں۔ اس شعر کو دیکھئے:

دہقاں کی طرح دانہ زمیں میں نہ بوئیے
بونا وہی جو تخمِ عمل دل میں بوئیے

ایک دوسرا شعر ملاحظہ ہو:

زمینِ دل میں چاہوں ہوں کہ کچھ تخمِ عمل بودوں
کروں کیا عمر کم فرصت سے بونے کی نہیں فرصت

تخمِ عمل کا بار بار ذکر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ جدوجہد ہی تلخِ زندگانی کو انگبیں میں تبدیل کرتا ہے۔ دنیائے دوں ایک دار العمل ہے اور ثمرات سے بہرہ ور ہونے کی جگہ۔ عمل محنت و غیرت سے عبارت ہے۔ غیرت خود داری سکھاتی ہے اور خودی کو بیدار کرتی ہے۔ یہی خودی ہے جو عالمِ نزع میں بھی غیر سے پانی کی طلب کو تحقیر سے

دیکھتی ہے:

پانی نہ مانگ وقتِ نزع بھی کسی سے تو
حاتم جو چاہتا ہے جہاں بیچ آبرو

حاتم فلسفی تھے اور نہ مفکر۔ وہ ایک باشعور حساس اور غور وفکر رکھنے والے عام انسان تھے۔ ان کے غور وفکر اور سوچ بچار میں یہ افکار نکتہ ہائے نظر کی بالیدگی و بلندی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو شاعری کے ابتدائی دور کی فکری تصویر بناتے ہیں جس میں اثبات واعتماد کی تلقین وتائید شامل ہے۔ اس دور میں حاتم کی یہ مثبت فکر نیم جاں معاشرے کے لیے بیاضِ مسیحا کے نسخوں کی تاثیر رکھتی ہے۔ خاص طور پر جب پوری شاعری نوحہ گری اور نفیٔ ذات کی ترجمان بن جائے تو یہ آوازیں رحیلِ کارواں کی بیداری اور بانگِ درا بن جاتی ہے۔ پژمردگی کے دور میں ان مثبت تصورات کی بڑی اہمیت ہے۔

ان کی فکر ونظر کا ایک حصہ ان کے کلام میں موجود ہے جن سے ان کی زندگی اور تصورات کا خاکہ تیار کیا جاسکتا ہے اور ان کی شخصیت کی نفسیات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ان کے حال وقال میں ایک گہرے ربط کی بنیاد ہے۔ مذکورہ اشعار میں بنی نوع انسان سے محبت کا جو اظہار ملتا ہے وہ ان کا شیوۂ زندگی تھا مذہب وملت یا رنگ ونسل کے مابین اختلاف کے باوجود حاتم ایک صلح کل اور صلح جو کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں شیخ و برہمن یا ہندو مسلمان محض روایتی نہیں ہیں۔ یا محض شاعری کے واسطے موضوعِ سخن نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ حاتم کی نظر میں بندگانِ خدا لائقِ صد احترام ہیں۔ ہندو مسلمان دونوں کو جگہ جگہ مخاطب کیا گیا ہے۔ اولادِ آدم کے احترام اور ان سے محبت ان کی فکر کا اساسی نکتہ اور فن کا بنیادی مرکز ہے جو اشعار کے نہاں خانے میں بہت نمایاں ہے۔ خود ان کے شاگرد مکند سنگھ فارغ ایک مثال ہیں۔ دوسری طرف کلام میں لالہ دیبی دت کا بھی ذکر موجود ہے۔ مذہبی اور اساطیری حوالوں سے بھی تائید ہوتی ہے۔ ثقافتی سرگرمیوں اور عقائد کے اشاروں نے بھی اس خیال کو تقویت پہنچائی ہے۔ ان کی وسیع القلبی ان کے اشعار میں جابجا نظر آتی ہے جن میں ان کے مذہبی موقف کی شناخت آسان ہوجاتی ہے۔

نہ میں سنی نہ شیعہ نے کافر   صوفی ہوں سب کا دید کرتا ہوں
اپنے احساسِ خلق سے حاتم   آدمی کو عبید کرتا ہوں

حاتم کے مسلک ومشرب میں ہر اختلاف یا امتیاز کو بنی نوع انسان کی وحدت کے لیے مہلک کہا گیا ہے۔ وہ عملاً وسیع المشرب انسان تھے۔ ان کے حلقے میں ہر ایک کو یکساں عزت اور باریابی حاصل تھی۔ انھوں نے مختلف عقائد کے درمیان رشتۂ اتحاد کا آئین مرتب کیا تھا جس کے لیے آج محراب ومنبر مطالبہ کرتے ہیں:

دل کے آزار کا نہ دو فتویٰ
مذہبوں میں مت اختلاف کرو

نظم ''بزمِ عشرت'' کے ایک حصہ 'بزمِ نغمہ' میں ان الفاظ کو دیکھئے جو تہذیب کی ترجمانی کرتے ہیں۔ طنبورا، کلاونت، سارنگ، سدارنگ، ستارہ، ڈھولک، گت، جل ترنگ، مردنگ، سوروساونت، ہنڈول، راگ، دھرپت، اوگھٹ، بدیا، نٹ۔

حاتم کا کلام تہذیب کے ان گنت پہلوؤں پر مشتمل ایک مرقع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس شعری نگارخانے میں بڑی شفاف صورتیں جمع ہیں۔ صرف اسی موضوع پر توجہ دی جائے تو حاتم نادرِ روزگار شخصیت کے مالک ہیں۔ تہذیبی علامتیں اور اساطیری حوالوں نے ان کے کلام کو رنگ و آہنگ سے گراں بار کیا ہے۔ بزمِ عشرت میں 'ہولی' کو دیکھیے۔ یہ شمالی ہندوستان کی ہولی پر پہلی نظم ہے۔ تاریخی یا تہذیبی تصویر کشی کے لیے ہی یہ اہمیت نہیں رکھتی بلکہ جذبات نگاری اور محاکات کی خوبصورت پیش کش میں بھی لاثانی ہے۔ حاتم کے مشاہدات کا اظہار اس نظم کو جاوداں بنانے کے لیے کافی ہے:

گلال ابرک سے سب بھر بھر کے جھولی　　پکارے یک بیک ہولی ہے ہولی
کوئی ہے سانوری، کوئی ہے گوری　　کوئی چنپا برن عمروں میں تھوری
کوئی لے رنگ پچکاری بھرے ہے　　کوئی رنگیں لباس اپنا کرے ہے

حاتم کے کلام میں اکثر و بیشتر طنز کا تیور بھی دیکھنے کو ملتا ہے جو تضحیک یا ابتذال سے پاک ہے۔ غزلوں میں اس کا انداز ذرا مختلف ہے۔ مگر نظموں میں خاص طور پر شہر آشوب میں نیرنگیٔ زمانہ پر گہرے طنز کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ وہ ایک بااخلاق انسان تھے اور کچھ اقدار انھیں بہت عزیز تھے۔ خود درویشانہ مزاج کے مالک تھے۔ جہاں طنز و تشنیع یا مزاح و مذاق کا عنصر غالب نہیں ہوسکتا۔ اردو زبان کی سادگی اور حاتم کی مزاحیہ اعتدال پسندی دونوں قابلِ ذکر ہیں۔ یہی صورتیں اشعار میں بھی بدرجۂ کمال موجود ہیں:

رمضان کی آمد ہوئی ہے شیخ کو عید　　ہے واسطے افطار کے سب سے تاکید
معلوم ہوا تو اسی جہاں میں حاتم　　عرفاں ہے روپیہ و روٹی توحید

طنز کی سب سے اچھی اور تاثرات میں سب سے تیکھی نظم 'شہر آشوب' ہے۔ غزلوں میں کہیں ان کی جھلک دکھائی دیتی ہے:

اس طفل خو کو میری نصیحت سے لگ ہے　　بگڑا ہے لڑکپن سے کہاں تک سنور سکے

مرے قتل پر تو جو فتویٰ دیا ہے — گنہ کیا کیا میں ترا کیا لیا ہے

رہینِ شراب خانہ کیا شیخ حیف ہے — جو پیرہن بنایا تھا احرام کے لیے

زاہد کو ہم نے دیکھ خرابات میں کہا — مسجد کو اپنی چھوڑ کہو تم یہاں کہاں

حاتم کے طنز میں معاشرے اور تہذیبی قدروں کی پامالی کو زیادہ سے زیادہ ہدف بنایا گیا ہے جس کا انھیں شدید احساس تھا۔ درازیٔ عمر نے بھی تلخ وشیریں تجربات دیکھنے کے لیے مجبور کیا تھا۔ نواب صاحب کے قتل کے بعد وہ بجھ سے گئے تھے۔ شاہوں اور شہزادوں کے ساتھ ہونے والے گھناؤنے سلوک سے ہر شخص ہراساں تھا۔ دہلی کے خرابے کی ویرانی پر فن کاروں نے خون کے آنسوؤں کا خراجِ غم پیش کیا ہے۔ حاتم نے چشم زدن میں معاشرے کے زوال کا مشاہدہ کیا اور حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر نادر شاہ کے حملے نے ساری قدروں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا:

ایسی ہوا بہی کہ ہے چاروں طرف فساد
جز سایۂ خدا کہیں دار الاماں نہیں

شہر آشوب تو ایک مربوط نظم ہے جو خانماں برباد بستی کے بدلے ہوئے اقدار اور بربادی کا نوحہ خواں ہے۔ غزلوں کے مختلف اشعار میں الم ناک تصویروں کا تذکرہ ہے جہاں ہر شکل بہ صورتِ تصویر ساکت نظر آتی ہے:

دلّی میں آئے ایسے قدم سے جہاں پناہ
عالم کا سب طرح سے ہے ہوا کاروبار بند

درماندگی اور محتاجگی نے زندگی کی ہر خوشی چھین لی تھی:

جدھر سنتا ہوں اب سب کی زباں پہ روٹی روٹی ہے

مسلسل حملوں سے دلّی کی تاراجگی کا تذکرہ اس مصرعے سے عیاں ہے:

گرم ہے ظلم کا بازار خدا خیر کرے

ایسی مسموم فضا میں غم واندوہ کو غلط کرنے کے لیے ہنسنے ہنسانے کی ضرورت پیش آتی ہے جو فطری نہ ہو کر محض بناوٹی ہوتی ہے۔ حاتم کے مزاج میں طنز ومزاح کا عنصر غالب نہ تھا۔ ان کی سنجیدگی اور درویشی مانع تھی۔ پھر بھی ایک شعر میں وہ اپنی ظریفانہ طبیعت کا اقرار کرتے ہیں جو صرف اعتراف کی حد تک ہے:

خوباں کو کس طرح سے لگا لے ہے بات میں
بندہ ہوں اپنی طبع ظرافت مآب کا

طبیعت یا فطری میلان سے قطعِ نظر یہ غزل کے سیاق سے متعلق ہے۔ حقیقت سے سروکار نہیں ہے۔ وہ ظریف تھے اور نہ مضحک بلکہ سنجیدگی غالب تھی۔ بزرگوں کی صحبت سے فیض یافتہ تھے اور امرا کی صحبتوں کے آداب سے باخبر۔

ایسی صورت میں طنز کے تیرونشتر چلانے کی توفیق نہیں مل سکتی اور نہ ہمیں توقع کرنی چاہیے۔ وہ دل آزاری کی جگہ دل داری کو عزیز سمجھتے تھے جو کچھ بھی طنز ہے اس میں نیرنگیٔ فلک، محبوب کے جور و جفا اور زاہد و شیخ کی ریاکاری کے خلاف روایاتی انداز کی مزاح نگاری موجود ہے۔ حاتم نے مدح وذم کے بارے میں ایک بلیغ اظہار کیا ہے جو ان کے مزاج کی ترجمانی کر رہا ہے:

مدح کرنا مشربِ عارف میں سب کا خوب ہے
بدطبیعت ہے کہ جس کی طبع ہو ذم کی طرف

شاہ حاتم کو زبان کی ارتقا پذیری کا بڑا شعور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے قدیم دیوان کو ایک طرح سے متروک قرار دیا۔ یہ ان کی وسعتِ نظر تھی کہ اتنا ایثار زبان کی خاطر کیا۔ قدیم کلام کے بڑے حصے کو حذف کر دیا اور ایک انتخاب کیا۔ ادب میں دو اور مثالیں موجود ہیں۔ غالب نے بھی بڑی قربانی دی کہ ایک معقول حصۂ کلام کو حذف کر دیا۔ اقبال نے تو حیرت انگیز نظر ثانی کی۔ اردو کلام کا تقریباً چالیس فیصد حصہ مسترد کر دیا۔ کسی تخلیق کار کی یہ غیر معمولی جرأت ہے۔ حاتم انتخاب کے بعد بھی متواتر اصلاح و ترمیم کرتے رہے۔ اسی لیے سبھی نسخوں میں اختلافِ متن پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ ان کی زندگی میں نسخوں کی کتابت ہوتی رہی۔ وہ برابر حک و اصلاح کرتے رہے۔ کیوں کہ انھیں لسانی ارتقا اور اظہار کی ترقی پذیری کا شعور تھا۔ آخری نسخہ جو لاہور کا ہے اور ان کے شاگرد بالمکند سنگھ فارغ کی کتابت سے تیار ہوا ہے، یہ سب سے مکمل اور معتبر ہے۔ حاتم بار بار مسودّے میں اصلاح کرتے رہے اور کلام کو سنوارتے رہے۔

ان کے کلام پر فنی نقطۂ نظر سے تجزیہ کی اشد ضرورت ہے۔ اس دور میں شعری محاسن کے جو متداول معیار تھے وہ کلام میں بدرجۂ کمال موجود ہیں لیکن ان میں صنائع و بدائع کا بالالتزام ارادہ نہیں ملتا۔ یہ عہد فطری سادگی کا ہے، تصنع و تکلف سے بے نیازی عام تھی۔ حاتم نے آرایش کا نہ اہتمام کیا ہے اور نہ لفظی نگینہ سازی سے حسنِ کلام کو سجانے کی کوشش کی ہے۔ جو محسوسات خیال میں آئے وہ بغیر کسی اہتمام کے زبانِ قلم پر نقل ہوئے۔

فطری سادگی اور لفظوں میں جذبات کے ڈھل جانے سے ان کی شاعری میں پرکاری کے اثرات نمایاں ہیں۔ ہاں یہ بات اہم ہے کہ حاتم کو لفظ و معنی کے ارتباط کا بڑا احساس تھا تاکہ خیال کی ترجمانی میں تشنگی نہ رہ جائے۔ خیال کے اظہار کے لیے موزوں الفاظ کے انتخاب پر ان کی توجہ تھی۔ تاکہ معانی لفظوں میں ڈھل کر اثر آفریں ہو سکے۔ لفظ و معنی کے اختلاط پر مشرقی تخلیق کاروں نیز انتقادی نظر رکھنے والے اصحاب کی توجہ مرتکز رہی ہے۔ حاتم کی شعریات میں بھی جذبات کا موزوں ترین الفاظ میں بغیر کسی ورزش یا اہتمام کے ڈھل جانا ہی فن ہے:

منھ سے جو نکلا سخن گو کے سو موزوں ہو گیا　　ہے عبث حاتم یہ سب مضمون و معنی کا تلاش

مصرعۂ برجستہ و دلچسپ سرتاپا تجھے　　متفق باللفظ والمعنی کہیں ہیں خوش خیال

ان کے خیال میں لفظ و معنی کے ارتباط سے ہی فن کی سحر سازی ممکن ہے۔ حاتم شعر و شاعری کی ماہیت اور مقصود پر گفتگو کرتے ہیں۔ عجزِ بیان سے کام لیتے ہوئے دل داری و دل ربائی کو مقدم جانتے ہیں:

بندۂ دل ہوں نہ شاعر ہوں نہ شاعر پیشہ ہوں

دل جو تمام محسوسات کا منبع و مرکز ہے، اسی کے بطن سے فن بھی جنم لیتا ہے۔ یہ اگر مغموم یا مردہ ہو تو تخلیق کے سرچشمے بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ اس کی سرمستی سے تخلیقی چراغ فروزاں رہتا ہے۔

آمد جانِ سخن ہے کیونکہ اسی پر شعری محاسن کا مدار قائم ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ممکن ہے کہ خود فن کار قلب و نظر کی پاکیزگی کا پیکر ہو۔ نوری و حضوری کی نگہبانی سے اپنی نوا کی پرورش کرتا ہو تو شعر گہر کی صورت ڈھلتے ہیں۔ اسے حاتم نے روشن ضمیری سے تعبیر کیا ہے جو شعری اور فنی صورت گری کے لیے دستور کا درجہ رکھتا ہے:

حاتم قسم ہے ایسی غزل اس زمیں میں فکر
روشن ضمیر جز کوئی شاعر نہ کر سکے

وہ جسے روشن ضمیری سے تعبیر کرتے ہیں، اسے آج کی اصطلاح میں کم و بیش وجدان کہہ سکتے ہیں۔ وجدان کی منزل تک رسائی سے ہی لازوال تخلیقات جنم لیتی ہیں۔ اسے فیضانِ نظر کہیے یا شعری الہام کا نام دیجیے۔ بہر حال مشاہدات سے معمور، رفعتِ خیال کا موزوں ترین لفظوں میں پیوست ہو جانا ہی روحِ کلام ہے جسے خونِ جگر کا بھی نام دیا جاتا ہے۔ یہ خونِ دل میں تحلیل ہو کر شعری صورتیں اختیار کرتا ہے۔ حاتم کی ریاضت بھی قابلِ رشک ہے۔ ان کا کلام ان کی جانکاہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ زبان و بیان کی ناہمواریوں کے باوجود ان کے فن میں جاوداں قدریں بہ کثرت ہیں۔ کثرت ہی نہیں کشش و کرشمہ سازی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ دوسری طرف برجستگی اور بناوٹوں سے بے اعتنائی ان کے فن کو اثر آفریں بنا دیتی ہے۔ ان کے اشعار اشاعت سے محروم رہے

ورنہ بیسوں اشعار ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں:

بجے ہے کوچ کا ہر دم نقارا

—

بخشو خدا کے واسطے آ درگزر کرو

—

موقوف ہے ملاپ سجن کا خدا کے ہاتھ

—

آگے آیا کیا میرا

—

زندگی دردِ سر ہوئی حاتم

—

ہم سے سجن کے دل کوں جنوں نے برا کیا
ان کا کبھو جہاں میں الٰہی بھلا نہ ہو

—

حاتم اب وقت ہے رجالوں کا

—

مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا

—

حق نے جہاں میں نام کو حاتم کیا تو کیا

—

آنکھوں میں آبسو یا مرے دل میں گھر کرو

—

مجھ کوں ہر آن میں خدا بس ہے

دیوان میں ایسے متعدد مصرعے ہیں جو ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں اور خاص و عام میں مقبول ہو کر زبان زد ہو سکتے ہیں حاتم کو اپنے کلام کی مقبولیت اور قدر دانی کا بڑا احساس ہے۔ وہ ابتدائی دور کے ایک جلیل القدر فن کار تھے اور تخلیق کی سربراہی پر فائز تھے۔ اکثر فخر یہ اظہار ملتا ہے جو اپنی ذات اور فن کے اعتراف کے طور پر ہے:

تمام ہند میں دیوان کو ترے حاتم　　رکھے ہے جان سے اپنی عزیز عام اور خاص

—

شرق سے غرب تلک پوچھ لے حاتم سب سے　　کون گھر ہے ترے اشعار کہاں ہیں کہ نہیں

ایک دوسرے شعر میں اس احساس کو زیادہ وسعتوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حاتم ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ انھیں اظہار پر بھرپور عبور حاصل تھا۔ نظم کے علاوہ دوسری غزلیں بھی ہیں جن میں اشعار کی غیر معمولی روانی ہے۔ غزلوں کی طرح ان کی نظمیں بھی کم نہیں ہیں جن سے ان کی قدرتِ بیان، لفظ و معنی کے ارتباط اور شعری آہنگ کی دلکشی کا اندازہ ہوتا ہے۔ لگتا ہے کہ حاتم کو اپنی صناعی اور فن کاری کا احساس تھا جو بے جا بھی نہ تھا۔ حاتم بھی اپنی شہرت اور تخلیقی ثروت پر نازاں تھے۔ دیوان میں کئی اشعار ملتے ہیں۔ مقدمہ میں لکھا ہے کہ:

''چہل سال باشد نقدِ عمر دریں فن صرف نمودہ۔''

اس میں قطعی شک نہیں کہ حاتم نے پوری زندگی فن کی آب یاری میں گزار دی۔ یہی ان کے روز و شب کا مشغلہ تھا اور سامانِ لطفِ زیست بھی۔ وہ نقدِ جاں کو شاعری کے لیے وقف کر چکے تھے اور شاعری ہی ان کے کسبِ کمال کا ذریعہ بھی بنی۔

نسخۂ لاہور کے مطابق انھوں نے ۱۱۲۴ھ میں شاعری شروع کی تھی اور ۱۱۳۱ھ سے قبل ان کی شہرت و مقبولیت اپنے مدار کو پہنچ چکی تھی ایک غزل کے مطلع میں اقرار موجود ہے:

حاتم کا شور تیس برس سے ہے ہند میں
صاحب قراں ہے ریختہ گوئی کے فن کے بیچ

۱۱۸۹ھ کے ایک اور مقطع میں دوسرا اعتراف ملتا ہے:

اب تلک حاتم سے تو واقف نہیں افسوس ہے
شاعری کے فن میں وہ آفاق میں مشہور ہے

یہ تعلّی اور تفاخر ہے مگر اس حد تک سچائی ہے کہ وہ دہلی میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ تذکروں سے بھی شہادت ملتی ہے۔ معاصرین کے بیان بھی ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

ماہ و سال کے حساب سے صرفِ نظر کر کے بھی دیکھیں تو حاتم کی پوری زندگی گیسوئے اردو کو سنوارنے میں ہی گزری۔ یہ معمولی بات نہ تھی۔ جلیل القدر تلامذہ کے تخلیقی شعور کی تربیت طلب گارِ مرد کا تقاضا کرتی ہے۔ حاتم کی بے لوث خدمات سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ رفعتوں کے باوجود ان کا عجزِ بیان بھی قابلِ غور ہے:

کئی دیوان کہہ چکا حاتم
اب تلک پر زباں نہیں ہے درست

یہ غزل ۱۱۴۱ھ کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قابلِ قدر شعری سرمایہ تخلیق کر چکے تھے:

حاتم خموش لطفِ سخن کچھ نہیں رہا　　بکتا عبث پھرے ہے کوئی نکتہ داں نہیں

حاتم کا کلام ان کے جذبہ و مشاہدات کا مرکب ہے۔ خیال کی تازگی و توانائی ان کی شاعری میں موجود ہے اور یہی ان کی تخلیق کا محرک ہے۔ اس دور کی شاعری کا معتبر حصہ زبان دانی، فن کی تربیت، اردو کی ترویج اور فارسی کی سرپرستی سے عبارت ہے۔ اس میں تفریحِ طبع کا عنصر بھی شامل ہے۔ دوسرا قابلِ ذکر حصہ جذبہ و احساس کے سنجیدہ اظہار پر مشتمل ہے جس کی مثالیں حاتم کے کلام میں کثرت سے نظر آتی ہیں۔ عوامی احساس کی بھرپور عکاسی بھی کم نہیں ہے۔ جس میں کہیں کہیں سطحی تصورات بھی در آتے ہیں خاص طور پر غزل گوئی میں محبوب، رقیب، ساقی، شراب کے تعلق سے ہلکے پھلکے سطحی جذبات کا اظہار ناگزیر بن جاتا ہے مگر حاتم کے کلام میں رکاکت، ابتذال، پھکڑّپن یا بازاری پن کا شائبہ نہیں ہوتا۔ عوامی احساس کے ساتھ عوامی تفکر اور پُر مغز خیالات سے حاتم کا کلام خالی نہیں ہے۔ ہماری فکری تاریخ میں چند نکات تھے جن پر اہلِ نظر ہمیشہ متوجہ رہے۔ جیسے خدا، کائنات اور انسان کے باہمی تعلقات پر سنجیدہ فکری کاوشیں ہوتی رہیں۔ ان میں تصورِ الٰہ اور ذات و صفات کے ساتھ وجود و شہود پر فکری سرگرمیاں جاری رہیں۔ حاتم مفکر نہ سہی مگر ان مسائل پر عمومی نظر رکھتے تھے۔ کلام میں مثالیں موجود ہیں:

گلشنِ دہر میں سو رنگ ہیں حاتم اس کے
وہ کہیں گل ہے کہیں بو ہے کہیں بوٹا ہے

دیوانِ ''قدیم'' کی پہلی غزل کا حسبِ ذیل شعر دیکھیے:

جدا نہیں سب ستی تحقیق کر دیکھ
ملا ہے سب ستی اور ہے سب سیں نیارا

خالقِ کائنات کے پُر اسرار رمز کو سمجھنے کے لیے پہلے اپنی ذات کا عرفان لازمی ہے جو خود شناسی کا پہلا قرینہ ہے:

من عرف نفسہ کے رمز کو بوجھ　　آپ کو جاننا تجھے ہے ضرور

دیوان زادہ میں ۱۱۴۴ھ کی ایک مسلسل غزل ہے جو انھیں تصورات کی فکرانگیزی کی مثال ہے۔ اس میں انسانی وجود کی عالمگیر اور اخوت و محبت کی کائناتی بصیرت پر اظہار کیا گیا ہے:

تیرے بندے ہیں سب و لے سب میں　　بندۂ کم ترین حاتم ہے
گھڑی گھڑی میں بدلتا ہے رنگ اے حاتم　　ہمیشہ بوقلموں ہے جہان کی صورت

یہ اشعار حاتم کے فکر و نظر کی وسعتوں اور بے باک بصیرتوں کی انوکھی مثال پیش کرتے ہیں۔ انسانی

احترام وعظمت کا اقرار بلوغتِ فکر کی علامت ہے۔ وجودِ انسانی مظہرِ کبریا کی روشن دلیل ہے۔ عالمگیر انسانی محبت ایک جوہر ہے جو اس کی خاک وخمیر میں اَزل سے ودیعت کیا گیا ہے۔ کائناتِ فطرت کی تخلیق ونمود کا ہر ثانیہ بدلتے رہنا اس بوقلمونی کی دلیل ہے جو ہر آن نئی تخلیق پر ہر ذرۂ کائنات کو آمادہ کرتا رہتا ہے۔ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجودُ کا اقرار تخلیق عالم کا صدق ویقین کے ساتھ اعترافِ حقیقت ہے۔

مفکروں کے درمیان ذات وصفات کا مسئلہ قابلِ توجہ موضوع رہا ہے۔ حاتم نے اپنے طور پر غور وفکر کیا اور مختلف صورتوں میں شعری تلازموں کے ساتھ تجزیہ کیا ہے۔

دیکھ ہر آن بیچ اس کی صفات　　ذات کا آشنا ہوا حاتم

قدیم دیوان میں ایک بڑی پر اثر نظم مخمس کی صورت میں ہے جو ۱۱۴۲ھ کی تخلیق ہے۔ نظم عجیب وغریب ندرتِ فکر رکھتی ہے۔ تمام مظاہر میں اس کی جلوہ نمائیاں آشکار ہیں۔ اس کے روپ اور پیکر کے سلسلے لامتناہی ہیں۔ کہیں وہ خالقِ بے چوں وبے نشاں ہے تو کہیں صاحب مال وزر اور بادشاہِ تختِ لامکاں ہے۔ کہیں فقیر تو کہیں شیخ ومشائخ ہے۔ کہیں وہ مالک ہے تو کہیں خریدار۔ غرض ان کے ان گنت روپ ہیں۔ ہم مبتلائے فریبِ نظر ہیں اور ہماری نگاہ شریکِ بینائی نہیں ہو پاتی:

کہیں[1] ہے درد کہیں ہے دوا کہیں ہے حکیم　　کہیں ہے قصد کہیں قاصد و کہیں ہے مقیم
کہیں قہار و کہیں جابر و کہیں ہے رحیم　　کہیں ہے صلح و کہیں جنگ اور کہیں ہے غنیم
کہیں زمین ہوا کہیں وہ آسمان ہوا

کہیں وو سیم کہیں زر کہیں ہوا ہے محک　　کہیں ہوا ہے وو ناداں کہیں ہوا زیرک
کہیں وو قند کہیں مصری و کہیں ہے نمک　　کہیں ہے عرش کہیں قدسی و کہیں ہے فلک
کہیں زمین ہوا کہیں وو آسمان ہوا

ایک انتہائی اثر آفریں اور طویل نظم میں ثنائے ربِ کائنات کا موثر بیان اور اپنی بندگی کا اقرار ہے۔ یہ نظم قدیم دیوان کے علاوہ کہیں اور دستیاب نہیں ہے۔ یہ مسدس قدیم دیوان میں موجود ہے:

بادشاہِ جہاں خدا کوں جان　　جس نے پیدا کیا زمین و زمان
اس کی قدرت کو دیکھ کر پہچان　　کہ وہی ہے تری پناہ و امان
اس ستی یا رہو خدا کی قسم[2]　　سب سوں بے زار ہو خدا کی قسم

---

[1] دیوانِ قدیم، ۲۴۳　　[2] دیوانِ حاتم، ۲۵۲

حیرت ہوتی ہے کہ اتنی خوب صورت اور رواں نظم کو حاتم نے 'دیوان زادہ' میں کیوں نظر انداز کر دیا۔ ۲۹ بندوں یا ستاسی اشعار پر مشتمل نظم خاصی طویل ہے۔ اس میں گیارہ بند صرف حمدِ باری کے لیے وقف ہیں۔ نعت شہِ کونینؐ کا بند ملاحظہ ہو:

سرورِ اولیا محمدؐ ہے مقصدِ انبیا محمدؐ ہے
رہ بر و رہ نما محمدؐ ہے شاہِ روزِ جزا محمدؐ ہے
اس پہ ہوں گا فدا خدا کی قسم[1]
دل سے ہوں مبتلا خدا کی قسم
حاتم کو نہیں دغدغۂ روزِ قیامت بخشندہ خدا ہے تو شفاعت کو نبیؐ ہے

حاتم موحد تھے۔ پیغمبر اعظم و آخرؐ کی ذات گرامی سے انھیں قلبی تعلق تھا۔ ذکرِ الٰہی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ انھیں ان نسبتوں پر ناز تھا۔ کلام میں ایمان و یقین کے ان تصورات کی بڑی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ تذکیۂ نفس کے اذکار میں یہی پیشِ نظر تھا۔ وہ ائمہ اطہار اور بزرگانِ کبار سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ وہ فکری اور عملی سطح پر ایک موحد کیش کی حیثیت سے اس ذات بزرگ و برتر کو لاشریک مانتے تھے۔ ایک غزل کا شعر دیکھیے:

کام میں حق کے کسو بندے کو مت بتلا شریک
ایک ہے یکتا ہے واحد ہے احد ہے لاشریک

یہ ان کا جزوِ ایمان تھا جس پر وہ سختی سے کاربند بھی تھے۔ تبلیغ و تربیت میں اس کی ہمیشہ تلقین کرتے رہے۔ ذکر و فکر اور تخلیق و ترغیب کا مرکزی محور یہی تصورِ اللہ ہے۔ ان کی ایک انتہائی معروف اور خیال افروز نظم ''بزمِ عشرت'' جو مثنوی بہاریہ کے نام سے بھی موسوم ہے۔ حمد میں حاتم نے عجز و عقیدت کے گہر ہائے شاہ وار پیش کیے ہیں:

نشہ اپنی محبت کا عطا کر اور آنکھوں سے نظارہ آشنا کر
نہ آوے غیر تجھ بن کچھ نظر میں در و دیوار میں کیا برگ و بر میں
مرے آئینہ دل کو جلاوے دوئی کے دل سے تو پردے اٹھاوے
دکھاوے نور اپنا آشکارا کہ آنکھیں کھول کر ماروں نظارا
ہمارے حال پر ساقی نظر کر دوئی کا سر سے آ سودا بدر کر

---

[1] دیوانِ حاتم، ۲۵۴

حاتم مذہبی قدروں پر عملاً کاربند تھے۔ وہ موحد ہونے کے علاوہ صلحِ کل کے حمایتی تھے۔ اولادِ آدم کے ساتھ دوستی اور خیر سگالی کو اعلیٰ قدروں میں شمار کرتے تھے۔ وہ اپنے کلام میں جابجا گہری فکری بصیرت کے ساتھ انسانوں کو مخاطب کرتے ہیں اور مذہب وملت کے فرق کے باوجود ایک عالمگیر انسانی تصور کے رشتے کو عزیز سمجھتے تھے۔ اس وقت کا معاشرہ ایک مخلوط آداب زندگی کا حامل تھا۔ کہیں کہیں لباس میں قدرے فرق تھا ورنہ ایک وضع قطع، بود و باش، رسم ورواج بہت ہی ہم رنگ وہم آمیز تھے۔ خاص طور پر جس معاشرہ میں حاتم جی رہے تھے وہ حددرجہ مخلوط تھا۔ اتحاد واتفاق کا اذنِ عام تھا ''رسومِ دہلی'' یا ''مرقع دہلی'' کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں بڑی یکسانیت تھی۔ ہاں خدا ترسی، اخلاقی عظمت، امرونہی کی پاس داری کو بہ نظرِ احترام دیکھا جاتا تھا۔ سبھی ایک دوسرے کے شادی وغم میں شریک تھے۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں جو انتہائی فکر انگیز اور خیال افروز ہیں۔ یہ صرف معاشرتی تقاضا یا مذہبی رواداری کا اظہار نہیں ہے بلکہ فکر ونظر کی عظمتوں سے ہم کنار ہے جو عالمگیر انسانی تصورات کا حامل ہے۔ پوری غزل مسلسل ہے اور تصورِ الٰہ کی تفہیم میں بنیادی نقطہ فراہم کرتی ہے۔ غزل کے سبھی اشعار اس ذاتِ واحد کی یکتائی کی مثال پیش کرتے ہیں۔ اس غزل کا آہنگ اور نغمگی بڑی دلکشی رکھتا ہے محسوس ہوتا ہے کہ حاتم نے خاص کیفیت میں یہ غزل کہی ہے:

کہیں لفظ و کہیں معنی کہیں حرف   کہیں پوتھی کہیں قراں ہوا ہے
کہیں مسجد کہیں بت خانہ ہے وہ   کہیں کفر و کہیں ایماں ہوا ہے
کہیں گل ہے، کہیں بلبل، کہیں باغ   کہیں درد و کہیں درماں ہوا ہے
کہیں نور، و کہیں ایمن، کہیں طور   کہیں موسیٰ، کہیں عمراں ہوا ہے

کعبہ و دیر میں حاتم بخدا غیرِ خدا
کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا

گویا یہ کثرت آرائی اس ایک ذات کی تخلیقی صفات کے مظاہر ہیں جن میں وحدت ایک مرکزِ نور ہے اور تمام عالم اسی کے انوار سے روشن ہیں۔ پوری کائنات اسی وحدت کی بندگی میں سر بہ سجود ہے۔ اختلاف کا کیوں کر محل ہوسکتا ہے۔ حاتم کی یہ نکتہ سنجی ان کی فکری سربلندی اور انسان دوستی کے پیغام سے معمور ہے۔ وہ بنی نوع انسان کے دردوغم پر رنجیدہ تھے اور مقدور بھر اُسے مٹانے کی کوشش کرتے رہے:

حاتم کو اس زمیں کے جہاں میں جہاں ہے درد   قرباں کرو، نثار کرو جا کے دوستاں

دردِ دل کیا کہوں کسی سے کہ یار درد کی بات کم سمجھتے ہیں

نہ یاروں میں رہی یاری نہ بھائیوں میں وفاداری محبت اٹھ گئی ساری عجب یہ دور آیا ہے

اس زمانے میں ہمارا دل نہ ہو کیوں کر اداس دیکھ کر احوالِ عالم اڑتے جاتے ہیں حواس

حاتم درویش تھے اور دردمند دل رکھتے تھے۔ وہ تمام انسانوں کے لیے وقف تھے ان میں تفریق وتنگیٔ داماں کی قطعی گنجائش نہ تھی۔ اسی لیے ان کی شاعری کا ایک عمومی منظرنامہ ہے جس میں ہر رنگ اور ہر کیفیت موجود ہے۔ اکثر وبیشتر تخاطب میں عمومیت عام ہے:

مسافر اٹھ تجھے چلنا ہے منزل

وگرنہ حضرتِ انسان سے کیا ہو نہیں سکتا

عام انسانوں سے خطاب حاتم کی خاص پہچان ہے جس میں امتیاز مذہب وملت کے قیود ہیں اور نہ حدود۔ بلکہ عظمتِ آدم سے ہم کلامی کا لہجہ کلام میں بڑی معنویت پیدا کرتا ہے۔ ارتباطِ رنگ ونسل اور عظمتِ آدم کے احترام سے ان کی شاعری سرشار نظر آتی ہے۔ یہ میل ملاپ ہندوستانی سماج کی داخلی اور بیرونی مظاہر سے عبارت ہے کیونکہ سرحد وثغور کے یہ ان گنت روپ کہیں اور نظر نہیں آتے۔ اتنے عقائد، رنگ، نسل، زبان، رہن سہن میں ایک مشترک صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ انگریزوں کی آمد آمد ہے مغربی تہذیب کے خدوخال کی دھندلی تصویر بن چکی تھی اور وہ آہستہ خرامی کے ساتھ ہندوستانی ثقافت پر مسلط ہونے کا تصفیہ کر چکی تھی۔ ہندوستان کے گن گان کرنا بھی اسی جذبے کے تحت ہے۔

دہلی کو ہندوستان کا دل کہا جاتا ہے۔ یہ حاتم کے خوابوں کی نگری بھی ہے:

خدا کے واسطے پیالا پلا جا تماشا ہند کا مجھ کو دکھا جا

سوادِ ہند کا جس کو مزا ہے وہ لذت سے جہاں کی آشنا ہے

وہ بے شک وقت کا شاہِ جہاں ہے جو کوئی متوطنِ ہندوستاں ہے

ان فکری اور تصوراتی تہ داریوں سے صرفِ نظر کر کے دیکھا جائے تو حاتم شعری اعتبار سے فن کے معراج پر فائز ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ انھوں نے طرحی زمینوں میں کثرت سے طبع آزمائی کی۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ ان کا

پسندیدہ تخلیقی رویہ تھا۔ بیشتر شعرا کی طرحی زمین دستیاب ہے لیکن اس سے حاتم کی تخلیقی شخصیت کو بڑا نقصان بھی ہوا۔ مقیم آستانِ غیر ہونا اچھی بات نہیں ہوتی۔ اپنی خلاقی کو ضرب لگتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعر گوئی کی طرف بہت سنجیدہ نہ تھے۔ بلکہ دوسروں کی تحریک یا فرمائش پر غزل کہتے رہے۔ اس سے ایک اور نتیجہ بھی برامد ہوتا ہے کہ طرحی زمین میں شعر کہنا طرحی مشاعروں کے طفیل بھی ہوتا تھا۔ اس دور میں مشاعرے عام تھے۔ مصحفی نے تذکرے میں اس کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس کا ایک اور پہلو بھی ہے کہ ایک بڑی آزمائش کے مطالبے کو قبول کرنا اور بہتر سے بہتر تخلیق کے لیے خونِ جگر صرف کرنا ایک چیلنج بھی ہوا کرتا تھا۔ ان طرحی نشستوں یا شعر گوئی سے دامنِ تخلیق کو جو وسعت وشہرت ملی اس کا شمار آسان نہیں ہے۔

جب دوسرے کی زمین ہو یا طرح ہو تو تخیل لاشعوری طور پر اسی دائرے میں سرگرداں رہتا ہے اور اپنی تخلیقی ارتفاعیت کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ یہ ہماری غزلیہ شاعری کا بھی نقص بن کر ابھرا۔ ردیف وقافیوں کی پابندیوں نے تخیلات کی دنیا کو وسعتوں کی بے کرانی سے باز رکھا اور تنگ نائی نے توسیع سے آشنا نہ ہونے دیا۔ گو ہر دور کے شعرا نے تنگیٔ داماں کی شکایت بھی کی مگر حصار سے نکلنا آسان نہ ہو سکا۔ وقتاً فوقتاً اس کے خلاف آواز بھی اٹھتی رہی۔ مگر بے سود ہی رہی۔ حاتم کو زمین طرح سے ایک والہانہ وابستگی ہے۔ اس کے فائدے بھی سامنے ہیں لیکن اس سے ان کی تخلیقی رفعتوں کو خاص نقصان بھی پہنچا۔

زبان وبیان کا یہ عبوری دور تھا۔ ابھی اعلیٰ تخلیقات سے آشنائی نہ تھی۔ جذبہ واحساس کا سیدھے سادے لفظوں میں براہ راست اظہار ہو رہا تھا۔ تصنع اور تکلفات سے فن کار بے نیاز تھے اور مرصع سازی کے عمل سے بے گانہ بھی تھے۔ ابھی زبان وبیان کی تشکیل پر توجہ تھی۔ تخلیق کی عظمتوں اور فن کی رفعتوں پر نظر نہ تھی۔ مگر فن اپنے ارتقائی اسالیب کی طرف جوئے رواں کی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔ فارسی کے استفادے سے زبان کا ہیولیٰ یا ہیئت تیار ہو چکی تھی۔ اب اظہار واسالیب کے طور طریقوں پر سنجیدہ توجہ کارفرما تھی۔ فارسی رہنمائی کر رہی تھی۔ حاتم کے یہاں فارسی مصرعوں کا استعمال موجود ہے اور بڑی خوب صورتی سے اسے اشعار میں ضم بھی کیا گیا ہے، کہیں تضمین کی صورت میں کہیں مقبولیت کی خاطر جزوِ فن بنا دیا گیا ہے۔

عظیم مفکر شاعر محمد اقبال نے اپنی سب سے اچھی تخلیق کے سرنامے کے لیے جس خیال کا انتخاب کیا وہ بھرتری ہری سے مستعار ہے۔ جزوی طور پر ہی سہی۔ شاہ حاتم نے کئی سو سال پہلے یہی بات بغیر کسی حوالے کے پیش کی تھی:

سخن یہ لائقِ ناداں نہیں ہے

حاتم کے لسانی شعور پر تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے۔ حاتم کو زبان کی گوناگوں حیثیات کا جو احساس تھا وہ شاید ہی ان کے کسی معاصر کو ہو۔ ان کے ابتدائی اور دورِ آخر کے کلام میں اصلاح و ترمیم کے فکری نتائج کو سامنے رکھیں تو ان کی لسانی نظر اور بصیرت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ یہی بصیرت ان کی تخلیقات میں بھی بتدریج نکھرتی اور سنورتی گئی جس نے ان کے کلام کو عصری حسیت کے ساتھ ساتھ آنے والے دور کی آگہی بھی بخشی۔

انھوں نے بیشتر اصناف میں طبع آزمائی کی اور اضافے کیے۔ غزل کے علاوہ مثنوی، مستزاد، مخمس، مسدس، مثمن، قطعات، رباعیات، ترجیع بند، شہر آشوب وغیرہ، مگر ان میں غزل کے بعد سب سے زیادہ پسندیدہ اسلوب مخمس ہے، جن کی تعداد اور کیفیت بھی بڑی دلکش ہے۔ شہر آشوب کے لیے انھوں نے یہی صنف اپنایا اور اوجِ کمال تک پہنچایا۔ ان کے شعری اصناف کا مطالعہ بھی بہت دلچسپ ہے جس میں بڑی وسعت ہے۔ ان اصناف کے انتخاب میں اسلاف کی بھرپور پیروی کی گئی ہے۔ شیخ سعدی کی پیروی میں اردو کو توشیح سے روشناس کیا۔ گویا معمہ سازی کا عمل اپنا کر ندرتِ ذہن کی مثال پیش کی۔

مثنوی اور نظموں کو پڑھ کر اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ حاتم کو زبان کے ساتھ بیان پر بھی قدرت حاصل ہے۔ وہ لاریب ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ زمینِ طرح کے انتخاب سے بھی اس کا یقین ہوتا ہے۔ مثنوی ''بزمِ عشرت'' کو پڑھنے کے بعد ان کی قوتِ گویائی اور مسلسل بیان کی ہمہ گیر صورتیں ہمارے سامنے آتی ہے۔ نظم میں بلا کی روانی ہے کہیں ٹھہراؤ نہیں۔ نظم بیانیہ ضرور ہے مگر بیان کے تار ایسے مسلسل اور مربوط ہیں جو ان کی فنی صناعی کے مظہر ہیں، یہ گویا مسلسل موتی کی لڑی ہے۔ وہ جوانی میں پیر بنے یا نہیں مگر سخن بے نظیر کہنے کے لائق تھے۔ اگر متوجہ ہوتے تو طویل تر مثنویاں تخلیق کر سکتے تھے۔ بیان میں صحرائی چشمے کا بہاؤ ہے اور آبشاروں کا شور جو حرف و صوت کے نغمہ و آہنگ کا مرکب بن گیا ہے۔ یہ ایک سیل بے اماں کی طرح رواں دواں ہے۔ 'مرقعِ دہلی' کی تحریریں اگر ذہن میں ہوں تو دہلی کی رنگیں زندگی کا تصور آسان ہوگا۔ خاص طور پر میلے ٹھیلے اور تیوہاروں کی رونق اور اہتمام کا دل فریب ہنگامہ[1]۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''دیوانِ حاتم کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حاتم اس دور کے قابلِ ذکر شاعر ضرور ہیں... اس دور میں حاتم کی اصل اہمیت ان کی نظموں سے قائم ہوتی ہے جن کا دائرہ غزل سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔'' [2]

---

[1] مرقع دہلی، ۲۲

[2] تاریخِ ادبِ اردو، جلد دوم، ۴۲۹

یہ بیان سچ نہیں ہے۔ دوسرے دور کی نظمیں سب سے زیادہ اثر آفریں اور شعری آہنگ سے بھرپور ہیں۔ ہولی کے ذکر میں کنواریوں کی کیفیات کا منظر دیکھیے۔ اس طرح 'کوئی' سے شروع ہونے والے اٹھارہ اشعار مسلسل نظم کیے گئے ہیں۔ ایسے ہی باغ کے بیان میں بارہ اشعار 'ادھر' کے اشاروں سے شروع ہوتے ہیں:

ادھر نرگس کھڑی دیدے دکھاوے　　ادھر نرگس نین انکھیاں لڑاوے
ادھر ظالم بناویں اپنے کاکل　　ادھر بل پیچ کھاوے دل میں سنبل
ادھر بلبل کہے اپنی کہانی　　ادھر ہے داستانِ عاشقانی
ادھر بلبل کرے ہے آہ و نالا　　ادھر عشاق پیتے ہیں پیالا
ادھر لالہ کا گل پیالہ بنا دے　　ادھر مجھ کو پیا پیالا پلاوے

اس طرح کے تکرار سے توضیحاتی یا تشریحاتی اسلوب پیدا ہوتا ہے جسے صراحتی یا تفصیلاتی بھی کہہ سکتے ہیں۔ ان کو شرح و تفصیل کے بیان میں لطف آتا ہے حالانکہ یہ منظر کشی یا محاکات کے لیے تو موزوں ہے مگر حیرت ہے کہ ان کی غزلوں میں بھی یہ بیانیہ تشریحات کثرت سے موجود ہیں۔ اگر کہا جائے کہ حاتم غزل مسلسل کے موجد ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ انھیں اس سے خاص رغبت ہے۔ دیوان میں درجنوں غزلیں ہیں جو سلسلۂ خیال کے اظہار پر مشتمل ہیں اور بہ سہولت ان غزلوں کے اشعار کو مربوط کیا جا سکتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیان کا تسلسل ان کے نزدیک ایک فن ہے۔ ایک غزل کو ملاحظہ فرمائیں جس کا مقطع ہے:

کہیں وہ صورتِ خوباں ہوا ہے
کہیں وہ عاشقِ حیراں ہوا ہے

نو اشعار کی غزل ہے اور ہر شعر لفظ کہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اسے نظم نما غزل بھی کہہ سکتے ہیں۔ اگر غزل کا عنوان بھی مقرر کرنا چاہیں تو کوئی دقت نہ ہوگی۔ اسے حمد بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ''کثرت میں وحدت'' بھی نام دے سکتے ہیں۔ دوسری غزل دیکھیے:

جن نے آدم کے تئیں جاں بخشا　　خضر کو چشمۂ حیواں بخشا
پیر کنعاں کو دیا دردِ فراق　　یوسفِ مصر کو زنداں بخشا
زیورِ حسن کیا چشم حیا　　عشق کو دیدۂ حیراں بخشا
رنگ و گل کو دیا گلشن میں　　سیر بلبل کو گلستاں بخشا

یہاں بھی نو اشعار کی غزل میں یہ امتزاج بستگی اور پیوستگی سے مربوط ہیں۔ ایک اور غزل ملاحظہ ہو:

غنچے کہیں ہیں سر کو نوا کر چمن کے بیچ
یعنی نہیں ہے جائے سخن اس دہن کے بیچ

اس غزل میں بھی نو اشعار ہیں جو سلسلۂ زنجیر کی طرح مربوط اور مسلسل ہیں۔ اسی طرح چودہ اشعار پر مشتمل غزل بھی مسلسل ہے جس کا مطلع ہے:

ایک دن گزرا میں گورستاں میں — دیکھ کر مردوں کو آیا دھیان میں
یہ وہی ہیں کہ جن کے واسطے — حق نے سب پیدا کیا اک آن میں
کیا کیا اس میں مٹ گئی ہیں صورتیں — کیا کیا اس میں ہیں بھرے ارمان میں

چودہ اشعار کی غزل میں مطلع سے مقطع تک ایک خیال رواں دواں ہے اس کے اظہار کے لیے تخلیق کی بیانیہ قوتوں کا سہارا لے کر موضوع کو تشریحی انداز دے دیا گیا ہے۔ یہ بھی نظم کی صورت رکھتی ہے۔ اس کا بھی عنوان قرار دیا جا سکتا ہے۔ ''فنا'' یا ''حقیقت زندگی'' یا ''انسان''۔

حاتم نے اس غزل میں مکالماتی صورت گری بھی کی ہے۔ فنا یا موت کے منظر سے دل ملول تھا اور بزمِ ہستی کے وجود کے انجام سے افسردہ کہ یکا یک ایک مردِ پیر نے غیب سے آواز دی کہ ملولِ خاطر مت ہو رحمتِ حق پر امید رکھ۔ آخری صحفِ سماوی کی بشارت پر نظر رکھنے کے تاکید کی گئی ہے:

نویں شعر میں قصیدے کے گریز کی طرح اس تسلسل میں ایک موڑ آتا ہے:

تھا اسی غم میں کہ ناگہ پیرِ غیب — کہہ گیا آہستہ میرے کان میں
تلخ مت کر زندگی اس فکر بیچ — مت خلل لا اپنے تو اس ارمان میں
سنتے ہی دل کو تسلی ہوگئی — پھر کے آئی جان میری جان میں

بہ ظاہر یہ غزل ہے جو بہ صورتِ نظم ہے یہ ارتقائے خیال رکھتی ہے۔ ایک نفس موضوع ہے جو جوش و خروش کے ساتھ جاری ہے۔ یہ مثنوی بھی ہے، کہانی یا واقعہ کا بیان ہے اور مربوط و مسلسل ہے۔

گویا غزل میں نظم کی شان مثنوی کی داستان سرائی اور قصیدے کا آن بان موجود ہے۔ تخلیقی جہات کی اس حقیقت سے حاتم بہ خوبی واقف تھے۔ ایسا بھی نہیں کہ یہ اکیلی مثال ہو۔ فن میں اس طرح کی مثالوں سے اکثر سابقہ پڑتا ہے۔

شاہ حاتم اساسی طور پر غزل کے شاعر ہیں مگر قوتِ گفتار کا ایک سیل بے اماں بھی ان کی تخلیقی شان ہے۔ ذکر ہو چکا ہے کہ بیانیہ کے لیے انھیں خداداد صلاحیت ملی تھی ان کی بیسوں غزلیں تسلسل کے ذیل میں آتی ہیں۔

بے تکان اشعار ڈھلتے جاتے ہیں اور ایسی رواں کیفیات بھی دوسرے شعرا کے ہاں شاذ ہیں۔ کئی غزلیں طویل سے طویل تر ہیں۔ ۱۹ اشعار کی غزلوں کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ ۱۹ اشعار کی ایک اور غزل زمینِ سودا میں ہے۔ یہ غزل نفسِ موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے بڑی ندرت رکھتی ہے۔ یہ غزل نہیں مختصر ترین مثنوی ہے جو میر حسن کی مشہور مثنوی سحر البیان کی یاد تازہ کرتی ہے۔ دونوں قصوں میں بڑا التباس ہے۔ یہ ۱۱۶۷ھ کی تخلیق ہے:

روتے سے میرے دل کو مکدر نہ کر کہیں — شبنم سے جان گل کو ہوا ہے ضرر کہیں
افسانہ اپنے دل کی مصیبت کا دوستاں — کہتا ہوں تم سے اب جو سنو کان دھر کہیں
اس طفلِ دل کی دل سے کرے تھا میں پرورش — کہتا رہے تھا روز کہ نورِ بصر کہیں
اس شہر میں سنا ہے کہ پھرتے ہیں دن کو چور — دیکھے ہیں جس کسو کے جو دل کو جدھر کہیں
دن رات پاسبان کی طرح جاگتا رہا — سوتا کئی برس سے نہ تھا رات بھر کہیں
رہتا تھا اس خلل میں کہ میری طرف ہوا — ناگاہ آسماں سے قضا کا گزر کہیں
جن کو کہے تھا چور سو دل کی تلاش میں — ان میں ایک آ گیا دلبر اِدھر کہیں
دل کو مری بغل سے لیا اس طرح نکال — لیتے ہیں جس طرح سے صدف سے گہر کہیں
روتا و سر پٹکتا پھرا ڈھونڈھتا اسے — ایسا پھرا نہ ہوگا کوئی در بدر کہیں
حاتم گیا ہوا نہیں آتا ہے ہاتھ دل — باز تو اس تلاش سے آ صبر کر کہیں

کتنا رومانی خیال ہے اور کس قدر دلاویز ہے کہ شہزادۂ دل کی نورِ نظر کی طرح دیکھ بھال کی مگر اچانک ایک پری پیکر و ناز آفریں اسے چرا لے گئی۔ ایسے گھر پر چھپا رکھا کہ لختِ جگر کا پھر نشان تک نہ ملا۔ اب حاتم کا نہ کوئی چارہ گر ہے اور نہ دادگر جو فریاد سن سکے۔

حاتم کا شعر ہے:

سخن حاتم کا مانندِ گہر ہے
ہر اک مصرع گویا موتی کی لڑ ہے

میر حسن نے سحر البیان کے بارے میں لکھا ہے جو حاتم کے شعر کی بازگشت ہے:

نہیں مثنوی ہے یہ اک پھلجڑی
مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی

حیرت ہے کہ حاتم نے کم و بیش یہی کہا ہے اور انھیں الفاظ کے ساتھ سخن حاتم کا مانند گہر ہے۔ ہر ایک

مصرع گویا موتی کی لڑی ہے۔ ایسے ہی میر کی مشہور غزل ہے۔ کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا۔ حاتم نے پہلے ہی اس خیال کو رقم کیا تھا:

ایک دن حاتم میں جاتا تھا بیاباں کی طرف ناگہاں اک گور اوپر جا پڑا میرا قدم
خاک سے اس کی مرے آواز آئی کان میں وہ غرض یہ بیت پڑھتا تھا بصد سوز و الم
''از فریبِ باغباں غافل مشو اے عندلیب پیش ازیں من ہم دریں باغ آشیانے داشتم''

یہ صائب کی تضمین ہے اور میر کے قطعہ بند اشعار سے کتنا قریب ہے۔ یہ ۱۱۶۹ھ کی تخلیق ہے۔

ایک اور غزل ہے جس کا مقطع ہے:

دیکھنے سے ترے جی پاتا ہوں آنکھ کے پھیرتے مر جاتا ہوں

یا دوسری غزل جو طویل ہے اور سترہ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ بھی بہت حد تک مسلسل ہے۔ حاتم عام طور پر مختصر غزلیں لکھتے ہیں لیکن کلام میں کئی طویل غزلیں بھی ملتی ہیں جو ان کے بیانیہ پر دلالت کرتی ہیں۔ اس طویل غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پیری میں آج یار مرے ہم کنار ہے ساقی بیا بیا کہ خزاں میں بہار ہے
اے فصلِ گل پرے ہو نہیں اب ہمیں دماغ آنکھوں میں آج ہر رگِ گل خار ہے
حاتم چلی بہار و ترے دل میں اب تلک نے حسرتِ جنوں نہ تمنائے یار ہے

اس بیانیہ صورتِ حال کے تذکرے میں اس امر پر بھی توجہ رہنی چاہیے کہ حاتم جس معاشرے کی پیداوار ہیں وہ زوال آمادہ تھا۔ چل چلاؤ کا مزاج عام تھا۔ جذبات میں شدت تھی تو محسوسات کی دنیا بھی نا آسودہ تھی۔ اس اظہار کے ساتھ خارج کے اشیا و احوال بھی شاعری میں بخوبی داخل تھے جسے ہم خارجیت سے تعبیر کرتے ہیں گویا داخلی کوائف کے ساتھ خارجی عناصر و آثار متوازی تھے۔ دونوں رنگ اس دور کی شاعری میں نمایاں ہیں۔ حاتم کا رنگِ سخن بھی انھیں دوہری کیفیات کا حامل ہے۔ عشق کی کسک یا خلش ہے تو محبوب کا ناز و غمزہ یا سراپا بھی سامانِ قیامت سے کم نہیں ہے۔

مسکراتا، گالیاں دیتا، اکڑتا مست ناز ایسے عالم سے تو آتا ہے کہ عالم دنگ ہے

بسنتی یک تھی، گلنار پھینٹہ، شال عباسی نہ چاہے کون موزوں طبع اس مضمونِ رنگیں کو

بہ قول پروفیسر محمد حسن:

''یہ دور تضاد سے خالی نہیں تھا ایک طرف سیاسی انتشار اور اقتصادی بدحالی کے بادل منڈلا رہے

تھے دوسری طرف بادلوں کے سائے میں عیش ونشاط کی پرچھائیوں کا پیچھا کیا جارہا تھا۔‘‘ [۱]

عارض وچشم وزلف وخط تیرا ہی چارباغ ہے　　　گل کی طرف جوروکریں کب یہ دل ودماغ ہے

جفا، جور و ستم، خشم و تغافل　　　میاں جو چاہیے سو تجھ میں سب ہے

رگ اپنا، پوست اپنا، گوشت اپنا، استخواں اپنا
دل اپنا، دامن اپنا، دیدہ و اشکِ رواں اپنا
دم اپنا ہوش اپنا، جسم اپنا بلکہ جاں اپنا

ایک ہی غزل میں یہ صورت گری ہے۔ لفظوں کے جماؤ اور استعمال پر حاتم کی نظر رہتی ہے۔ یہ ان کا خاص اسلوب ہے جو شاید انھیں زیادہ محبوب تھا۔ گرچہ شعری اکتسابات میں اسے زیادہ اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اس دور کا چلن تھا اور شاید اظہار کی مجبوری بھی تھی۔ عوام بھی چلتی پھرتی تصویروں سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ دوست کا سراپا بھی ساکت نہ تھا بلکہ عشوہ طرازیوں کے لیے متحرک ہونا ضروری تھا۔ حاتم نے محبوب کے سراپا کی بڑی کامیاب تصویریں پیش کی ہیں۔

بڑے شاعروں کی طرح حاتم بھی ہمہ رنگ اور ہمہ جہت کی صناعی کا شعور رکھتے تھے۔ احساس پر انھیں ناز بھی تھا۔ وہ اکثر و بیشتر باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہر فن میں وہ طاق ہیں اور انھیں سب کچھ دیکھنے اور دکھانے کا ہنر آتا ہے۔

مذکورہ بالا اشعار میں سراپائے دوست کے بیان میں ایک اچھوتی شعری صناعی کا اظہار بھی ہے۔ حاتم زبان و بیان پر بھرپور قدرت رکھتے تھے۔ انھیں لسانی شعور کا ایک غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ انھیں ذخیرۂ الفاظ پر بڑی دست رس تھی۔ ان کے کلام میں مناسباتِ لفظی کا خوش گوار ہجوم ہے۔ موضوع سے متعلق اشیا کا ذکر ان کی شعریات یا فنی اسلوب کا خاص پہلو ہے۔ بہت کم غزلیں اس ہنرمندی سے خالی ہیں۔ متعلق الفاظ کا استعمال خاصی مہارت چاہتا ہے۔ چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

غرور ونخوت و پندار و کبر اے حاتم　　　جفا و ظلم و ستم جور آج حاتم پر
مطرب ہو عندلیب ہو ساقی ہو ابر ہو　　　آہ و نالہ و شور و فغاں
خط سیہ، خال سیہ، زلف سیہ، چشم سیاہ　　　سحر ہے ٹوٹکا ہے ٹونا ہے
تری سج کے اکڑ کی چال کے اور زلف کے بل کے

---

[۱] دہلی میں اردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر، ۱۱۴

اس طرح کے مناسبات کی کثرت سے کلامِ حاتم بھرا پڑا ہے۔

اس تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حاتم کے کلام میں فن کی بیشتر خوبیاں موجود ہیں جو فطری سادگی کے حسن سے آراستہ اور تکلّفات سے عاری ہیں۔ خود حاتم کو احساس ہے کہ فن پر انھیں دسترس حاصل ہے اور وہ تخلیقی صناعی کے رمز شناس ہے۔ انھیں سب کچھ آتا ہے اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے فن میں بالیدگی اور برنائی بدرجۂ کمال شعری لطافتوں کے ساتھ موجود ہے:

سب طرح کا مذاق ہے میرے سخن کے بیچ　　کہتا ہوں سب سے ہے کوئی منصف سو دیکھ لے
سب بحر ہیں گے اس میں ایسا ہے یہ سفینہ　　حاتم کا آج دیواں دریا سے کم نہیں ہے

زبان کے ابتدائی اور عبوری دور کو دیکھیں تو اعتراف کرنا پڑے گا کہ زبان و بیان کی بعض کوتاہیوں یا کمزوریوں کے باوجود ان کے کلام میں ہر رنگِ سخن کی جلوہ نمائی ہے۔ صناع بدائع کی بہتات بھی ہے اور بہتر صورت گری بھی۔ ایہام ہے تو تشبیہ و استعارہ بھی ملتا ہے۔ لفظی و معنوی خوبیاں عام ہیں۔ محاکات و مصوری کے بہت اچھے نمونے بھی دستیاب ہیں متحرک تصویروں کا اجتماع بھی کلام کو دلاویز بنا دیتا ہے۔ حاتم خود فعال اور تحرک وتعمل کا نظریہ رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری بھی فعالیت کے اثرات رکھتی ہے۔ جمود اور سکوت کے منظر حاتم کو پسند نہیں ہیں۔ اس کے برخلاف تحریک وتوانائی انھیں بہت عزیز ہیں۔ ایسے معاشرت میں ان آوازوں یا نقطہ ہائے نظر کی بڑی قیمت ہوتی ہے وہ خود کو امیدوں اور آرزوؤں کا حامل سمجھتے ہیں۔ لاتقنطوا پر ان کا ایمان ہے۔ اس فکری سرچشمے سے پیدا ہونے والے تصورات جاں بخش و جاں فزا ہوتے ہیں اور جینے کا ہنر سکھاتے ہیں۔

یہ ان کی رجائی فکر کا بہت ہی معنی خیز پہلو ہے۔ محرومیوں اور ناکامیوں سے دوچار معاشرے میں اس فکر کی معنویت بڑھ جاتی ہے۔ غالب و اقبال کو نظر انداز کر دیں تو شعری کائنات میں طلوعِ صبح کی تمام شعائیں تاریکیاں ہی پھیلاتی ہیں۔ امید و آس کی کرنوں کی درخشانی ماند پڑ گئی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں حاتم کی یہ فکری توانائی حوصلہ بخش اور جاں فزا نسخۂ کیمیا سے کم نہیں ہے۔ شاید اسی سبب وہ دوستی یا رہِ عاشقی میں بھی مایوسیوں کے شکار نہیں بلکہ لطفِ زندگی، وصالِ یار اور شادکام ہونے کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ ہجر و فراق کے مضامین بھی ہیں مگر غالب حصہ دوست کی دل داری اور نظرِ التفات کا ہے جس سے حاتم بامراد اور شادمان ہوتے ہیں:

حاتم کے کام سب ہوئے انجام شکرِ حق
تجھ زلف کی اس شب میں ہوئی ہے دعا قبول

محبوب جور و جفا کے ساتھ پیکرِ الطاف وعنایت بھی ہے۔ اس کی نوازشیں حاتم کو سرشار کرتی ہیں اور حاتم

شرمسار ہوتے ہیں۔ جب کہ محبوب خوگرِ عشق ہے صفِ دوستاں میں اس کی چاہتوں کے چرچے عام ہیں۔ وہ پردہ نشین ہے مگر جلوہ ساماں بھی ہے۔ وہ ستم شعار ہے۔ مگر محبتوں کا گہر بار بھی ہے۔ مردہ دلوں کی مسیحائی کرتا ہے وہ سراپا پیکرِ جمال ہے۔ اگر چہ اسے اپنی خودداری پر ناز بھی ہے۔ وہ باحیا بامروت ہے وہ آبرومندی کا مجسمہ ہے۔ رسم ورہِ عاشقی میں سب کا رفیق اور ہم دم بھی۔ ان کی شاعری کا یہ امتیاز خاص ہے کہ وہ جوش وخروش، عزم واستقلال، عمل وحرکت کا پیغام دیتی ہے۔ انسان کی ناکردہ کاری پر انھیں رنج ہوتا ہے۔ دست وبازو کی بے پناہ قوتوں کو بروئے کار لانے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ جواں مردی وجواں ہمتی کے ساتھ فکر واحساس میں تلاطم وتحریک پیدا کرنے کے لیے آرزومند ہیں:

وہی ہے مرد اس عالم میں کہ جس کے بیچ ہمت ہے	کہ ہمت سیں جہاں میں نام کو حاتم کے عزت ہے

وفورِ ہمت عالی سے حاتم
تو اپنے آپ ہوتا ہے محتاج

یہ شعر ملاحظہ فرمائیں جو دستورِ زندگی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور زندگی کے سفر میں زادِ راہ بن کر فتح مندی کی بشارت دیتا ہے۔ چلنا چلنا مدام چلنا ہی رازِ حیات ہے۔ قیام سے درماندگی پیدا ہوتی ہے۔ جسے آوازِ رحیلِ کارواں بھی دور نہیں کر پاتا:

کچھ دور نہیں منزل اٹھ باندھ کمر حاتم
تجھ کو تو ہی چلنا ہے کیا پوچھے ہے راہی سے

حاتم کے یہ ارشادات ان کی فکری بصیرت کے ترجمان ہیں اور خاص طور پر زوال پذیر معاشرے میں یہ آواز الہامی پیغام سے کم نہ تھی۔ حاتم نہ پیامی تھے اور نہ کسی نظریہ کے پروردہ۔ وہ ایک روشن ضمیر مردِ درویش تھے۔ ان کی قلندری، سکندری سے کم نہ تھی۔ یہ سکندری زر وسیم کے خزانے سے خالی تھی۔ مگر ان کا شعری کشف وکشکول آج بھی دولتِ پرویز سے زر بکف ہے۔ شاہ حاتم خاکِ ادب پر ابرِ سحاب بن کر برسے اور اپنی کہکشاں کی نور فشانی سے سخنوری کی رہ گزر کو روشن کر گئے۔

□□□

نسخۂ دہلی کا پہلا صفحہ

نسخۂ دہلی کا ترقیمہ

نسخۂ لاہور کا ترقیمہ

نسخۂ لاہور کا ایک ورق

بسم[1] اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمدِ الٰہی ونعتِ رسالت پناہی معروض میدارد فقیر خاکسار[2] درویشاں وخوشہ چینِ خرمنِ سخنوراں، ہیچ مدانِ عالم، بصورتِ محتاج بمعنی حاتم کہ از سنہ یک ہزار[3] ویک صدوبست وہشت تا یک ہزار[4] ویک صدونہ کہ چہل سال باشد نقدِ عمر دریں فن صرف نمود[5] ہنوز تربیت طلب وجائے استاد خالی دارد۔ در شعرِ[6] فارسی پیرِ مرزا صائب است ودر ریختہ ولی را استادمی داند۔ اول[7] کسے کہ دریں فن دیوان ترتیب نمود او بود۔ فقیر[8] دیوان قدیم از بست وپنج سال در بلادِ ہندِ مشہور دارد وبعد ترتیب آں تا امروز کہ سنہ احد عزیز الدین عالم گیر ثانی باشد بقول[9] فقیر کہ بیت:

مارا بفراغت اجل دیر رساند   ایں عمر دراز بخت کوتاہی کرد

ہر رطب ویابس کہ از زبان ایں، بے زباں برآمدہ داخل دیوان قدیم نمودہ کلیات مرتب ساختہ، چنانچہ نقل آں بسیار بہر کس دشوار بود، بنابر خاطر داشت یارانِ نازک[10] طبعاں از فکرِ قدیم وجدید کہ از مذاقِ ماضی وحال را[11] خبر دہد، از ہر ردیف دوسہ غزلی واز ہر غزلی دوسہ بیتی، درای[12] مناقب ومرثیہ[13] ومخمس ومثنوی وغیرہ موقوف[14] داشتہ مشتی نمود از خروار برآوردہ بطریق اختصار سوادِ بیاض نمودہ بہ دیوان زادہ مخاطب ساختہ، تا خواندگاں ونقل نویساں را ملالی نیفزاید[15]۔ واوزان بحور نیز داخل[16] کردہ تا مبتدیان ازاں فائدہ بردارند۔ وسرخی غزلیات معہ سنہ بسہ قسم تقسیم نمودہ[17]۔ یکی طرحی دوم فرمائشی سوم جوابی تا تفریق آں معلوم گردد۔ وفقیر[18] از معاصران شاہ مبارک آبرو وشرف الدین مضمون ومرزا جانجاناں مظہر وشیخ احسن اللہ ومیر شاکر ناجی وغلام مصطفیٰ یک رنگ است۔ ولفظ 'در' و 'بر'[19] 'واز' 'وا' کہ فعل و

۱۔ باسمِ سبحانہ تعالیٰ: لندن
۲۔ خاک پای، لندن
۳۔ یک ہزار وبیست وہشت، لندن
۴۔ یک ہزار شست وہشت، کراچی
۵۔ نمودہ، رام پور ولندن
۶۔ ودر شعرِ فارسی بطرزِ میرزا صائب ودر ریختہ بطورِ ولی رحمہم اللہ اوقات خود بسر می برد وہر دورا استادمی داند''، لندن
۷۔ لندن میں یہ پورا جملہ نہیں دیا ہے۔
۸۔ لندن میں 'ثانی' کی جگہ ''بادشاہ' لکھا ہے۔
۹۔ بزرگے، علی گڑھ
۱۰۔ طالبان این فن ونازک طبعان مشتاق سخن، لندن
۱۱۔ ازو، علی گڑھ
۱۲۔ سواری، لندن
۱۳۔ مرثیہ ومناقب ومخمس ساقی نامہ ومثنوی، لندن
۱۴۔ لندن میں یہ نہیں ہے۔
۱۵۔ لندن میں یہ عبارت ''خیر الکلام ماقل ودل'' اور دی ہے۔
۱۶۔ بسرخی نوشتہ، لندن
۱۷۔ بقید قلم آوردہ، علی گڑھ
۱۸۔ لندن میں یہ پورا جملہ نہیں ہے۔
۱۹۔ لاہور میں اس مقدمہ کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے۔ لاہور کے خطی نسخے کا شروع صفحہ غائب ہے۔

حرف باشد بقول[1] شاہ مبارک آبرو[2]:

وقت جن کا ریختے کی شاعری میں، صرف ہے ۔۔۔ اون سیتی کہتا ہوں بوجھو حرف میرا ژرف ہے

جو کہ لاوے ریختے میں فارسی کے فعل و حرف ۔۔۔ لغو ہیں گے فعل اُس کے ریختے میں حرف ہے

بندہ در دیوانِ قدیم خود تقید دارد دریں ولا ازدہ و دوازدہ سال اکثر الفاظ را از نظر انداختہ لسانِ عربی وزبانِ فارسی کہ قریب الفہم وکثیر الاستعمال باشد و روزمرۂ دہلی کہ میرزایانِ ہند وفصیحانِ رند و در محاورہ دارند منظور داشتہ زبان ہر دیار تا بہ ہندوی کہ آنرا 'بھاکھا' گویند موقوف کردہ محض روزمرۂ عام فہم وپسند خاص بود، اختیار نمودہ۔

شمۂ ازاں الفاظ کہ تقید دارد بہ بیاں می آرد۔ چنانچہ عربی وفارسی، مثلاً تسبیح راتسبی، وصحیح راصحی، وبیگانہ رابگانہ، ودیوانہ رادوانہ، ومانند آں بطورِ عامہ، یا متحرک راساکن وساکن رامتحرک۔ چنانچہ مَرَض رامَرْض وغَرَض را غَرْض ومانند آں۔ یاالفاظ ہندوی کہ نین وجگ وبت وبسر وغیرہ آنچہ باشد، یالفظ مارو مواوازیں قبیل کہ برخود قباحت لازم آید۔ یا بجائے 'سے' 'ستی' یا اُدھر را اُودھر وکدھر را کیدھر کہ دراں زیادتی حرف باشد، یا بجائے پر، پہ یا یہاں[3] رایاں، و وہاں راواں، کہ درمخرج تنگ بود، یا کسرہ وفتح وضم درقافیہ، یا قافیہ رافارسی با قافیہ راہندی چنانچہ گھوڑ او بورا و دھڑ و سرو مانند آں مگر ہائے ہوز رابدل کردن بہ الف کہ از عام تا خاص درمحاورہ دارند بندہ دریں امر بمتابعت جمہور مجبور است۔ چنانچہ بندہ رابندا و پردہ راپردا وآنچہ ازیں قبیل باشد وایں قاعدہ راتا کجا شرح دہد غرض کہ خلافِ محاورہ وغیر مصطلح وغلطی روزمرہ ونقصان فصاحت رادخل نہ باشد 'اَلْعَاقِلُ یَکْفِی الْاِشَارَۃ' ودریں مختصر الفاظِ مذکورہ انشاء اللہ تعالیٰ نخواہد بود مگر در مثنوی قہوہ وحقہ وغیرہ اشعار[4] دیوانِ[5] قدیم واگر اتفاقاً دریں مختصر باشد بر 'خُذْ مَاصَفَا وَدَعْ مَا کَدِرْ' نظر نمودہ از خطا درگذرند۔ وانصاف رااز دست نہ دہند کہ 'اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبُ الْخَطَاءِ وَالنِّسْیَانَ' واقع است۔

عَلٰی[6] نَبِیِّنَا الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ وَعَلٰی آلِہِ الْکِرَام.

۱۔ لاہور میں یہ لفظ نہیں ہے۔ لندن میں ''بقول'' کی بجائے ''پیش از قول'' درج ہے۔

۲۔ لندن میں اس کے بعد یہ درج ہے: ''بندہ در دیوانِ قدیم خود نداشت ومعاصرانِ دیگر مثل شرف الدین مضمون وشیخ احسن اللہ و میرشاکر ناجی وغلام مصطفیٰ یک رنگ ومرزا جان جاناں مظہر وغیرہ نیز مسلّم داشتند۔''

۳۔ لندن میں اس کے بعد یہ عبارت حاشیہ پر اور دی ہے: ''وتیری راتجہ اور لفظ بعضی جامناسب۔ وبعضی جاغیر مناسب، چنانچہ تجسی وتجکو بہزاست۔ وتجہ چشم نی وتجہ نگاہ نی مہاوہ نیست بجای این تیری چشم نے وتیری نگاہ نے میتواں گفت کہ باختصار آید۔'' قوسین کی عبارت حاشیہ پر درج ہے۔

۴۔ لندن میں یہ عبارت دی ہے: ''کہ عمداً مرقوم نمودہ تاگفتگوی قدیم نیز بنظرِ موشگافان این فن ودور بینانِ سخن درآید۔''

۵۔ لندن ''درغزلیات''

۶۔ لندن ''واللہ التوفیق'' دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زمینِ[۲] طرحی سرغزل دیوانِ قدیم ۱۱۳۱ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

کیا کہے قاصر زباں توحید و حمدِ کبریا   جس[۳] نے کن کے حرف میں کونین کو پیدا کیا
جو کہ ہے غواص اس بحرِ عمیقِ عشق کا   سب شناور دیکھ کر کہتے ہیں اُس کو مرحبا
کب ہے محتاجِ شراب ناقص انگور و قند   جس نے میخانہ میں وحدت کے پیالہ بھر پیا
مزرعِ دنیا میں جو اپنے تئیں دانا کہے   پیس ڈالے اُس کو گردش میں فلک کی آسیا

چھوڑ کر سب خلق حاتم[۴] دل لگا خالق کے ساتھ
جس نے تجھ کو صورتِ انساں کیا اور جی دیا

زمین طرحی در نعت ۱۱۳۱ھ[۵]

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعل

اول[۶] خدا نے نور تمہارا عیاں کیا   اس نور سے بنا یہ زمین و زماں کیا
تجھ در پر آرزو میں سلیماں مثالِ[۷] مور   کیوں کر نہ ہو کہ تجھ کو شہِ خسرواں کیا

۱۔ لندن میں آغاز اس طرح ہوتا ہے:

رب یسر۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وتمم بالخیر
فی الحمد سبحانہٗ تعالیٰ
'ردیف الالف'

۲۔ لندن کے مخطوطے میں یہ غزل نہیں ہے۔ دیوان کی ابتدا چوتھی غزل سے ہوتی ہے، جس کا مطلع ہے:

جن نے آدم کے تئیں جاں بخشا = خضر کو چشمۂ حیواں بخشا

دہلی میں پہلی غزل کا مطلع ہے:

چھپا نہیں جا بجا حاضر پیارا = کہاں وہ چشم جو ماریں نظارا

یہ غزل کسی اور مخطوطے میں نہیں ہے۔ حسرت کے انتخاب میں صرف پانچ اشعار ہیں۔

۳۔ جن نے کن کہنے میں سب ارض وسما، کراچی

۴۔ حضرت، کراچی

۵۔ زمین طرحی ۱۱۳۲ ہجری، لاہور

۶۔ لندن کے مخطوطے میں یہ غزل نہیں ہے۔

۷۔ مثل مور، کراچی

صاحب دلوں کو حشر تلک ہے وہ سجدہ گاہ — جس سرزمیں[1] پر تمؔ نے قدم سے نشاں کیا
کحل البصر کی جا تری خاکِ قدم کو بوجھ — آنکھوں کو مردماں نے بنا سرمہ داں کیا
دیکھا فلک سے قد کا ترے مرتبہ بلند — طوبیٰ نے قدِ تیر کو اپنی کماں کیا
غفلت کے خار ہوش کے تیشہ سے کاٹ ہم — گلشن بنا کے دل کو تمہارا مکاں کیا

حاتمؔ کا دل ہوا تھا سراپا اگر ضعیف
تجھ عشق نے یہ پھر سر نو سے جواں کیا

بحر مجتث مثمن مخبون مقطوع مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن[2]

کہاں چلے ہو مجھے چھوڑ دوستاں تنہا — میں بن[3] تمہارے رہوں کس طرح یہاں تنہا
کہا اے یار نظر کر کہ روزِ اوّل سے — جو اُس جہان سے آیا ہے اِس جہاں تنہا
دو[4] دم کی سیر بہم کر کے باغِ دنیا میں — اسی طرح سے چلا جائے[5] گا وہاں تنہا
عجب طرح سے ہے ملکِ عدم میں آمد و رفت — کہ آتے جاتے جو دیکھا یگاں یگاں تنہا
کوئی کسی کا نہیں دوست سب یہ باتیں ہیں — جو ہوتے دوست تجھے چھوڑتے کہاں تنہا
نہ مے، نہ ابر، نہ ساقی، نہ ہم، نہ دل، نہ دماغ — کسے خوش آئے یہاں سیرِ گلستاں[6] تنہا
ادا و ناز و کرشمہ، جفا و جور و ستم — اُدھر یہ سب ہیں ادھر ایک میری جاں تنہا
صنم کی زلف سے دعویٰ کیا تھا سنبل نے — میں اس کو کھینچ لے آیا ہوں موکشاں تنہا
چمن خراب کیا، ہو خزاں کا خانہ خراب — نہ گل رہا ہے نہ بلبل، ہے باغباں تنہا
میں ایک[7] روز چلا جائے تھا بیاباں کو — خراب و خستہ و حیراں و ناتواں تنہا
جو اس میں حضرت صائبؔ نے مجھ کو فرمایا — کہ دیکھتا ہوں میں تجھ کو جہاں تہاں تنہا

نہ ہوویں یار تو کیا زندگی ہے اے حاتمؔ
"چہ حظ کند خضر از عمرِ جاوداں تنہا"

---

۱ سرزمیں میں، علی گڑھ۔ یہ حافظؔ کے شعر کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے:
برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود = سالہا سجدہ و صاحب نظراں خواہد بود

۲ زمین مرزا صائب علیہ الرحمۃ کہ رفیع سودا تضمین نمودہ در ۱۱۶۶، لاہور

۳ بے، علی گڑھ

۴ دو دم کی سیر کر آپس میں باغ دنیا بیچ، لندن

۵ چلا جاوے گا، لاہور و لندن

۶ بوستاں، لندن و کراچی

۷ علی گڑھ کے علاوہ تمام نسخوں میں یہ غزل قطعہ بند ہے۔

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر رمل مسدس مشعث ۔ فاعلاتن فعلن مفعول

جس[1] نے آدم کے تئیں جاں بخشا   خضر[2] کو چشمۂ حیواں بخشا
پیرِ کنعاں کو دیا دردِ فراق   یوسفِ مصر کو زنداں بخشا
تخت برباد سلیماں کا کیا[3]   دیو کو ملکِ سلیماں بخشا
زینت افلاک کو دی انجم سے   مہر کو نورِ درخشاں بخشا
زیورِ حسن[4] کیا چشمِ حیا   عشق کو دیدۂ حیراں بخشا
کوہ کن کو کمرِ کوہ دیا   قیس کو دشت کا داماں بخشا
رنگ و بو گل کو دیا گلشن میں   سیرِ بلبل کو گلستاں بخشا
کفر کافر کے نصیبوں میں لکھا   اہلِ اسلام[5] کو ایماں بخشا

روزِ میثاق میں حاتم کے تئیں
چشمِ گریاں دلِ بریاں بخشا

زمین[6] طرحی ۱۱۵۹ھ

بحر رمل مثمن محذوف ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

سچ اگر پوچھو تو ناپیدا ہے یک رو آشنا   سارے عالم میں جو ہوں شاید تو یک دو آشنا
حاضر و غائب ہو یکساں ظاہر و باطن ہو صاف   اس طرح کا کم نظر آیا ہے یکسو آشنا
ہم وہ مخلص ہیں کہ آنکھیں دیکھتے گزری ہے عمر   جی نکل جاوے جو ہو ہم سے کج ابرو آشنا
سارے[7] عالم سے کروں میں ترک رسم دوستی   مجھ سے ہووے اے مرے دشمن اگر تو آشنا
کس کے کوچے میں تو ہو نکلی تھی ہاں سچ کہہ نسیم   تجھ میں جو بو ہے سو ہے مدت سے یہ بو آشنا

---

۱ لندن میں یہ پہلی غزل ہے۔
۲ کوں، لندن اور لاہور
۳ دیا، لندن و کراچی
۴ حسن کے بیچ دیا، لندن
۵ اور مسلمان، لندن
۶ زمین مرزا صائب علیہ الرحمۃ القافیہ در ۱۱۵۹ھ لندن
۷ عمر تک سب سے کروں رسم سلام علیک ترک، لندن

جاں بلب ہوں میں تو ان یاروں کی خوش خلقی کو دیکھ[1] — ہے معاذ اللہ جو ہو صحبت میں بدخو آشنا

ایک بھی ہم نے نہ دیکھا دوست حاتمؔ بعدِ[2] مرگ
ہے تکلف بر طرف کو یار اور کو آشنا

زمین[3] طرحی میر ۱۱۵۴ھ۔

بحر رمل مسطور

اس کی نظروں میں دوئی سے جو کہ ہے[4] نا آشنا — ایک سے دونوں ہیں کیا بیگانہ و کیا آشنا
دوستی آپس کی ہے گی زندگانی کا مزہ — ہے عجب صحبت جہاں باہم ہوں یک جا آشنا
شام کو کرتا ہے عزمِ قتل اور بخشے ہے صبح — کاش کے ایسے دو بھنتی[5] سے نہ ہوتا آشنا
اب ترے جور و جفا کے ہاتھ سے جاتے تو ہیں — پر نہ پائے گا قیامت تک تو ہم سا آشنا
خیر ہے تو میرے آنے سے میاں بدبر ہے کیوں — رکھتے ہیں رسم ملاقات آشنا با آشنا
ہوں تصدق اپنے طالع کا وہ کیسا بے حجاب — مل گیا ہم سے کہ تھا مدت سے گویا آشنا

گرم ہو ملنا ہے سب اہلِ جہاں کا بے ثبات
آشنا چاہے تو ہو حاتمؔ خدا کا آشنا

زمین[6] طرحی[7] ۱۱۶۲ھ

ہر گل اُس باغ کا نظروں میں دہاں ہے گویا — صورتِ غنچہ جو دیکھوں تو زباں ہے گویا
تاک کی طرح سبھی مست پڑے اینڈیں ہیں — میکدہ اب گروِ بادہ کشاں ہے گویا
چشم ہے ترک، نگہ[8] نیزہ و مژگاں ترکش — زلفِ پر پیچ کا ہر حلقہ کماں ہے گویا
جا بھڑاتا ہے ہمیشہ مجھے خونخواروں سے — دل بغل بیچ مرا دشمنِ جاں ہے گویا

حاتمؔ اب[9] اُس کی سبھی منہ کی طرف دیکھے ہیں
شیشہ مجلس میں یہاں پیرِ مغاں ہے گویا

---

۱ کے ہاتھ، لندن، رام پور و لاہور
۲ وقت، لندن رام پور و لاہور
۳ ۱۱۵۵ھ ایضاً مختلف القافیہ بحر مسطور، لندن، ۱۱۵۵ھ، لاہور
۴ ہیں، علی گڑھ
۵ دو بھنتی، بیشتر نسخوں میں یہی ہے۔ مفہوم ہے دو طرح کی بات، دو بھانت والی شے۔
۶ پر قیامت تک نہ پاوے گا تو ہم سا آشنا، رام پور و لاہور
۷ لندن میں بھی بحر درج نہیں ہے۔ علی گڑھ میں غلط درج ہے جو کاتب کی غلطی ہے۔
۸ ترک ونگہ، لندن و رام پور
۹ جو ہے سو ہاتھ پسارے ہے اس آگے حاتمؔ، لندن و کراچی

زمین[1] رفیع سودا ۱۱۶۸ھ[2]

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف ۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

شانہ نہ کیجو زلف کو زنہار دیکھنا
بہتوں کے دل ہیں اس میں گرفتار دیکھنا

میری بغل سے شیشۂ دل لے چلا تو ہے
ظالم لگے نہ ٹھیس خبردار دیکھنا!

گھر تو تب آئے خوش کہ مرے پاس تو ہو جان
ورنہ چہ فائدہ در و دیوار دیکھنا

سیرِ چمن کی دل کو مرے آرزو نہیں
حسرت ہے مجھ[3] کو وہ گلِ بے خار دیکھنا

دیکھے تھا دور سے میں اسے چھپ کے ایک روز
نظروں میں پا گیا وہ ستم گار دیکھنا

میں اپنے دل میں ڈر کے وہاں سے نکل چلا
اُس نے کہا پکار کے یک بار دیکھنا

جانے نہ پائے اس کو جہاں ہو تہاں سے لاؤ
گھر میں نہ ہو تو کوچہ و بازار دیکھنا

ناگاہ ہاتھوں ہاتھ مجھے سب نے آ لیا
اُس وقت میں ہوا نہ کوئی یار دیکھنا

رسوا و خوار و خستہ و مجروح و ناتواں
بے بس، اسیر و بے کس و بیمار دیکھنا

اب تو چلا ہوں جو مری قسمت میں ہو سو ہو
یا چھوٹنا ہے یا دمِ تلوار[4] دیکھنا

لے جا کے دست بستہ مجھے سب نے کی یہ عرض
اے جرم بخش عاشقِ غم خوار دیکھنا

حاتم سے میں جو حکم کیا تھا سو اس گھڑی
حاضر ہے روبرو ہے گنہگار دیکھنا

سن کر کہا کہ پہنچا تو اپنی سزا کے تئیں
میری طرف تھا کیا تجھے درکار دیکھنا

تقصیر تو ہوئی میں کہا ورنہ جانِ من
کس کو خوش آتا تھا[5] یہ آزار دیکھنا

کہنے لگا کہ مصرعِ سودا سنا نہیں[6]
جو کچھ خدا دکھائے سو لاچار[7] دیکھنا

---

[1] زمین طرحی رفیع سودا، لندن

[2] ۱۱۶۹ھ، لاہور، ۱۱۶۵ھ لندن و علی گڑھ میں ۱۱۶۸ھ ہے۔

[3] لاہور و علی گڑھ دیکھئے

[4] تروار، رام پور و لندن

[5] ہے، لندن

[6] نہیں سنا، رامپور و لاہور

[7] ناچار، لاہور و رام پور

زمین[1] طرحی بحر خفیف ۱۱۵۳ھ

عاشق کا جہاں میں گھر نہ دیکھا — ایسا کوئی در بدر نہ دیکھا
جیسا کہ اڑے ہے طائرِ دل — ایسا کوئی تیز پر نہ دیکھا
خوبانِ جہاں ہوں جس سے تسخیر — ایسا کوئی ہم ہنر نہ دیکھا
ٹوٹے دل کو بنا دکھاوے — ایسا کوئی کاری گر نہ دیکھا
اُس تیغِ نگاہ سے ہو مقابل — ایسا کوئی بے جگر نہ دیکھا
جاری ہیں ہمیشہ چشمۂ چشم — ایسا کوئی ابر تر نہ دیکھا

جو آب ہے آبرو میں حاتمؔ
ایسا کوئی ہم گہر نہ دیکھا

زمین طرحی ۱۱۵۹ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

نہ بلبل میں، نہ پروانے میں دیکھا — جو سودا اپنے دیوانے میں دیکھا
برابر اوس کی زلفوں کے سیہ بخت[2] — میں اپنے بخت کو شانے میں دیکھا
کسی[3] ہندو مسلماں نے خدا کو — نہ کعبے میں، نہ بت خانے میں، دیکھا
نہ کوہستاں میں دیکھا کوہکن نے — نہ کچھ مجنوں نے ویرانے میں دیکھا
نہ اسکندر نے دیکھا آئینہ میں — نہ جم نے اپنے پیمانے میں دیکھا
پر[4] اس کی کنہ کو کوئی نہ پہنچا — جسے دیکھا سو افسانے میں دیکھا

فقیروں سے سنا ہے ہم نے حاتمؔ
مزا جینے کا مر جانے میں دیکھا

---

[1] صرف لاہور میں ہے۔ یہ غزل کسی اور نسخہ میں نہیں ہے۔ [2] سیہ بخت، علی گڑھ، لاہور، لندن کا پریشاں زیادہ بہتر ہے۔
[3] کسو، رام پور و لاہور [4] نہ پہنچا کنہ ذات اس کی کو کوئی، لاہور

زمین طرحی ۱۱۶۴ھ

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

رات ہم خواب میں اس زلف کو پیچاں دیکھا
صبح دم حالِ دل اپنے کا پریشاں دیکھا

شور اوس حسن کا یک چند تو ہم سنتے تھے
چشم بد دور اب آنکھوں سے دو چنداں دیکھا

نظر آئے ترے دندان مسی[1] مالیدہ
رات اور دن کو بہم دست و گریباں دیکھا

مرے اشکوں نے دیا آج دو عالم کو بہا
نہ کبھی[2] ہم نے سنا تھا نہ یہ طوفاں دیکھا

کعبہ و دیر میں حاتم بخدا غیرِ خدا
کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا

زمین[3] طرحی میر ۱۱۷۸ھ[4]

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

مگر[5] گلشن اوپر سایہ پڑا اس بے مروت کا
کہ چہرے پر کسی گل کے نہ دیکھا رنگ اُلفت کا

نیاز و ناز میں جب سے نہیں کچھ گرمیِ صحبت
جہاں میں سرد ہے بازار اخلاص و محبت کا

تنزل اور ترقی ہم یہاں دیکھا تو توام ہے
مساوی ہو گیا اب شکر و شکوہ رنج و راحت کا

نہ پہنچا ہاتھ ذلت کا کبھی میرے گریباں تک
لگا ہے جب سے دل کے دست میں دامن قناعت کا

توقع آشنائی کی نہیں اب آشناؤں سے
کسی سے دل نہیں مشتاق اب صاحب سلامت کا

ہمارے حوصلے سے دور ہے معشوق کا شکوہ
جو کچھ گزری سو گزری کیا بیاں کیجیے مصیبت کا

کہاں ہیں معصیت نامے تمہارے اے گنہگارو
کہ بہرِ شست و شو ہے منتظر بارانِ رحمت کا

ملیں جو ہم نے آنکھیں اس کے تلوؤں سے وہیں چونکا
ادا کس طرح کیجیے عذر اپنی اس حماقت کا

مزہ دونوں جہاں کا صرف یک نظارہ کرتا ہے
میں دیوانہ ہوں حاتم تیری اس بے صرفہ ہمت کا

۱۔ سب، لندن
۲۔ کبھو، لندن و لاہور
۳۔ لاہور و رامپور میں یہ لفظ نہیں ہے۔
۴۔ ۱۱۷۱ھ، لاہور
۵۔ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

زمین طرحی ۱۱۸۱ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

ایک مدت سے طلب گار[1] ہوں کن کا اِن کا
تشنۂ حسرتِ دیدار ہوں کن کا اِن کا

جان کو بیچ کے یہ نقدِ دل اب لایا ہوں
سب سے پہلے میں خریدار ہوں کن کا اِن کا

امتداد اس مرے آزار کا مت پوچھ طبیب
روزِ میثاق سے بیمار[2] ہوں کن کا اِن کا

مخلصی قید سے مشکل ہے مجھے تا دمِ مرگ
دامِ الفت میں گرفتار ہوں کن کا اِن کا

بود و باش اپنا بتاؤں میں تمھیں کیا یارو
ساکنِ سایۂ دار ہوں کن کا اِن کا

ہے بجا فخر کروں اپنی اگر طالع پر
کفش برداروں کا سردار ہوں کن کا اِن کا

گالیاں تجھ کو[3] جو دیتے ہیں یہ حاتم ہیں کون
کچھ نہ پوچھو میں گنہگار ہوں کن کا اِن کا

تو سزاوارِ سزا کس کا ہوا ہے حاتم
صاحبِ من میں گنہگار ہوں کن کا اِن کا

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

بحر ہزج مثمن سالم[4] مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

عجب احوال دیکھا اس زمانے کے[5] امیروں کا
نہ ان کو ڈر خدا کا اور نہ ان کو خوف پیروں کا

مثال مہر و مہ دن رات کھاتے چرخ پھرتے ہیں
فلک کے ہاتھ سے یہ حال[6] ہے روشن ضمیروں کا

قفس میں پھینک ہم کو پھر وہیں صیاد جاتا ہے
خدا حافظ ہے گلشن میں ہمارے ہم صفیروں کا

مجھے شکوہ نہیں بے رحم کچھ تیرے تغافل سے
کھلے بندوں پھرے تو حال کیا جانے اسیروں کا

دلِ یاقوت ہے تجھ لعلِ لب کے رشک سے پر خوں
ترے دنداں کے آگے گھٹ گیا ہے مول ہیروں کا

۱؎ دل افگار، کان پور
۲؎ روز میثاق تلک زار، کان پور

۳؎ لاہور میں ایک شعر کم ہے اور مصرعوں کی ترتیب بھی بدلی ہوئی ہے۔

۴؎ دوسرے نسخوں میں بحر کی یہ تفصیل نہیں ہے، صرف لندن میں ہے۔
۵؎ کھاتی چرخ، رام پور و لاہور، لندن

۶؎ رنگ، کراچی

کیا ہے اس نشاں[1] انداز نے ترکش تہی مجھ پر مری چھاتی سرا ہو جس اوپر تودا ہے تیروں کا

ہمیں[2] دیوان خانے سے کسی منعم کے کیا حاتم
ہے آزادوں کے گر[3] رہنے کو بس تکیہ فقیروں کا

زمین[4] طرحی ۱۱۷۱ھ

بحر ہزج مثمن محذوف ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

ہے یہ دل مدت سے قیدی زلفِ عنبر فام کا ایسے وحشی کو عبث ہے فکر کرنا دام کا
تو کبھی[5] سچا[6] نہیں ہوگا مرے جھوٹے میاں عمر بھر وعدہ کیے جائے گا صبح و شام کا
چٹکیاں لے لے جگاتا ہے مجھے کیوں تا سحر تو غرض راضی نہیں یک شب[7] مرے آرام کا
ذکر میرا آئے مجلس میں تو ہووے بے دماغ[8] اس قدر دشمن ہوا ہے شوخ میرے نام کا

ان دنوں سب کو ہوا ہے صاف گوئی کا[9] تلاش
نام کو چرچا نہیں حاتم کہیں ایہام[10] کا

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

چشمِ بد دور کہ درواز ہے میخانے کا گرم بازار ہوا شیشہ و پیمانے کا
عشق میں چاہے کہ استاد ہوں تو ہو شاگرد شمع سے رونے میں جل مرنے میں پروانے کا
نہ رکھا خانۂ زنجیر سے پاؤں باہر گھر ہی ویرانہ ہے اس طرح کے دیوانے کا
دسترس کس کو ہے تجھ زلف کی پابوسی کا ہاتھ پہنچے ہے وہاں تک تو کبھی[11] شانے کا

---

۱ شکار انداز، لندن ۲ مجھے، لندن
۳ گھر، رام پور ۴ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۵ کبھو، لاہور و رام پور ۶ سانچا نہ، لاہور رام پور
۷ یک دم، لاہور و رام پور ۸ ہوا، رام پور و لاہور
۹ کا، رام پور و لاہور ۱۰ ایہام، لاہور
۱۱ کبھو، رام پور، لاہور

آشناؤں سے نہیں چشم مروت حاتم
شکوہ بیجا ہے جو کیجیے کسی بیگانے کا

زمین[۱] طرحی ۱۱۷۰ھ

بحر مجتث مخبوں مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

خیال دل میں کسی سے نہ رکھ بھلائی کا — جہاں سے فوت ہوا رسم آشنائی کا
کوئی زمیں نہ رہی تس پر ہم قدم نہ رکھا — کہ خار خار ہے شاہد[۲] برہنہ پائی کا
جدا کبھی[۳] نہ کیا تو نے کف سے آئینہ — رواج تجھ سے ہے عالم میں خود نمائی کا
طمع وفا کی جو تجھ سے رکھے وہ[۴] ناداں ہے — کہ تیرا شہر میں شہرہ ہے بے وفائی کا
اگرچہ فیضِ قناعت سے دل ہوا ہے غنی — ولے ہے شوق ترے در اُوپر گدائی کا
مزا پڑا مجھے کنجِ قفس کا اے صیاد — نہیں ہے ذوق مرے دل میں اب رہائی کا

تو زاہدوں کی طرح گھر[۵] میں بیٹھ مت حاتم
نکل کے قید سے ٹک دید کر خدائی کا

زمین طرحی ۱۱۴۱ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

بال پن سے مجھے سودا ہے ترے گیسو کا — بال باندھا میاں بندا ہوں ترے ہر مو کا
مجھ کو درکار نہیں مشک و عبیر و صندل — میں ہوں دیوانہ پری رو کی چوٹی کی بو کا
کیوں نہ ہم سر سے کریں آن کے سجدہ[۶] تجھ کو — قبلہ[۷] عالم کا ہے محراب تری ابرو کا

---

۱ ۱۱۷۲ھ، لاہور
۲ دشمن، علی گڑھ
۳ کبھو، لاہور و رام پور، جدا کبھو نہ ہوا، کان پور، حسبِ معمول دہلی میں سن درج نہیں ہے۔
۴ سو، رام پور و لاہور
۵ بیٹھ گھر میں، کان پور
۶ تجھ کو سجدہ، رام پور و لاہور، کیوں نہ ہم آ کے کریں سرستی اس کو سجدہ، کراچی
۷ قبلہ و کعبہ ہے، رام پور و کراچی، کیوں نہ ہم سر سے کریں آن کے تجھ کو سجدہ، لکھنؤ

۱۱۱۷

بندگی[1] کا تری گردن میں ہے قمری کے طوق — بندہ ہے سروِ چمن[2] تیرے قدِ دل جو کا

روز چترا[3] ہے مرے دل کا کبوتر حاتم
سرت کرتا ہے جب اُڑتا ہے اسی کی کو کا

زمین[4] طرحی ۱۱۷۰ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

شہر میں چرچا ہے اب تیری نگاہِ تیز کا — دو کرے[5] دل کے تئیں یہ نیمچہ انگریز کا

نیلی پیلی دیکھ کر ظالم تری چشمِ سیاہ — دل پڑا ہے وہم میں نقاشِ رنگ آمیز کا

اس کے دل میں جانہیں پاتا وگرنہ سنگ میں — نالہ کرتا ہے اثر مجھ عاشقِ شب خیز کا

بے ستوں دیکھا بن آیا کوہ کن کے ہاتھ سے — تلخ ہوا ہے خوابِ شیریں خسروِ پرویز کا

ریختے میں ہند کے طوطی[6] کا حاتم ہے غلام
فارسی میں خوشہ چیں ہے بلبلِ تبریز[7] کا

زمین[8] طرحی ۱۱۷۱ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

لیا ہر ایک سے مل مل کے دل کا بھید ہم سب کا — کیا معلوم عالم میں جو ہے سو اپنے مطلب کا

لگائی ہے ترے در پر ملنگوں کی طرح دھونی — نکل پردے سے ٹک باہر کھڑا ہوں منتظر کب کا

مبارک باد کو ہم عید کی آئے ہیں گھر بیٹھے — بغل گیری سے شک جو ہو کے یہ ملنا ہے کس ڈھب کا

خمار آلودہ ہوں ساقی تنگ ظرفی نہ کر ظالم — میں تیرے ہاتھ سے مشتاق ہوں جامِ لبالب کا

---

۱ بندگی کا تیری قمری کے ہے گردن میں طوق، لندن، کراچی

۲ سرو یہاں، لندن، سرو بندہ ہے سدا، کراچی، بندہ ہے سرو یہاں، لکھنؤ

۳ زور چترا، رام پور و لاہور

۴ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

۵ دور کرے ہے، رام پور و لاہور

۶ دلی کی طرف اشارہ ہے۔

۷ صائب کی طرف اشارہ ہے۔

۸ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

جہاں کو جان کر فانی اٹھایا دل کو حاتم نے
فقیری کی ہوس میں شوق سب جاگیر و منصب کا

زمین طرحی ۱۱۷۲ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

موسم سنا ہے ہم نے کہ آیا بہار کا — ہونا ہے حال کیا دلِ پر اضطرار کا
پہلے ہی کی ہے طفل مزاجوں سے دوستی — دشمن ہوں اپنے میں دلِ ناکردہ کار کا
اے بادہ مت اڑا دے گریباں کی دھجیاں — لے ہے جنوں حساب یہاں تار تار کا
جیتا کوئی بچے گا نہ عالم میں اب کے صید — اس تیغ زن کو شوق ہوا ہے شکار کا
سائے سے بھاگتا ہے ہمارے ہزار کوس — تس پر مجھے اُمید ہے بوس و کنار کا
مشہد سے سوختوں کے میاں شمع دور کر — ہے داغِ دل[۲] چراغ ہمارے مزار کا

حاتم سے جان وعدہ خلافی ہے اب تلک[۳]
کیا اعتبار ہے ترے قول و قرار کا

زمین طرحی ۱۱۷۷ھ

بحر مسطور

دورا ہے[۴] جب سے بزم میں تیری شراب کا — بازار گرم ہے مرے دل کے کباب کا
خوباں کو کس طرح سے لگا لے ہے بات میں — بندا ہوں اپنی طبعِ ظرافت مآب کا
جو نامہ بر گیا نہ پھرا ایک اب تلک — اے دل تو انتظار عبث ہے جواب کا
حسرت یہ ہے کہ رات کو آئے وہ ماہرو — دولت سے اوس کی دید کروں ماہتاب کا
الطاف میں بھی اس کے اذیت ہے سو طرح — لاؤں کہاں سے حوصلہ اوس کے عتاب کا
رخسار کے عرق کا ترے بھاؤ دیکھ کر — پانی کے مول نرخ ہوا ہے گلاب کا

---

۱ علی گڑھ میں یہ شعر مقطع کے بعد درج ہے۔
۲ اس پر، علی گڑھ
۳ آج تک، کان پور
۴ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

حاتم یہی ہمیشہ زمانے کی چال ہے
شکوہ بجا نہیں ہے تجھے انقلاب کا

زمین طرحی ۱۱۷۸ھ[۱]

بحر مسطور

دیکھو شعور اس دلِ خانہ خراب کا — عاشق ہوا ہے کس بتِ مستِ شراب کا
عارض سے اوس کے زلف میں کیونکر ہے روشنی — ظلمات میں تو نام نہیں آفتاب کا
ایسا ہے خال گوشۂ ابرو کا خوشنما — جیسے ہو نقطہ بیت اوپر انتخاب کا
ہے انتظارِ چشم کہ دیکھے کسی طرح — شاید سنا ہے اوس نے کہیں نام خواب کا
شب دوزخ و بہشت برابر ہے اس کے تئیں — عاشق کو غم نہیں ہے عذاب و ثواب کا
حاتم تعینات کا گر وہم[۲] دور ہو
اُٹھ جائے درمیان سے پردا حجاب کا

زمین[۳] طرحی ۱۱۶۸ھ

بحر مضارع مثمن اخرب۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

یارو کوئی نہ دیکھا عالم میں یار دل کا — جو درد میں ہو ساتھی[۴] اس دل فگار دل کا
ان بے مروتوں سے ہرگز نہ ملنے دیتا — ہوتا جو ہاتھ میرے کچھ اختیار دل کا
ایسا ہوا ہے غائب جس کی خبر نہ پائی — بیٹھا عبث کروں ہوں میں انتظار دل کا
شیشے کیے ہیں خالی ہے دھوم میکدے میں — جاتا نہیں ہے تو بھی اب تک خمار دل کا
ناصح بغل میں آکر دشمن ہوا ہمارا — جائے گا[۵] کب الٰہی مجلس سے خار دل کا
اوس کی گلی میں مر کر ہم خاک ہو گئے ہیں — جاتا نہیں ہے تو بھی اوس کے غبار دل کا

---

۱ ۱۱۷۲ھ، لاہور
۲ گر، علی گڑھ
۳ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۴ شریک ہو، لاہور و رام پور
۵ جاوے گا، لاہور و رام پور

تیرا کبھی[1] نہ ہوگا بہلاؤتا ہے تجھ کو
حاتم نہ کیجو ہرگز تو اعتبار دل کا

زمین[2] طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

احسان ترا دل مرا کیا یاد کرے گا — جو خاک کو اس کی نہ تو برباد کرے گا
نے حسرتِ گلگشت، نہ پرواز کی طاقت — صدقے میں ترے کیا مجھے آزاد کرے گا
موجود ہوں، حاضر ہوں، میں راضی ہوں، خوش ہوں — سر پر مرے جو کچھ کہ وہ جلاد کرے گا
جز غم کے نہ حاصل ہوا صحبت میں کسو کی[3] — اس دل کو الٰہی کوئی بھی شاد کرے گا
سودا نہ گیا اُس کا طبیبوں کی دوا سے — تو آ کے علاج اب کوئی فصّاد کرے گا
جو اس میں بھی چنگا نہ ہوا تو کوئی دن میں[4] — جا خانۂ زنجیر کو آباد کرے گا
اس کی جو کمر ہوئے تو کھینچے کوئی حاتم
کیا اپنا سر آ کر یہاں بہزاد کرے گا

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر ہزج سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

نہیں معلوم میرے کام کا انجام کیا ہوگا — یہی ہے فکر ہر دن صبح کیا اور شام کیا ہوگا
خبر آنے کی قاصد کے سنے سے جی دھڑکتا ہے — خدا جانے کہ اوس ظالم کا اب پیغام کیا ہوگا
مرا دل زلف میں اس[5] کے بہت مدت سے بیکل ہے — جو وحشی دام میں ہوگا[6] اوسے آرام کیا ہوگا
بہانہ کیوں کرے ہے حیلہ جو عاشق کے ملنے[7] سے — بجز جور و جفا و ظلم تجھ کو[8] کام کیا ہوگا
جو کچھ مقدور تھا سو فدویت اور جانفشانی کے
اب اس خدمت کا حاتم دیکھئے انعام کیا ہوگا

---

۱ کبھو، رام پور
۲ ۱۱۶۵ھ، لندن
۳ کسی کی، علی گڑھ
۴ دن کو، رم پور و لاہور
۵ تیری، لندن
۶ ہووے، لندن
۷ ہم پاس تو آتے، لندن
۸ تجھ کو، لندن

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ[1]

بحر خفیف مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

دل مرا آج یار میں ہے گا　　کس[2] خزاں میں بہار میں ہے گا
گالیاں مجھ کو دے ہے دینے دو　　کچھ نہ بولو خمار میں ہے گا
سن[3] کے کہنے لگا تو جانے ہے　　کہ نشے کے اتار[4] میں ہے گا
گالیاں میں تو سب کو دیتا ہوں　　ایک تو کس شمار میں ہے گا
حاتم ایسی کہاں ہے لذتِ وصل
جو مزا انتظار میں ہے گا[5]

حسب الفرمائش[6] نورالدولہ بہادر ۱۱۵۲ھ[7]

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

دیکھا کسی[8] نے ہم سے زمانے نے کیا کیا　　اور کیا کہیں کہ یار یگانے نے کیا کیا
دل چاہتا ہوں اور کو دوں تیرے جور سے　　کہنا[9] نہ پھر کہ ہم سے فلانے نے کیا کیا
قاتل تو اس کا ہر سرِ مو بال پن سے تھا　　آرائش اس کی زلف کو شانے نے کیا کیا
دینار اور درم کی نہ لا دل کو دام میں　　قاروں سے ہے خبر کہ خزانے نے کیا کیا
حاتم دیا ہے شیخ نے اب دل صنم کے ہاتھ
دیوانہ میں تو تھا یہ سیانے نے کیا کیا

۱۔ ۱۱۶۴ھ، لندن و لاہور　　۲۔ کوئی، لندن و لاہور
۳۔ سن کے بولا تو مجھ کو جانے ہے، لندن　　۴۔ اُتار، لندن
۵۔ لندن میں اس غزل کے حاشیہ پر یہ تین شعر بغیر کسی سرخی کے درج ہیں:

سب کو رہے صفا وہی ہے گا　　سب فنا ہے بقا وہی ہے گا
کوئی اس سے مکاں نہیں خالی　　دیکھ لو جا بجا وہی ہے گا
ظاہر و باطن حاضر و غائب　　ابتدا انتہا وہی ہے گا

۶۔ زمین حسب الفرمودہ فاخر خاں خلف خان صادق بہادر شمس الدولہ تہور جنگ، لندن
۷۔ ۱۱۵۶ھ، لاہور و لندن، رام پور و علی گڑھ، ۱۱۵۲ھ
۸۔ کسو نے، لاہور و لندن　　۹۔ کہیو نہ پھر، لاہور و رام پور

زمین طرحی ۱۱۵۱ھ[1]

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

کس[2] نے شب دارو پلا کر تجھے مخمور کیا   کہ تری چشم گلابی[3] نے مجھے چور کیا
صندلی رنگ نے آ تیغ نگہ سے اس دم   درد سر تھا تو[4] مرے سر سے بھلا دور کیا
جمع خاطر تھا کیا مجھ کو پریشاں خاطر   اوس کی زلفوں کا یہاں کاہے کو مذکور کیا
فوجِ[5] عشاق میں پہچان مجھے عاشق فرد   عین کا صاد دکھا نظروں میں منظور کیا
عشق پردے میں تھا اس چشم کا ہو خانہ خراب
جس[6] نے رو رو کے اب حاتم مجھے مشہور کیا

زمین طرحی ۱۱۴۸ھ

بحر مسطور

حسن نے جب سے مجھے عشق کا پیغام کیا   نیک نامی کو مری شہر میں بدنام کیا
ترے دندان مسی زیب کی مشتاقی میں   شام سے صبح کیا صبح سے پھر شام کیا
دیکھ کر تیری چمن بیچ گلابی آنکھیں   باغباں نے گلِ بادام کے تیئں جام کیا
خاص ہمت کا بیاں اوس کے بخیلوں سے کہو
دیکھو حاتم نے کہ اب فیضِ سخن عام کیا

---

[1] ۱۱۵۰ھ، لندن

[2] لندن میں یہ مصرع دیا ہے: کن تجھے دارو پلا کن تجھے مخمور کیا، حاشیہ پر یہ مصرع بھی درج ہے جو علی گڑھ کے نسخہ میں درج ہے۔ فرق اتنا ہے کہ بجائے شب کے 'اب' تحریر ہے۔

[3] خماری، لندن

[4] سو، لندن ولاہور

[5] فرد فارغ مجھے پہچان کی سب میں اس نے، لندن وکراچی

[6] جن نے، لندن ورامپور، کراچی میں مقطع اس طرح ہے:

اب تلک عشق تھا حاتم، کا چھپا پردے میں   چشم نے شہر میں رونے سے مجھے مشہور کیا

زمین[1] طرحی ۱۱۵۷ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں محذوف۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

ہمارا جان گیا ہم نے آہ بھی نہ کیا
یہ کیا غضب ہے کہ تم نے نگاہ بھی نہ کیا

میں کیا کہوں اثرِ نالہ تج کو رحمت ہے
کہ اوس کے دل میں کبھی[2] تو نے راہ بھی نہ کیا

گناہ گار رہے یک طرف کہ گوشۂ چشم
کبھی کرم سے سوئے بے گناہ بھی نہ کیا

میں اپنے دل کو بڑا کار داں سمجھے تھا
پر ایک کام مرا سربراہ بھی نہ کیا

ستم سے تیرے میں جاتا ہوں پھر نہ کہیو تو
کہ آشنائی کا حاتم نباہ بھی نہ کیا

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

میری بغل میں رات وہ مستِ شراب تھا
حسرت کی آگ میں دلِ دشمن کباب تھا

وقتِ سحر چمن میں وہ گل بے نقاب تھا
ہر ذرّہ اس کی تاب سے جوں آفتاب تھا

ہر حال اپنے حال کے تئیں بوجھ مغتنم
آئندہ ہے خیال جو گزرا سو خواب تھا

نامہ کو میرے دیکھ کر خاموش ہو رہا
قاصد کے تئیں جواب نہ دینا جواب تھا

فانی ہوا جو بحر میں خود بحر ہو گیا
وہم حباب پردۂ چشمِ حباب تھا

مجلس میں رات گریۂ مستان تھا تجھ بغیر
ساغر بھرا شراب کا چشم پر آب تھا

رخصت تو آئینے کو نہ تھی اوس کے روبرو
حاتم تو کس طرح سے وہاں باریاب تھا

---

[1] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ رام پور میں سنہ نہیں ہے۔

[2] کبھو، لاہور و رام پور

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

مستوں میں جو شیخ آ پھنسا تھا　　میخانہ میں طرفہ ماجرا تھا
مدت سے خبر نہیں کچھ اس کی　　اک دل بھی ہمارا آشنا تھا
سو طرح ہے عاشقی کے فن میں　　فرہاد بھی ایک سر پھرا تھا
کیوں کھینچی تھی تیغِ گل کسی پر　　اک نیم نگہ ہی نیمچہ تھا

زمین طرحی ۱۱۹۲ھ

بحر رمل مثمن محذوف

سوزشِ پنہاں مرے دل کی سے کوئی محرم نہ تھا　　جب تلک یہ دیدۂ غماز میرا نم نہ تھا
خوش گزرتا تھا ہمارا روز و شب یاروں کے ساتھ　　عشق جب تک آشنا ہم سے نہ تھا کچھ غم نہ تھا
ہر قدم رو پر ترے کوچے میں تھے لاشوں کے ڈھیر　　ہم نے جا ہر ایک کو دیکھا کسی میں دم نہ تھا
یوں تکلف سے سجا تو نے کمر میں نیمچہ　　قتل کو عاشق کے ابرو کا اشارہ کم نہ تھا

مشورہ تو نے کیا تھا کل کریں گے قتلِ عام
متفق اس مصلحت میں سب تھے اک حاتم نہ تھا

زمین طرحی ۱۱۹۱ھ

بحر ہزج مثمن سالم

میں اپنے دست پر شب خواب میں دیکھا کہ اخگر تھا　　سحر کو کھل گئی جب آنکھ میرا ہاتھ دل پر تھا
نہ تھی تا صبح کچھ حاجت چراغ و شمع و مشعل کی　　ہماری بزم میں شب جلوہ گر دہ ماہ پیکر تھا
تری اک جنبشِ ابرو سے عالم ہو گیا ضائع　　نظر کر جس طرف دیکھا تو جو دھڑ تھا سو بے سر تھا
تو اس رفتار و قد سے جس طرف گزرا مرے صاحب　　ترے فیضِ قدم سے ہر قدم سرو صنوبر تھا
نہ تھی پرواز کی طاقت سرِ دیوار گلشن تک　　کہ جو طائر تھا سو صیاد کے ہاتھوں سے بے پر تھا

چلا جاتا تھا حاتم آج کچھ واہی تباہی سا
جو دیکھا ہاتھ میں اس کے ترے شکوے کا دفتر تھا

زمین انعام اللہ خاں ۱۱۶۰ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ہماری سیر کو گلشن سے کوئے یار بہتر تھا
نفیر بلبلوں سے نالہ ہائے زار بہتر تھا

انا الحق کی حقیقت کو جو ہو منصور سو جانے
کہ اوس کو آسماں چڑھنے سے چڑھنا دار بہتر تھا

کبھو بیمار سن کر وہ عیادت کو تو آتا تھا
ہمیں اپنے بھلے ہونے سے وہ آزار بہتر تھا[1]

تو اپنے من کا منکا پھیر زاہد ورنہ کیا حاصل
تجھے اس مکر کی تسبیح سے زنار بہتر تھا

نہ کہتا میں کہ عاشق ہوں ترا تو کیوں وہ رم کرتا
مجھے اقرار اب[2] کرنے سے وہ انکار[3] بہتر تھا

ہماری عقل میں گھر کی گرفتاری سے حاتم کو
کہو دیوانہ[4] پھرنا کوچہ و بازار بہتر تھا

زمین[5] میر ۱۱۶۳ھ

بحر[5] ہزج مثمن سالم مسطور۔ مفاعیلن[6] مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جو میخانہ میں جاتا تھا قدم رکھتے جھجکتا تھا
کہ ساغر آنکھ دکھلاتا تھا اور شیشہ بھبکتا[7] تھا

تماشہ ہو رہا تھا ابر میں رونے سے کیا میرے
ادھر پانی برستا تھا ادھر لوہو ٹپکتا تھا

بڑا احساں کیا جو دل کو میرے کھینچ کر کاڑھا[8]
کہ مدت سے مرے سینہ میں جوں کانٹا کھٹکتا تھا

ترے کوچہ میں میں نے آج دشتِ کربلا دیکھا
کوئی مارا پڑا تھا اور پڑا کوئی سسکتا تھا

گیا تھا تیلیاں[9] کپڑوں سے تو آئینہ خانہ میں
کہ اب تک خانۂ آئینہ اوس بو سے مہکتا تھا

مزا[10] لینے کے تئیں شیریں مقالی کا تری حاتم
کھڑا موںہہ کو ادب سے دور نادیدہ سا تکتا تھا

۱۔ لندن میں اس کے بعد یہ شعر اور دیا ہے: جنازہ کی نماز اس کی شہید تیغ کی پڑھنا = یہاں محراب مسجد سے خمِ تر دار بہتر تھا
۲۔ اس، لاہور ولندن
۳۔ اب، لاہور لندن
۴۔ ہو دیوانہ سا، لندن
۵۔ فی بحر ہزج سالم، ۱۱۶۲ھ، لندن
۶۔ مفاعیلن، لندن
۷۔ بہکتا، علی گڑھ
۸۔ گاڑھا، علی گڑھ و رام پور
۹۔ تیلیوں، علی گڑھ و رام پور
۱۰۔ مزا چکھنے، لندن و کراچی

زمین کو کہ خان فغاں ۱۱۶۴ھ[1]

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

ہمارا دل اگر شیدا نہ ہوتا — تو ایسا عشق کا چرچا نہ ہوتا
فلک سے گر ملک آتا زمیں پر — قسم ہے تو بھی وہ ہم سا نہ ہوتا
اگر روتے نہ ہم تو دیکھتے تم[2] — جہاں میں ناؤ کو دریا نہ ہوتا
برا ہوتا جو ہوتا عشق معدوم — بھلا ہوتا جو میں پیدا نہ ہوتا
انا الحق گر نہ کرتا رازِ حق فاش — تو اتنا خلق میں رسوا نہ ہوتا
قیامت کا کوئی ہوتا نہ قائل — اگر قامت ترا بالا نہ ہوتا
لگاتا تو نہ[3] گر پاؤں میں مہندی — تو فتنہ شہر میں برپا نہ ہوتا

نہ چاہا جاہ حاتم آفریں ہے
خدا جانے کہ ہوتا یا نہ ہوتا

زمین[4] طرحی ۱۱۸۲ھ

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

آگے[5] کیا تم سا جہاں میں کوئی محبوب نہ تھا — کیا تمھیں خوب بنے اور کوئی خوب نہ تھا
ان دنوں ہم سے جو وحشی کی طرح بھڑکو ہو — یہ تو ملنے کا تمہارے کبھو اسلوب نہ تھا
نامہ بر دل کی تسلی کے لیے بھیجوں ہوں — ورنہ احوال مرا قابلِ مکتوب نہ تھا
طاقت اب طاق ہوئی صبر و شکیبائی[6] کی — کب تلک صبر کرے دل مرا ایوبؑ نہ تھا

غلبۂ عشق نے حاتم کو پچھاڑا آخر
زور میں اپنے وہ اتنا بھی تو مغلوب نہ تھا

---

[1] ۱۱۶۳ھ، لندن و کراچی۔ ۱۱۶۸ھ، لاہور
[2] نایاب، لندن و کراچی
[3] جو نہ تو، لندن و کراچی
[4] لندن میں یہ غزل نہیں ہے، لاہور میں ۱۱۸۴ھ اور کان پور میں ۱۱۸۱ھ ہے۔
[5] آئی، علی گڑھ لاہور کا آگے صحیح ہے۔
[6] صبر و شکیبائی، لاہور

زمین کوکہ خان فغان ۱۱۶۴ھ[1]

بحر ہزج مثمن اخرب[2] مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

گر تجھ سے دل آزار سے دل یار نہ ہوتا تو ہم کو[3] کسی طرح کا آزار نہ ہوتا
کچھ حسن کی ہوتی نہ یہاں قدر نہ قیمت جو عشق کبھو اس کا خریدار نہ ہوتا
اسرارِ حقیقت کے سرافرازوں کا منصور سردار نہ ہوتا جو سرِ دار نہ ہوتا
شانہ کی طرح زلف کے کوچہ میں مرا دل پھرتا جو ترے غم میں گرفتار نہ ہوتا
تو پوچھنے احوال کبھو[4] کا ہے کو آتا
حاتم جو ترے عشق میں بیمار نہ ہوتا

زمین طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن[5] فاعلاتن فاعلن

وہ مری[6] دیوانگی کا بزم میں مونس ہوا حلقۂ زنجیر مجھ کو حلقۂ مجلس ہوا
وصف تیرے چشم کا گلشن[7] میں کرتا تھا رقم ہاتھ میں میرے قلم اس دم گلِ نرگس ہوا
کیمیا کا تیری نظروں میں اثر جانا تھا میں کچھ نہ دیکھا اس توقع[8] میں ناحق مس ہوا
ضعف سے میرے تئیں جنبش[9] کی اب طاقت نہیں اس قدر بے قوت و بے طاقت[10] و بے حس ہوا
تنگ دستی سے نہ ہو دل تنگ و حاتم تنگ چشم
دل تونگر چاہیے تیرا تو گو مفلس ہوا

۱۔ ۱۱۶۲ھ، لاہور، ۱۱۶۰ھ لندن، ۱۱۳۱ھ رام پور
۲۔ اخرب، لندن
۳۔ تو دل کو، تو دل کو، لندن
۴۔ کبھو، رام پور، لاہور و لندن، کبھی: علی گڑھ
۵۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن، لاہور و لندن
۶۔ یار مجھ، کراچی
۷۔ جانے تھا، لندن
۸۔ طمع، کراچی
۹۔ ملنے، لندن
۱۰۔ بے طاقت و بے حرکت: کراچی، بے قوت و بے سکت: لندن

زمین طرحی ۱۱۵۳ھ

بحر رمل مسدس محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

جس طرف کو میں گیا روتا ہوا   تا فلک روئے زمین دریا ہوا
خال کے نقطہ سے چہرہ پر ترے   یک قلم اب حسنِ خط دونا ہوا
رات کو تو تھا وہ میرے ہم کنار   آنکھ کے کھلتے الٰہی کیا ہوا
اس قدر ہم نے پیا خونِ جگر   دل مرا جوں غنچۂ لالا ہوا
حاتمؔ اس کی دیکھ کر زنجیرِ زلف
پھر نئے سر سے مجھے سودا ہوا

زمین ولی ۱۱۳۲ھ[1]

بحر[2] خفیف مخبوں محذوف۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

جس کے دل میں ترا خیال ہوا   اس کو جینا[3] یہاں محال ہوا
ہجر میں زندگی سے موت[4] بھلی   کہ کہیں[5] سب اسے وصال ہوا
مار گیسو[6] کا بس بھرا ہر تار   من کوں دانا کے آج کال ہوا
گرمیٔ حسن سے تری خورشید   تجھ طرف[7] دیکھنا زوال[8] ہوا
ہے وہ چرخے مثال سرگرداں
جس کو حاتمؔ خیالِ[9] مال ہوا

---

[1] ۱۱۴۳ھ لندن، ۱۱۳۳ھ، الاہور
[2] فی بحر رمل مسدس محذوف، لندن
[3] صنم: کراچی، سجن: دہلی، یہاں: لکھنو
[4] مرگ: لندن و دہلی
[5] کہ کہے سب جہاں: لندن و کراچی
[6] یہ شعر صرف دہلی میں موجود ہے۔
[7] محال: لندن
[8] تلاش: علی گڑھ اور لاہور
[9] خیال: لندن، کراچی و دہلی

زمین[1] طرحی ۱۱۹۵ھ

کن کے کہنے میں جو ہوا سو ہوا — رانڈ رونا نہ رو ہوا سو ہوا
جو ازل میں قلم چلی سو چلی — بد ہوا یا نکو ہوا سو ہوا
رنج و راحت میں اختیار نہیں — راضی ہو یا نہ ہو ہوا سو ہوا
یوں نہ ہو یوں ہو یوں ہوا سو کیوں — کیا ہے یہ گفتگو ہوا سو ہوا
شکوہ قسمت کا شکوۂ حق ہے — بک نہ خاموش ہو ہوا سو ہوا
ہاتھ آتا نہیں بغیر نصیب — پاؤں پھیلا کے سو ہوا سو ہوا

جو مقدر تھا ہو چکا حاتمؔ
فکر میں دم نہ کھو ہوا سو ہوا

زمین طرحی ۱۱۴۴ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

ہم سے چھپا تو[2] غیروں سے جا روبرو ہوا — یاروں کا رو ہوا نہ رقیبوں کا رو ہوا
تیرا خیال خواب میں آیا تھا رات کو — کہئے کسی سے[3] کیا جو ہوا جان سو ہوا
چشموں کی راہ دل مرا پانی ہو بہہ چلا — اُس سرو قد کے زیرِ قدم آب جو ہوا
وہ شوخ بانکپن میں جو دیکھا تو ایک ہے — تیغِ نگاہ[4] جس کو لگائی[5] سو دو ہوا

اس[6] رات تیری زلف[7] کو آشفتہ دیکھ کر
حاتمؔ کا دل اسیر میاں مو بہ مو ہوا

۱؎ لاہور کے علاوہ کسی نسخہ میں نہیں ہے۔
۲؎ وہ: لندن
۳؎ کسو سے: لندن
۴؎ تیغا نگہ کا: لندن
۵؎ لگایا، لندن و لاہور
۶؎ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۷؎ زلف کو تیرے: لاہور

زمین طرحی ۱۱۴۳ھ

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

دل مرا مل کے بتاں[1] ساتھ مسلماں نہ ہوا — بت پرستی سے کبھو[2] گبر پشیماں نہ ہوا
کیا بڑا عیب[3] ہے اس جامۂ عریانی میں — چاک کرنے کو کبھی[4] اس میں گریباں نہ ہوا
ذبح کرنے کو مرے عید کے دن نکلا تھا — ہائے کیا روز[5] تھا افسوس[6] میں قرباں نہ ہوا
آتشِ[7] عشق سے دی اس کو ہزاروں آنچیں — تو بھی ایسا ہے یہ دلِ سرد کہ بریاں نہ ہوا
جی تو قربان کیا اوس ترک کماں ابرو پر — کیا کروں دل کو جو اوس تیر کا پیکاں نہ ہوا
دردِ[8] ہجراں کو ترے وصل نے درماں بخشا — للہ الحمد کہ محتاجِ طبیباں نہ ہوا

نزع کے وقت وہ حاتم نہ ہوا بالیں پر
مرتے مرتے بھی میں شرمندۂ احساں نہ ہوا

زمین طرحی ۱۱۷۸ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

دل دیکھتے ہی اس کو گرفتار ہو گیا — رسوائے شہر و کوچہ و بازار ہو گیا
مل مل کے میکشوں سے وہ میخوار ہوگیا — کیا خوب آدمی تھا پر اب خوار ہوگیا
دیکھی جو اس کے ہاتھ میں شمشیرِ خوش غلاف — حسرت سے سر بدن کے اوپر بار ہوگیا
اتنا میں انتظار کیا اس کی راہ میں — جو رفتہ رفتہ دل مرا بیمار ہوگیا
یک عمر بعد گھر مرے آیا وہ ناز سے — یعنی گزار اُس کا قضا کار ہوگیا
آنے کی ماندگی سے اسے نیند آگئی — گھر اپنا جان خواب میں دیدار[9] ہوگیا

---

۱ بتوں، کراچی
۲ کبھو: لندن ورام پور
۳ بڑا: لاہور۔ سخت کافر ہے کہ کافر ہو، کراچی
۴ کبھو، لندن ورام پور
۵ وقت: لندن
۶ اُس روز: لندن
۷ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۸ لاہور کے علاوہ یہ شعر کہیں نہیں ہے۔
۹ دل دار: لندن

میں تب ادب سے اس کے لگا پاؤں دابنے | سوئے مرے نصیب وہ بیدار ہوگیا
ایسا اٹھا خمار سے یک بار بے دماغ | صورت کو میری دیکھتے بیزار ہوگیا
آنکھیں[1] بدل کے منہ کو پھلا تیوری چڑھا | بیزار کیا گلے کا مرے ہار ہوگیا
کہنے لگا کہ یوں جی تو سمجھا تھا[2] دل میں کیا | چل دور ہو، پرے ہو، بہت یار ہوگیا

حاتم عجب ہے رسم یہ اقلیمِ عشق کی[3]
پاؤں کو ہاتھ لگتے گنہگار ہوگیا

زمین[4] طرحی ۱۱۷۱ھ

بحرِ مسطور

جاتے ہوئے ادھر بھی وہ جانا نہ ہوگیا | آئینہ خانہ دل کا پری خانہ ہوگیا
لکھتا تھا سوزِ دل کا میں اس شمع رو کے تئیں | کاغذ بھی تاؤ کھا پر پروانہ ہوگیا
زنجیر زلف کی ترے حلقوں[5] میں یک بیک | دل سا سیانہ[6] دیکھتے دیوانہ ہوگیا
ایسا[7] گرا میں اس کی نظر سے کہ بعدِ مرگ | میرے کبھو مزار تلک آ نہ ہوگیا
اس ناقدر شناس کی خدمت میں دوستاں | بدلا مری وفا کا جریمانہ ہوگیا
مسجد میں آج وعظ کا ہنگامہ گرم تھا | میرے قدم سے بزم حریفانہ ہوگیا

حاتم کا دل تھا شیشہ کی مانند بزم میں
ساقی کے فیضِ دست سے پیمانہ ہوگیا

---

۱ آنکھیں بدل کے منہ کو پھلا تیوری چڑھا: رام پور و لاہور اور لندن، تیوری چڑھا اور منہ پھلا: علی گڑھ
۲ ہے: لندن
۳ میں: لندن، رام پور، کان پور، کی: لاہور و علی گڑھ
۴ لندن میں یہ غزل حاشیہ پر درج ہے بغیر کسی سرخی کے۔
۵ حلقوں کے: لندن
۶ دل کا سا: لندن
۷ اتنا: لندن

زمین میر شاکر ناجی ۵۵ا[1]ھ

بحر[2] رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

گلشن اس گل بن مری نظروں میں ویراں ہوگیا — جھاڑ جھاڑ اور بوٹا بوٹا دشمنِ جاں ہوگیا
اس قدر کی صرف تسخیر پری رویاں میں عمر — رفتہ رفتہ نام میرا اب پری خواں ہوگیا
ایک نے پائی نہ اب تک نبض کی رفتار حیف — درد میرا تختۂ مشقِ طبیباں ہوگیا
اشک خوں آلود میرے اس قدر جاری ہیں آج — جا بجا لعلوں سے ہندستاں[3] بدخشاں ہوگیا
شور دریا تک ملاحت کا تری پہنچا ہے شور — بے نمک آگے ترے لب کے نمک داں ہوگیا

فیض صحبت کا تری حاتم عیاں ہے خلق[4] میں
طفلِ مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں ہوگیا

زمین[5] طرحی ۱۱۸۹ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف

تیری نگاہ سے آہ جو ہونا تھا ہوگیا — یہ تیر ناگہاں مرے دل کو پرو گیا
ملکِ عدم سے دہر کے ماتم کدے کے بیچ — آیا نہ کون کون کہ رونا نہ رو گیا
تیری طرف چلا تھا کہ طالع کے ضعف سے — پہلے قدم کے رکھتے میرا پاؤں سو گیا
ہووے گا عاقبت کو امیدِ ثمر اُسے — اس سر زمین میں تخم عمل کا جو بو گیا

حاتم قمار خانۂ ہستی میں آن کر
رکھتا تھا جو بساط دمِ نقد کھو گیا

---

[1] علی گڑھ میں سنہ سے پہلے درج ہے۔
[2] ۱۱۳۵ھ: لندن
[3] ہندستاں: لندن ورام پور
[4] ہند میں: لندن ورام پور
[5] لاہور میں یہ غزل اور ہے جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔

زمین[1] طرحی ۱۱۵۲ھ

بحر مسطور

تیری صورت پر نہ تنہا میں ہی مفتوں ہو گیا
جس نے دیکھا تجھ کو اے لیلیٰ سو مجنوں ہو گیا

پان[2] و مسّی کی تری تکرار تھی مجلس کے بیچ
اس قدر مبحث[3] ہوا آپس میں شب خوں ہو گیا

کچھ نہ پایا ہم نے کیا حکمت ہے خمخانے کے بیچ
جو کوئی[4] جا کر وہاں بیٹھا[5] فلاطوں ہو گیا

ہے عبث حاتم یہ سب مضمون و معنی کا تلاش
منہ سے جو نکلا سخن گو کے سو موزوں ہو گیا

زمین[6] مرزا مظہر جان جاناں ۱۱۳۰ھ[7]

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کیا جو فاختہ نے سرو اوپر آشیاں اپنا
مگر سولی اوپر چڑھ کر دیا چاہے ہے جاں اپنا

بغل سے چھوڑ مصحف کس روش نکلے وہ گلشن سے
کہ بلبل جانتی ہے باغبانِ گل کو قرآں اپنا

فلاطون کی طرح میں خم نشین ہوں اے کماں ابرو
کہ تیرے چشم کے گوشہ میں پایا ہے مکاں اپنا

قیامت اور عدم کے ہیں وہ منکر جا کے گلشن میں
دکھاوے سرو کو قد اور غنچے کو دہاں اپنا

وہ ابتر شوخ نافرمان جس دم پان کھاتا ہے
کرے ہے پھول لالا کے چمن میں پیکداں اپنا

وہی ہوتا ہے حاتم سب میں نامی بعد مرنے کے
جو جیتے جی مٹا دے آپ سے نام و نشاں اپنا

۱۔ لندن میں یہ سرخی دی ہے ''زمین ایضاً مختلف القافیہ در ۱۱۳۶ھ''

۲۔ پان و مسی کا تری اے جان تھا مجلس میں ذکر، علی گڑھ۔ لندن کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔

۳۔ جھگڑا، لندن

۴۔ جن نے دارو پی وہاں جا کر فلاطوں ہو گیا، لندن

۵۔ پہنچا، علی گڑھ

۶۔ زمین مرزا جان جاناں مظہر: لندن

۷۔ ۱۱۴۰ھ، لاہور و لندن

زمین[1] طرحی ۱۱۷۰[2]ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

جس کو دیکھا سو یہاں دشمنِ جاں ہے اپنا — دل کو جانے تھے ہم اپنا سو کہاں ہے اپنا
قصہٗ مجنوں و فرہاد بھی اک پردا ہے — جو فسانہ ہے یہاں شرح و بیاں ہے اپنا
وصف کہنے میں ترے حسن کے شرمندہ ہوں — اوس کے قابل نہ زباں ہے نہ دہاں ہے اپنا
جس کو جانا ہو بھلا اوس کو برا کیا کہیے — گو کہ بد وضع ہے پر اب تو میاں ہے اپنا

زمین طرحی ۱۱۴۵[3]ھ

بحر مسطور

چمن میں کیوں نہ باندھے عندلیب اب آشیاں اپنا — کہ جانے ہے گل اپنا گلشن اپنا باغباں اپنا
تصدق تجھ اوپر کرتا ہوں جون بلبل گلوں اوپر — دم اپنا ہوش اپنا جسم اپنا بلکہ جاں اپنا
مرے رونے سے ناصح تو جو ناخوش ہے سو کیا باعث — دل اپنا دامن اپنا دیدہ و اشکِ رواں اپنا
اٹھائیں کیوں نہ اس کے ناز نکتوڑے ہزاروں ہم — کہ ہے اٹکھیل اپنا لاڈلا اپنا میاں اپنا

گلایا آپ کو حاتم نے سر سے[4] پاؤں تک تجھ بن
رگ اپنا گوشت اپنا پوست اپنا استخواں اپنا

زمین طرحی ۱۱۶۲[5]ھ

بحر مسطور

نہیں آسان راہ عشق میں ثابت قدم رکھنا — لبوں کو خشک دل کو سرد اور چشموں کو نم رکھنا
جسے دیکھو سو جیتے جی ہی اپنا ہے کہ مردے کو — نکل جاتا ہے دم تو ہو ہے مشکل ایک دم رکھنا

---

۱ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۲ ۱۱۷۹ھ، لاہور
۳ ۱۱۴۰ھ، لاہور و رام پور
۴ سوں، لندن
۵ ۱۱۶۰ھ، لندن۔ ۱۱۶۲ھ، لاہور

یہ کس مذہب میں اور مشرب میں ہے ہندو مسلمانو
خدا کو چھوڑ دل میں الفت دیر و حرم رکھنا

ثمر چاہے تو مت گردن کشی کر سر نوا کر چل
کہ میوہ دار شاخوں کا نشاں ہے قد کو خم رکھنا

الٰہی تجھ سے اب کہتا ہے حاتمؔ اس زمانے میں
شرم رکھنا بھرم رکھنا دھرم رکھنا کرم رکھنا

زمین طرحی ۱۱۶۴ھ[1]

بحر مسطور

لب[2] حیرت زدہ وقت سخن وا ہو نہیں سکتا
زبان کی صورت ہے آئینہ گویا ہو نہیں سکتا

وفا گر ہوئے[3] دولت مند پر ہمت نہیں پاتا
جو قطرہ دُر ہوا سو پھر کے دریا ہو نہیں سکتا

مقلد[4] کو نہیں ہوتا ہے ہرگز بہرہ عرفاں سے
مثالِ دیدۂ تصویر بینا ہو نہیں سکتا

بہت معشوق ہیں دلچسپ عالم میں ولے دل[5] میں
ترے ہوتے جو دیجے[6] اور کو جا ہو نہیں سکتا

طلب[7] میں حق کی حاتمؔ ہے تری ہمت کی کوتاہی
وگرنہ حضرتِ انسان سے کیا ہو نہیں سکتا

زمین[8] طرحی ۱۱۹۲ھ

ہمارے چشم کے آگے سے اک عالم یہاں گزرا
جسے دیکھا سو خالی ہاتھ جو پیر و جواں گزرا

نہ جانا کس طرف گم ہوگیا ایسے رہے غافل
کہ آوازِ جرس سنتے ہی سنتے کارواں گزرا

تری مژگاں نے مارا بے مدد ابرو کی حیرت ہے
کہ دل کے پار میرے تیر کیونکر بے کماں گزرا

نہ پہنچی کان تک آواز تیرے یہ تعجب ہے
مرا تو نالہ و شور فغاں تا آسماں گزرا

نہ میں نے کچھ کہا تجھ سے نہ تو نے مجھ سے کچھ پوچھا
یوں ہی دن رات ملتے مجھ کو تجھ کو میری جاں گزرا

---

[1] ۱۱۶۹ھ، لندن۔ ۱۱۶۴ھ، لاہور
[2] دلی، کراچی
[3] ہوئے، لندن
[4] مقدر: کراچی
[5] لیکن دل میں اے پیارے، لندن و لاہور
[6] غیر: لندن و لاہور
[7] طلب میں حق اے حاتمؔ قصور ہمت کا ہے تیرے: لندن
[8] لاہور میں یہ غزل ہے۔

کہانی کہتے کہتے حال کی اپنے فجر کردی ترے دل میں بھی سن کر رحم کچھ اے نامہرباں گزرا
عجب طالع ہیں میرے باوجود اس جاں فشانی کے جو کچھ میں نے کہا خدمت میں سو تم پر گراں گزرا
یہاں تک مجھ سے ناخوش تھا کہ بعد از مرگ بھی ظالم جو میری خاک سے گزرا ہے تو دامن کشاں گزرا
مزا دنیا کا اپنی زندگانی تک ہے اے حاتم
جو ہم گزرے جہاں سے ہم نے جانا سب جہاں گزرا

زمین شرف الدین مضموںؔ ۱۱۳۶ھ

بحر رمل مسدس محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

تو[1] ہوا ہے جب سے ہم زانو مرا دل ہوا ہے تب سے اب یکسو مرا
ہر قدم پر سرو پانی ہو بہے جو چلے وہ قامتِ دل جو مرا
بحر و بر یکساں کیا رو رو کے آج تو بھی اب تھمتا نہیں آنسو مرا
تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے بوریا کا نقش ہم پہلو مرا
ہوں تری محراب ابرو کا غلام کیوں پھرے قبلہ سے جان[2] اب رو مرا
ہائے مجھ وحشی کو تنہا بن[3] میں چھوڑ کس طرف کو رم کیا[4] آہو مرا
وصف میں تجھ کاکلِ پرپیچ کے ہے زبانِ شانہ چوں ہر مو مرا
زلف کے کوچے میں جب جاتا ہے دل مغز ہو جاتا ہے اب خوشبو مرا
زور ہے سارے پری رویاں میں تو لے گیا ہے دل دکھا بازو مرا
کیا ہوا جو غیر سوں ملنے لگا پھر بھی تو ہوگا کبھو قابو مرا
ناک میں حسرت سیں جی آیا ہے وہ کب بلاوے گا مجھے بدخو مرا
حاتمِ بے کس کا تجھ بن کون ہے
کون ہووے جو نہ ہووے تو مرا

---

[1] دہلی میں بارہ اشعار ہیں۔ دوسرے نسخوں میں سات اشعار ہیں۔ کان پور میں صرف تین اشعار کا انتخاب ہے۔ مقطع سے قبل کے پانچوں اشعار شاملِ متن کیے گئے ہیں۔

[2] پیاری، لندن [3] بن میں چھوڑ، لندن

[4] گیا، علی گڑھ

زمین[1] کوکہ خاں فغاں ۱۱۵۹ھ

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

وہ چشمِ سیہ راہ میں جاتے نظر آیا — آنکھوں میں نگہ[2] اس کی سے نورِ بصر آیا
پھرتا ہے گویا چشمۂ حیواں کے اوپر خضر — یوں گرد لبوں کے تری سبزہ[3] اتر آیا
سن کر لبِ مرجاں دُرِ دنداں کی شہرت — صدقے کے تئیں لے کے میں لعل و گہر آیا
شمشیر ترے ہاتھ میں اب دیکھ کے عریاں — دل لے کے مقابل ترے سینہ سپر آیا
پوچھا بھی نہ حاتم کو کبھو دیکھ کے اس نے[4]
ہے کون کہاں کا ہے کہاں سے کدھر[5] آیا

زمین[6] مرزا مظہر ۱۱۹۲ھ

بحر ہزج مثمن سالم

سحر کو آنکھ کھلتے لے کے ساقی مے کا جام آیا — ادھر جوں آفتابِ صبح وہ محشر خرام آیا
کسی معشوق کی شیخی نہیں جاتی ہے اس آگے — جو آیا روبرو سو دور سے کرتا سلام آیا
کیا تھا دن کا وعدہ رات کو آیا تو کیا شکوہ — اسے بھولا نہیں کہتے جو بھولا گھر میں شام آیا
خلل اس نے مچایا سرو اور قمری کے سودے میں — چمن میں جب نکلتا ناز سے وہ خوش خرام آیا
وہیں مجلس سے اٹھ بھاگا شتابی بے دماغی سے — زباں پر جوں کسی کے اتفاقاً میرا نام آیا
دیا تب حق نے بدلا صبر کا جب پاس وہ بیٹھے — کہ اس کا نامہ بر کے ہاتھ ملنے کا پیام آیا
جواں مارا گیا حاتم بقول میرزا مظہر
برا تھا یا بھلا تھا جس طرح تھا خوب کام آیا

---

[1] ۱۱۶۱ھ: لندن
[2] میرے دیکھتے، لندن
[3] سبزا: لندن و رام پور
[4] اُن نے، لندن
[5] ہے: علی گڑھ، تھا: لاہور و لندن
[6] لاہور میں یہ غزل ہے جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔ صرف انتخاب حسرت (کان پور) میں ہے۔

زمین طرحی[۱] ۱۱۶۷[۲]ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کرے اس زلف کی موجوں اوپر گر یک نظر دریا
پریشانی سے بھولے لہر اپنی سر بسر دریا

حباب آسا پڑا[۳] ہے آ کے گردابِ خرابی میں
کرے تھا رشک اس[۴] چینِ جبیں کو دیکھ کر دریا

نہیں ہے بیٹھنے مجنوں کو خالی ایک جا بن میں
ہوا ہے فیضِ چشموں سے ہماری اس قدر دریا

چڑھا تھا ہم سے دعویٰ کر کے دیکھو ہٹ گیا آخر
ہمارے زور چشموں کا نہ جانے تھا مگر دریا

مرے آنسو کے موتی کے مقابل کو تلاشوں سے
گدا ہو کر صدف سے مانگ لایا ہے گہر دریا

ہمارے دل کی لہروں سے سمندر بھی[۵] نہیں محرم
جو واقف[۶] ہو تو شاید بحرِ غم ہووے نہ ہر دریا

اگر طوفانِ غم آیا ہے اور کشتی نہیں حاتم
تو لے کر ناؤ حیدر پیر کر یہ پار اُتر دریا

زمین میر شاکر ناجی ۱۱۳۷ھ

بحر[۷] ہزج مسطور

کشش سے دل کی اس ابرو کماں کو ہم رکھا بہلا
جو کر قبضے میں دل سب کا پھرے تھا سب سے وہ گہلا

جو گزرا عرش سے یہ نہ فلک کرسی ہے اس آگے
کرے ہے لامکاں کی سیر عاشق چھوڑ نو محلا

تھکا آخر کو مجنوں غم سے راہِ عشق میں میرے
غبار خاطر و آنسو[۸] کی بارش دیکھ کر چھلا

گلابی لعل کی ہوئی ہر کلی مے نوش سن تجھ کو
چمن میں ہے کھڑی لے جام نیلم نرگسِ شہلا

رکھی ہے ہم نے بازی زور سے شمشیر کے دشمن
کیا چاہے تھا سر واسوخت ہو مجھ نقش سے دہلا

تمہارے حسن کے گلشن میں پیارے کچھ نہ چھوڑوں گا
رقیبوں کے سر اوپر چڑھ کے توڑوں گا یہ پھل پہلا

نہ تھا ناجی کو لازم طعن کرنا ہر سخن گو پر
جواب اس شعر غزل کا حاتم نہیں کچھ کام تو کہلا

۱۔ لندن میں لفظ 'طرحی' نہیں ہے۔
۲۔ ۱۱۴۷ھ، لاہور
۳۔ پڑا ہے جوں حباب آ کر کے، لندن
۴۔ تجھ، کراچی
۵۔ بھی، لندن و لاہور و رام پور۔ ہی، علی گڑھ
۶۔ محرم ہو، لندن
۷۔ فی بحر ہزج مثمن سالم مسطور، لندن
۸۔ انجھواں، دہلی

زمین[1] شرف الدین مضمون ۱۱۳۱ھ

بحر مضارع مثمن اخرب۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

تاریک گھر کوں میرے آ کر کرو اُجالا
اس ماہ رو سے کہیو جاتی ہے رات حالا

جو دلبری میں اس کی لاشک کرے تھا جھگڑا
سب کو سند ہوئی جب دلبر نے خط نکالا

تیری نگہ کا ظالم چرچا ہے عاشقوں میں
کوئی کہے ہے برچھی کوئی کہے ہے بھالا

چشموں کی راہ دل سیں دریا امنڈ چلے ہیں
مچھلی نمن تڑپھ جب کرتا ہوں آہ و نالا

زور آوری سوں لڑ کے حاتمؔ کے پاس آئے
جو ہے رقیب سرکش سب کو دیا ہے بالا

زمین[2] طرحی ۱۱۳۴ھ

بحر[3] ہزج مسطور

لگے ہے زخم دل پر ہر برس برسات میں دونا
کہ بجلی جوں سروہی ہوئے ہے اور ابر جوں اونا

نگہ کرتے گرا بے ہوش ہو جوں مست گرتا ہے
لبِ میگوں سے تیرے پان کھاتے پیک کا چونا

لگا مت ہاتھ اس کی زلف کو اے بوالہوس ہرگز
کہ مشکل ہے گا ان کالوں کو بن منتر پڑھے چھونا

میں اک دن یار کے ناخن اوپر مہدی لگاتا تھا
ہوا ہے دشمنوں کے چشم میں اس دن سے ناخونا

لگایا[4] دل کو حاتمؔ نے کبھو نہ کبھو تو ایسے سے
کہ ہے مشہور وہ سب میں کھپرا اور بے کھڑ کھونا

---

[1] دہلی و لندن کے علاوہ کسی اور نسخہ میں یہ غزل نہیں ہے۔ لندن میں آخر کے دونوں شعر نہیں ہیں۔

[2] فی بحر ہزج مثمن سالم مفاعیلن ۴: لندن

[3] لندن میں سنہ نہیں دیا۔

[4] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

تضمین[۱] مصرعِ مہربان خاں رند ۱۱۹۴ھ

بحر مضارع مسدس۔ مفعول مفاعلن فعولن

اس منہ سے کلام کچھ نہ نکلا   جز تیرا ہی نام کچھ نہ نکلا
قاصد کی زبان سے اس کے آگے   پیغام و سلام کچھ نہ نکلا
دل جانے تھے عشق میں ہے پختہ   تھا بسکہ یہ خام کچھ نہ نکلا
بازار سے آئے ہاتھ خالی   کیسے میں سے دام کچھ نہ نکلا
چاہیں تھے کہ دیں کسی کو کچھ ہم   گھر ڈھونڈا تمام کچھ نہ نکلا
یک عمر ہوئی خراب پھرتے   مجھ سے میرا کام کچھ نہ نکلا
حاتم کو خوش آیا مصرع رند
یارب یہ غلام کچھ نہ نکلا

زمین[۲] طرحی ۱۱۵۱ھ

بحر[۳] مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

آبِ حیات جا کے کسی نے پیا تو کیا   گو خضر ہو اکیلا جہاں[۴] میں جیا تو کیا
شیرین لبان سنگ دلوں کو اثر نہیں   فرہاد کام کوہکنی کا لیا تو کیا
جلنا ہمیشہ شمع صفت سخت کام ہے   پروانہ کی طرح سے اگر جی دیا تو کیا
ناسور ہو گیا ہے نہ ہوگا کبھی وہ بند   جرّاح زخمِ عشق کو آ کر سیا تو کیا
محتاجگی سے مجھ کو نہیں ایک دم فراغ
حق نے جہاں میں نام کو حاتم کیا تو کیا

زمین[۵] طرحی ۱۱۴۱ھ

آزاد ہے تو دور کر اب دل سوں رو ریا   لازم نہیں فقیر کوں دنیا میں بوریا

۱؎ لاہور میں یہ غزل ہے جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔   ۲؎ ۱۱۳۵ھ، لندن ولاہور
۳؎ لندن میں بحر یا وزن کچھ نہیں دیا۔   ۴؎ جہاں میں اکیلا، رام پور ولاہور   ۵؎ دہلی اور لندن میں یہ غزل ہے۔

یہ نفسِ بد سدا سیں ترا سگ صفت جو تھا　　تن سکھ کے واسطے تو ہوا کیوں ہے ڈوریا
گر خیر سج بنا کے قلندر ہوا تو کیا　　وہ مرد ہے جہاں میں کہ جس میں نہ ہوریا
دشمن ہوں بال بال کا اوس کا سدا ستی　　پاؤں ہوں جس کے دل میں اگر ایک موریا
گو بے ریا نہیں تو سراسر ریا بھی نئیں
حاتم کے اس سخن کے تئیں جن کھوریا

زمین طرحی ۱۱۴۵ھ

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

حسرت تھی مجھے یار نہ دیکھا تھا سو دیکھا　　مدت سے وہ دیدار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
رخسار گل و غنچہ دہن چشم ہے نرگس　　اس طرح کا گلزار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
چشموں سے برستے ہیں مرے اشک کے موتی　　یہ ابر گہر بار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
آنکھوں کو نظر کر کے تری سارے جہاں میں　　ہم[1] آپ سا بیمار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
عصیان کے سوا کام نہیں اس کو کسی سے
حاتم سا گنہگار نہ دیکھا تھا سو دیکھا

زمین[2] طرحی محمد امان نثار ۱۱۸۸ھ

بحر مضارع مسطور

سفلوں کو تو نے بات میں چلتے لگا لیا　　نکتے میں تیرے ظرف کو کم ظرف پا لیا
باہل بتا کے ہم کو چلا تھا کسی کے پاس　　ہم نے بھی زور راہ میں جاتے کو جا لیا
کھولی[3] تھی اس نے زلف کہ دے مجھ کو آہ پیچ　　ناگہ بلا سے خوب خدا نے بچا لیا
نرگس نے اس سے آنکھ ملائی تھی باغ میں　　شرمندہ ہو کے سر کو پھر آخر نوا لیا

---

۱ میں، لندن

۲ لندن میں یہ غزل نہیں ہے، رام پور اور علی گڑھ میں ردیف اور قافیہ بدلا ہوا ہے۔

۳ کھولی تھی زلف اس نے کہ دے مجھ کو پیچ میں: لاہور

دنیا و دیں کا غم نہیں حاتم کو اے نثار[1]
جب ہاتھ اس نے دونوں جہاں[2] سے اٹھالیا

زمین طرحی ۱۱۵۷ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

دیکھے اگر تو باغ میں، سوئے گل گلاب — ہو جائے سرخ پھول کے روئے گل گلاب
مت منہ لگا چمن میں گلابی کو بادہ نوش — غنچوں نے بھر رکھے ہیں سبوئے گل گلاب
کیونکر نہ مست ہوں تری صحبت سے اہلِ بزم — آتی ہے[3] منہ سے اب ترے بوئے گل گلاب
مستو خمار توڑیں چلو میکدہ کے بیچ — بہتی ہے آج خم سے تو جوئے گل گلاب
کیفیتوں سے دور ہے بازار کی شراب[4]
حاتم چل اب وہاں جہاں چوئے گل گلاب

زمین طرحی ۱۱۵۱ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

نکلے اگر جہاں میں سحر گاہ آفتاب — چھپ جائے دیکھ کر تجھے اے ماہ آفتاب
آ کر[5] تری گلی میں قدم بوس کے لیے — پھر آسماں کی بھول گیا راہ آفتاب
آتا[6] ہے صبح اٹھ کے زیارت کے واسطے — گھر کو تمہارے جان کے درگاہ آفتاب
لاوے تو نذر ہے طبقِ زر نظر[7] کرو — بھر[8] بھر کرن سے تجھ لیے ہمراہ آفتاب
حاتم سحر[9] سے شام تک حاضر رہے ہے دیکھ[10]
ہے اس کے چاکروں میں ہوا خواہ آفتاب

۱۔ صنم: علی گڑھ، رام پور
۲۔ جہان، علی گڑھ
۳۔ آتی ہے تجھ دہن سے تی، کراچی
۴۔ بازار کی شراب میں کچھ کیفیت نہیں، کراچی
۵۔ آیا۔ لندن۔ آیا تھا تجھ گلی میں، کراچی
۶۔ آتا ہے ہر سحر کو زیارت کی قصد سے، لندن، آتا ہے ہر صبح کو زیارت کا قصد کر، کراچی
۷۔ نظر۔ علی گڑھ، رام پور، کراچی
۸۔ بھر۔ علی گڑھ، رام پور
۹۔ لندن میں یہ مقطع نہیں ہے۔ صبح، کراچی
۱۰۔ وہ۔ کراچی

زمین[1] طرحی ۱۱۶۲ھ

بحر[2] مجتث مخبوں مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات

کنارِ آب ہے اور میکشاں شبِ مہتاب　　چلی لو کشتیٔ مے پھر کہاں شبِ مہتاب
مجھے شراب سے مانع نہیں ہے موئے سپید　　دو چند لطف ہے ہوئے[3] جہاں شبِ مہتاب
نہیں ہے بزم میں ہم مفلسوں کی حاجتِ شمع　　کہ ہے زمین سے تا آسماں شبِ مہتاب
چلو تو خوب ہے اس وقت پہنچیں منزل کو　　ہوائے سرد ہے اور کارواں شبِ مہتاب

شراب[4] و ساقی و مطرب ہے جمع حاتمؔ پاس
شتاب آؤ کہ ہے دوستاں شبِ مہتاب

زمین طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن[5] فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

حسن کے دریا سے تیرے[6] اب ہے پیدا موجِ آب　　اور عرق منہ پر ترے ہے گا ہویدا موجِ آب
مو بہ مو اور ہی ہے آب و تاب تیری زلف میں　　اس کی موجوں[7] کے مقابل ہو سکے کیا موجِ آب
دیکھ کر چینِ جبیں تیری کو رشکِ حسنِ چیں　　چین پیشانی اوپر لایا ہے دریا موجِ آب
سبزۂ خط ایسا لہراتا ہے رخساروں اوپر　　ہے چمن میں حسن کے قدرت کا گویا موجِ آب

ہیں پھپھولے رشک سے دریا کی چھاتی پر حباب
جاری ہے حاتمؔ مرے چشموں سے ایسا موجِ آب

۱؎ ۱۱۶۲ھ، رام پور، لاہور و لندن، ۱۱۶۳ھ علی گڑھ
۲؎ فی بحر مجتث مثمن مخبوں مقصور، لندن
۳؎ ہو ہے، لندن
۴؎ ساغر، لندن
۵؎ فاعلن، علی گڑھ
۶؎ دیکھو، لندن
۷؎ زلفوں، علی گڑھ

زمین[1] فرمائش فلانی بیگم[2] ۱۱۶۶ھ

بحر رمل مثمن مقصور مسطور

غیر کے چھپ چھپ کے جاتے ہو بھلا جی بہت خوب
ہم سے پھر باتیں بناتے ہو بھلا جی بہت خوب

رات کی صحبت کہے دیتا ہے سب چہرے کا رنگ
کیا ہوا جو تم چھپاتے ہو بھلا جی بہت خوب

سالہا گزرے ہیں اے پیماں شکن وعدوں کے بیچ
اب تلک ہم پاس آتے ہو بھلا جی بہت خوب

اس طرح جو تم کھلے بندوں ہو بیٹھے بزم میں
کس کو یہ چھاتی دکھاتے ہو بھلا جی بہت خوب

رنگ پاں سے ان مسی مالیدہ ہونٹوں کے اوپر
کس لیے بیڑی جماتے ہوئے بھلا جی بہت خوب

بات کرتے[3] ہو کسی سے پھیرتے ہو ہم سے رو
اپنے حاتم کو کڑھاتے ہو بھلا جی بہت خوب

زمین عبدالحیٔ تاباں ۱۱۵۹ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعلین مفاعیلن

کروں ہوں رات دن پھیرے کئی پھیرے میاں صاحب
کبھی تو بھی[4] نہ پایا تم کو ہم ڈیرے میاں صاحب

اٹھاویں کیوں نہ نکتوڑے کہ ہم چاکر ہیں الفت کے
وگرنہ تم سے عالم میں ہیں بہتیرے میاں صاحب

جہاں کے خوبصورت ہم بہت[5] تاڑیں ہیں نظروں میں
تو[6] سب کا سب طرح صاحب ہے اے میرے میاں صاحب

یہی ہوتی ہے عاشق پروری کی شرط ہے ظالم
کہ ہم مرتے ہیں تم جاتے ہو منہ پھیرے میاں صاحب

برا کرتے ہو جو گھر سے نکل جاتے ہو حاتم کے
نشے میں مست اجیالے واندھیرے میاں صاحب

۱۔ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۲۔ لاہور میں 'فلانی بیگم' درج نہیں ہے۔
۳۔ کہتے ہو۔ رام پور و لاہور ۴۔ کبھو بھی تو، لاہور۔ کبھی ڈھونڈی ہے، لندن
۵۔ خوب ہم، لندن
۶۔ تو سب کا صاحب ہے سب بیچ اے میرے میاں صاحب، لندن۔ اور سب ہیں ترے چیرے، کراچی

زمین شرف الدین مضموںؔ ۱۱۴۶ ہجری

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

نہ اتنا چاہیے اے پرشکم خواب　　کہ تیرے حق میں، ہے ظالم ستم خواب
خیالِ ماہ رو میں تادمِ صبح　　نہ آیا رات مجھ کو ایک دم خواب
کہو تو کس طرح آوے وہاں نیند　　جہاں خورشید رو ہو آکے ہم خواب
پلک لگتے نہیں کیا اوڑ گیا ہے　　نصیبوں کا ترے اے چشم نم خواب
ہمیں[1] بہتر ہے سونا جاگنے سے　　بھلاتا ہے ہمارا درد و غم خواب

کہے تھا رات کو حاتمؔ سے مضموںؔ
مجھے مخمل اوپر آتا ہے کم خواب

زمین طرحی ۱۱۶۲ھ

بحر رمل مثمن مخبون مقصور۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات

ایسا دنیا میں نہ ہوگا کوئی ویرانہ خراب[2]　　جس طرح سے ہے مرا[3] یہ دلِ دیوانہ خراب
تو نے غارت کیا گھر بیٹھے گھر اک عالم کا　　خانہ آباد ہو تیرا اے مرے خانہ خراب
روشنی دیکھ کے مجلس میں ترے مکھڑے کی　　شمع بجھنے لگی کیونکر نہ ہو پروانہ خراب
کہاں[4] جاتا ہے مجھے چھوڑ کے اے رونقِ بزم　　تیرے اٹھ جانے سے ہو جائے گا کاشانہ خراب
آنکھ[5] اٹھا کر جو تو دیکھے تو وہیں ہو جائے　　ایک گردش میں ترے چشم کی میخانہ خراب
دلِ صد چاک مرا راہ یہاں[6] کب پائے　　کوچۂ زلف میں پھرتا ہے ترے شانہ خراب

شکوہ حاتمؔ سے تو فدوی کا نہ کچھ ہرگز
آشناؤں میں تو ہوگا بتِ بیگانہ خراب

۱۔ ہمیں سونا ہے بہتر، علی گڑھ　　۲۔ ایسا عالم میں نہ دیکھا، کراچی
۳۔ ہو گیا جیسا مرا یہ، کراچی　　۴۔ پھرنے لگا، لندن
۵۔ آنکھ اٹھا کر ابھی دیکھے تو ابھی ہو جاوے، لندن　　۶۔ وہاں، کراچی

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

ساقی مجھے خمار ستائے[1] ہے لاشراب   مرتا ہوں تشنگی سے اے ظالم پلا شراب
مدت سے آرزو ہے خدا وہ گھڑی کرے   ہم تم پئیں جو مل کے کہیں ایک جا شراب
مشرب میں تو درست خراباتیوں[2] کے ہے   مذہب میں زاہدوں کے نہیں گر روا شراب
ساقی کے تئیں بلاؤ اٹھا دو طبیب کو   مستوں کے ہے مرض کی جہاں میں دوا شراب

بے روئے یارو مطرب و ابرو بہار و باغ
حاتم کے تئیں کبھی نہ پلائے خدا شراب

زمین[3] طرحی ۱۱۵۶ ہجری

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

نکلا ہے مست آج مرا یار ہے غضب   عریاں ہے[4] اس کے ہاتھ میں تروار ہے غضب
شرم و حیا[5] اوڑا کے وہ آوارہ ہوگیا   پھرنے لگا ہے کوچہ و بازار ہے غضب
کہنے لگا طبیب[6] مری نبض دیکھ کر   کوئی روز[7] کو مرے گا یہ بیمار ہے غضب
دل اس کی تارِ زلف کے بل میں اولجھ گیا   سلجھے گا کس طرح سے یہ بستار ہے غضب

کیونکر[8] لگے نہ خار سا حاتم جگر کے بیچ
اس نے سجا ہے پہنٹیہ نک دار ہے غضب

---

۱ ستائے، علی گڑھ   ۲ مشرب میں عاشقوں کے یہ پینا روا تو ہے، کراچی
۳ لندن میں اس غزل کی کوئی سرخی نہیں ہے۔   ۴ لندن و کراچی
۵ چھوڑ کے، کراچی   ۶ حکیم، کراچی
۷ لندن چنگا نہیں یہ ہووے گا، کراچی   ۸ کیوں کر نہ خار سا چبھے، کراچی

زمین طرحی ۱۱۶۳ھ[1]

بحر مجتث مثمن مخبوں مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات

ہے تیرا منہ کھلے بالوں میں اس طرح محبوب — کہ جیسے شام کو[2] ہوتا ہے آفتاب غروب
ٹک ایک دیکھ زلیخا کہ چاہ یوسف میں — گیا ہے گریہ سے اب نور دیدۂ یعقوب
کہوں ہوں سرو کے تئیں چوب نا تراشیدہ — تمہاری اس چھب و تختی کا دیکھ کر اسلوب
میں دل جلوں کی حقیقت کا شمع رو کے تئیں — بجا ہے گر پر پروانہ پر لکھوں مکتوب

جو تیرا دل پھرے حاتم کا اختیار نہیں
کہ ہے گا جان سبھوں کا خدا کے ہاتھ قلوب

زمین طرحی ۱۱۴۱ھ[3]

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

زندگی ہے بحر میں تن کے تری مثل حباب — تس میں جاری رات دن ہے ہر نفس جوں موجِ آب
مزرع دنیا میں دانا ہے تو ڈر کر ہاتھ ڈال[4] — ایک دن دینا ہے تجھ کو دانے دانے کا حساب
کیوں نہ اس دم جاں بلب ہووے پیالے[5] کی طرح — شوخ کی انکھیاں گلابی آج ہیں مستِ شراب
عشق[6] اس کا آن کر یکبارگی سب لے گیا — جان سے آرام سر سے ہوش اور چشموں سے خواب
اس طرف سے انکسار و عجز و منت و مبدم — اس طرف[7] سے غمزہ و جور و جفا ناز و عتاب
سیر[8] کر عالم کی پی کے حسن کے دیوان میں — متفق ہو کر کیا ہے بیتِ ابر و انتخاب

یار اور حاتم دوئی کو دور کر ایک ہوگئے
جب ہوا دل صاف تب جاتا رہا سارا حجاب

۱۔ ۱۱۶۲ھ، رام پور و لندن
۲۔ رام پور، لندن
۳۔ رام پور و علی گڑھ میں ۱۱۶۱ھ ہے۔
۴۔ ہاتھ ڈال، رام پور و علی گڑھ
۵۔ مثل، دہلی
۶۔ شوق، لندن، خیال، کراچی و دہلی
۷۔ اس طرف سے غمزہ و ناز و جفا جور و عتاب، لندن، دہلی، لاہور، علی گڑھ، رام پور کا متن درج کیا گیا ہے۔
۸۔ دہلی اور لندن کے علاوہ دوسرے نسخوں میں یہ شعر نہیں ملتا۔

زمین[1] طرحی ۱۱۶۳ھ

بحر رمل مثمن مقصور

کس طرف کو یوں کھلے بندوں چلے جاتے ہیں آپ
کس کے گھر اس آن سے تشریف فرماتے ہیں آپ

ہم سیہ بختوں سے ناحق کیا ہے اتنا پیچ و تاب
نام لیں ہم زلف کا سن سن کے بل کھاتے ہیں آپ

شمع[2] کوڑھن کو نکالو بزم سے جائے کلنگ
چاند سا مکھڑا لیے مجلس میں اب آتے ہیں آپ

بے تکلف دل میں تم آکر بسو[3] دل کھول کر
آپ کا گھر ہے یہاں اب کس سے شرماتے ہیں آپ

طالبِ باراں نہیں حاتم ہمارا کشتِ[4] عشق
اپنے چشموں سے وہاں ہم مینہ برساتے ہیں آپ

زمین طرحی ۱۱۵۳ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ہماری آہ میں اتنی نہ ہوئی تاثیر یا قسمت
جو کرتا[5] اس پری رو کے تئیں تسخیر یا قسمت

لگاتے ہاتھ اس کی زلف نے دل کو کیا قیدی
نصیبوں سے مرے وہ ہوگئی زنجیر یا قسمت

کمر باندھے ہے غمازوں کے جا جا کر لگانے سے
ہمارے قتل پر قاتل نے بے تقصیر یا قسمت

وہ آہو چشم ہم سے رام ہو رم کر گیا آخر
چڑھا تھا داؤ پر جاتا رہا نخچیر یا قسمت

ہوا تھا خواب میں وہ دوست جاگے پر ہوا دشمن
ہمارے خواب کی الٹی ہوئی تعبیر یا قسمت

نہیں کچھ پیش رفت ہوتا ہمارا عشق سے حاتم
ازل کے روز سے کی تھی یونہی تقدیر یا قسمت

---

[1] لندن میں اس غزل کا کوئی عنوان نہیں دیا گیا۔

[2] شمع کے اس وقت سر کو کاٹ کر دھر ناٹا نک دد۔ کراچی

[3] جی، لندن

[4] کھیت، لاہور و لندن

[5] کہ آتا دام میں میرے وہ عالم گیر، کراچی

زمین[1] طرحی ۱۱۵۱[2]ھ

بحر مسطور

ہوئی[3] یک عمر رکھتے دل میں اس کی آس یا قسمت
کسو دن بھی نہ آیا وہ ہمارے پاس یا قسمت

بہت[4] کی آرزو اس سیم بر کے پاس[5] سونے کی
کبھی[6] یہ کیمیا ہم کو نہ آئی راس یا قسمت

بھنور ہو کر پھرا میں، دیکھتا ہر ایک گلشن میں
کسو گل میں نہ پائی گل بدن کی باس یا قسمت

ہم[7] اُن بندوں میں ہیں جو بات کہتے[8] سر کو دے ڈالیں
تس او پر بھی رکھے گر دل میں تو وسواس یا قسمت

خدا نے سب طرح کی دی ہے نعمت شکر ہے لیکن
مجھے حاتم مری ہمت سے ہے افلاس یا قسمت

زمین[9] طرحی ۱۱۵۴ھ

بحر ہزج مسطور

خوشی معلوم تیرے غم میں رونے کی نہیں فرصت
نگہ کے تار میں یہ دُر پرونے کی نہیں فرصت

ہوا ہوں اس قدر دریائے عصیاں میں میں تر دامن
کہ اُس آلودگی کو دل سے دھونے کی نہیں فرصت

زمینِ دل میں چاہوں ہوں کہ کچھ تخمِ عمل بوؤں
کروں کیا عمر کم فرصت سے بونے کی نہیں فرصت

تمنا میں تیری اے سیمبر پتھرا گئیں آنکھیں
مثالِ[10] دیدۂ نرگس کے سونے کی نہیں فرصت

بتنگ آیا ہوں اس جاہل کے ہاتھوں اس قدر حاتم
کہ پانی میں کتابوں کے ڈبونے کی نہیں فرصت

۱۔ لندن میں اس غزل کا کوئی عنوان نہیں ہے۔
۲۔ ۱۱۵۳ھ، لاہور
۳۔ ہوئی ایک عمر اس کی دل میں رکھتی آس یا قسمت = کسو دن وہ نہ آیا ایک ساعت پاس یا قسمت، لندن، دو گھڑی ہم، کراچی
۴۔ لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔
۵۔ ساتھ، لندن
۶۔ کبھو، لندن
۷۔ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۸۔ جو بات کہتے سر کو، لاہور
۹۔ لندن میں بغیر کسی سرخی کے ہے۔ ۱۱۵۵ھ۔ لاہور
۱۰۔ مثالِ آب، لاہور

زمین[1] طرحی ۱۱۵۶ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات

رہے ہیں شام سے ہم انتظار ساری رات | امیدِ وصل اُوپر بے قرار ساری رات
ہوا[2] کیا ہوں میں قرباں صبح ہوتے تک | اے شمع رو ترے پروانہ وار ساری رات
ہزار شکر خدا کا کہ بعد مدت[3] کے | رہا ہے یار مرے ہمکنار ساری رات
کسو[4] طرح سے سحر تک مری پلک نہ لگی | ترے خیال میں بے اختیار ساری رات

شراب و ساقی و مطرب شمیمِ گل شب ماہ
عجب تھی بزم میں حاتم بہار ساری رات

زمین[5] طرحی ۱۱۶۴[6]ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

چمن میں دہر کے ہر گل ہے کان کی صورت | ہر ایک غنچہ ہے اس میں زبان کی صورت
نہیں ہے شکوہ اگر وہ نظر نہیں آتا | کسو نے دیکھی نہیں اپنی جان کی صورت
کہیں تو سب ہیں جہاں کو رباطِ کہنہ ولے | ہمیشہ ہے گی نئی اس مکان کی صورت
جو دیکھتا ہے سو پہچانتا نہیں، ایسی | بدل گئی ہے دلِ ناتوان کی صورت
جو نکلی بیضے سے بلبل تو ہوئی اسیرِ قفس | نہ دیکھی کھول کے آنکھ آشیان کی صورت
اگر ہزار مصور خیال دل میں کریں | کبھو نہ کھینچ سکیں اس کی آن کی صورت
فلک کے خوان اوپر اس کی تنگ چشمی سے | کبھو نظر نہ پڑی میہمان کی صورت

گھڑی[7] گھڑی میں بدلتا ہے رنگ اے حاتم
ہمیشہ بوقلموں ہے جہان کی صورت

۱۔ لندن میں بغیر کسی سرخی کے ہے۔
۲۔ ہوا کیا ہوں تصدق میں صبح ہوتے تک، لندن
۳۔ برسوں، لندن
۴۔ کسی۔ علی گڑھ
۵۔ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۶۔ ۱۱۶۲ ہجری، لاہور
۷۔ لاہور میں اس غزل کا یہ مقطع اضافہ ہے۔

زمین[1] طرحی ۱۱۵۴ھ

بحر رمل مسدس مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

شہر میں پھرتا ہے وہ میخوار[2] مست — کیوں نہ ہو ہر کوچہ و بازار مست
ہوگئی اس کا قد و رخسار دیکھ — سرو قمری، بلبل و گلزار مست
زاہدو[3] اٹھ جاؤ مجلس سے کہ آج — بے طرح آتا ہے وہ مے خوار مست
جس[4] کے گھر جاتا ہے وہ دارو پیئے — ہو ہے اس گھر کے در و دیوار مست
سر کو[5] قدموں پر دھر اس کے لوٹئے — رات کو آئے اگر وہ یار مست

میکشو حاتمؔ کو متوالا کہو
ایسا ہم دیکھا نہیں ہشیار مست

زمین طرحی ۱۱۴۷ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فَعِلن

جِس کو ہے گل عذار کی حسرت — کب ہے اس کو بہار کی حسرت
آ گئی مرگ وہ نہ آیا حیف — رہ گئی دل میں یار کی حسرت
ہے گی دشتِ جنوں میں مدت سے — میرے پاؤں کو خار کی حسرت
ہے چمن بیچ دل میں لالا کے — اس دلِ داغ دار کی حسرت

تجھ سے رکھتا ہے جانِ من[6] حاتمؔ
جی میں بوس و کنار کی حسرت

---

1. لندن میں اس غزل پر سرخی نہیں ہے۔
2. خونخوار، لندن، سرشار، کراچی
3. لندن میں یہ شعر اضافہ ہے۔
4. جس گھڑی، لندن
5. لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
6. دمبدم، لندن

زمین طرحی ۱۱۴۱ھ

بحر خفیف مخبوں مقصور۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات

عشق میں پاسِ[۱] جاں نہیں ہے درست
اس سخن میں گماں نہیں ہے درست

کسو[۲] مذہب میں اور مشرب میں
ظلم اے مہرباں نہیں ہے درست

ڈر نہ دشمن کو کڑکڑانے دے
بانگ مرغے کی یاں[۳] نہیں ہے درست[۴]

کئی دیوان لکھ چکا حاتم
اب تلک پر زباں نہیں ہے درست

زمین[۵] طرحی ۱۱۴۹ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

دیکھ کر اس کا دہن اور سن کے وہ شیریں نکات
کان میں بلبل کے خوش لگتی نہیں غنچے کی بات

وصف انکھیوں کا لکھا ہم نے گلِ بادام پر
کر کے نرگس کو قلم اور چشمِ آہو کی دوات

خوب سا اس کا پیوں لوہو اگر پاؤں کبھو
خوں ہوا ہے دل مرا ظالم تری مہندی کے ہات

جی اوٹھوں پھر کر اگر تو ایک بوسہ دے مجھے
چوسنا لب کا ترے ہے مجھ کو جوں آبِ حیات

باغِ دنیا میں نہیں، بیکار حاتم ایک خس
ذکر کرتا ہے خدا کی یاد میں ہر پات پات

---

۱ حفظ، کراچی

۲ کسو، رامپور و لندن

۳ یہ شعر دہلی میں دوسری غزل میں شامل ہے، جس کا مطلع ہے:

دیکھ کر چشم یار کی بدمست
زاہد آ کر ہوئے ہیں بادہ پرست

۴ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

۵ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

زمین[1] طرحی ۱۱۳۳ھ

بحر خفیف مخبوں مقصور۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات

دیکھ کر چشم یار کی بدمست صوفی[2] آکر ہوئے ہیں بادہ پرست
دے کے دل اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ ہم نے سودا کیا ہے دست بدست
ٹل[3] گئے تیر عشق کے آگے سہم کھا دل میں رستم و گر شست
عشق کی راہ[4] میں میں مست کی طرح کچھ نہیں دیکھتا بلند اور پست
اُس شرابی کے ہاتھ سے حاتم
شیشۂ دل کے تئیں ہوئی ہے شکست

زمین طرحی ۱۱۳۲ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

زاہد کا ہے وظیفہ ہر اک صبح اٹھ نویت عاشق کرے ہے ورد ترے ابرواں کی بیت
آیا تھا رات دل کو چرانے شگن بچار وہ برہمن کا حق میں ہمارے ہوا ڈکیت
اس شہسوار[5] کا کوئی اب ہم عناں نہیں لکھنے میں جس کا وصف ہوئے ہے قلم کمیت
زلفوں کی ناگنی تو تری ہم نے کیلیاں پر ابرواں سے بس نہیں چلتا کہ ہیں پنکیت
حاتم دماغ کیوں نہ ہو اس کا فلک اوپر
جس کے جلو میں شمس و قمر ہیں گے دو ڈھلیت

---

[1] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[2] زاہد، کراچی
[3] لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔
[4] پیچ، کراچی
[5] اس گھڑ چڑھے، کراچی

زمین[1] طرحی ۱۱۶۲ھ

بحرِ رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

کاتبِ قدرت نے روزِ[2] اول سے عاشق کی سرشت — صفحۂ پیشانی اوپر حرفِ ترک سرِ نوشت
اس کو نادانی کی قوت اس کو دانائی کا زور — ناقص و کامل کے آگے ہے برابر خوب وزشت
صاحبانِ قصر کو ملتی نہیں ہے بعدِ مرگ — گور میں سر کے تلے تکیہ کی جا گہ ایک خشت

زمین طرحی ۱۱۳۷ھ

بحرِ خفیف مسدس مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

آج[3] دلبر کے نام کو رٹ رٹ — رو دیا لا علاج ہو پٹ پٹ
ظلم سے تیرے دل مرا کھٹ کھٹ — پارہ پارہ ہوا جگر[4] پھٹ پھٹ
اے میاں دیکھ تجھ کمر میں تیغ — ٹکڑے ٹکڑے جگر ہوا کٹ کٹ
مو سے باریک تر ہوا ہوں ضعیف — تیری زلفوں کی دیکھ کر لٹ لٹ
ہاتھ دکھلا کے جی نکال لیا — یہ کلا دیکھ کر گئے نٹ نٹ

سیلی بازوں کے ہاتھ سے حاتمؔ
دل ترا مفت میں گیا بٹ بٹ

زمین طرحی ۱۱۴۱ھ

بحرِ خفیف مخبوں محذوف۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

آج اس بن ہوں بے قرار عبث — ہاتھ سے دوں ہوں اختیار عبث
نہیں آنے کا ہے وہ وعدہ خلاف — اس کا کیجیے[5] ہے انتظار عبث

۱؎ لندن میں یہ غزل بغیر سرخی کے درج ہے۔
۲؎ پہلے دیکھ کر، کراچی
۳؎ یہ مطلع دہلی، کراچی، لندن میں ہے۔
۴؎ دل۔ رامپور و لاہور و لندن
۵؎ کھینچے ہے، لاہور، کرتا ہوں، لندن

دل کہاں ہے کہ ہوئے دیوانہ　　کیوں ادھر آتی ہے بہار عبث
شکوہ اس کا کرے ہے سارا جہاں　　ہم سے آزردہ ہو ہے یار عبث
ایسے بے دید سے تو رکھتا ہے
حاتمؔ امیدِ ہمکنار عبث

زمین طرحی ۱۱۶۵ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

پوچھا طبیب سے میں کروں اپنا کیا علاج　　کہنے لگا کہ آہ یہ ہے درد لاعلاج
منظور ہے شفا تجھے میری تو منہ دکھا[۱]　　ہوتا بھی ہے جہاں میں کہیں[۲] بے دوا علاج
تعویذ کر کے تجھ کو گلے سے لگا رکھوں　　دل چاہتا ہے اس کا بتا دل ربا علاج
سن کر ہماری بات دیا اس نے یہ جواب　　سودا ہوا ہے تجھ کو تو کر اپنا جا علاج
بیگانہ[۳] دردمند کے پوچھے ہے درد کو　　کیا ہو جو آشنا کا کرے آشنا علاج
ایسا[۴] جہاں سے رسم محبت ہوا ہے فوت　　مرتا ہوں چاہتا نہیں کوئی آشنا علاج
غنچوں کے خوں ہوا ہے گلو میں گرہ گرہ　　تجھ سے بھی ہو سکے ہے کچھ ان کا صبا علاج
پرہیز کر تو نبض شناسوں کے قول سے
حاتمؔ ترے مرض کا کرے گا خدا علاج

زمین طرحی ۱۱۴۹ھ[۵]

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

دل کو مارا چشم نے ابرو کی تلواروں[۶] سے آج　　کیوں بھڑ[۷] اُٹھا جا کے یہ ہشیار میخواروں سے آج
خال دانہ زلفِ دام ابرو کماں مژگاں ہیں تیر　　دل ہمارا وہم کھاتا ہے گا ان چاروں سے آج

---

۱ دکھلا، لندن۔　　۲ کھوئی، علی گڑھ
۳ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔　　۴ لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔
۵ ۱۱۴۶، لاہور، ۱۱۳۹ لندن　　۶ تروادوں، لندن
۷ اڑے، رام پور، لاہور و لندن

کاکل پر پیچ سے زاہد سمجھ کر دل لگا   پوچھ لے اول حقیقت زلف کے ماروں[1] سے آج

عاشقی[2] کی راہ میں ہے ہر قدم خوف و خطر   کس طرح پہنچے گا منزل جو ڈرا خاروں سے آج

کوئی بتلاتا نہیں عالم میں اس کے گھر کی راہ   مارتا پھرتا ہوں اپنے سر کو دیواروں سے آج

دل میں کچھ منہ پر ہیں کچھ یہ دیکھ کر وضعِ دورنگ

پھر گیا حاتمؔ کا دل اس دور کے یاروں سے آج

زمین طرحی ۱۱۳۹ھ[3]

بحر رمل مسطور

یار[4] ہو جاوے اگر وہ دل سے دلبر ہم سے آج   ایک دم میں تو مہمِ عشق ہو سر ہم سے آج

روتے روتے انتظاری میں ہوئے یکسر سفید   کیا کریں گے دیکھئے یہ دیدۂ تر ہم سے آج

تشنگی سے حلق[5] دیکھو خشک ہے اب تک میاں[6]   آب نہیں تو مت چھپاؤ آبِ خنجر ہم سے آج

ہم پیا آبِ حیات اس لب سے اور وہ مر گیا   کیونکہ ہمسر ہوئے طالع میں سکندر ہم سے آج

ایک وہ[7] ایام تھے حاتمؔ کہ وہ تھا ہمکنار

ان دنوں میں[8] چتون اور، اور ہی ہیں تیور ہم سے آج

زمین[9] طرحی ۱۱۳۴[10]ھ

بحر مسطور

وقتِ رخصت ہم کہا اس سرو قد دلبر سے آج   پھل کہاں چنئے[11] گا جو تو اٹھ چلا ہے بر سے آج

شیشہ خالی ہے دلِ زاہد کا دورِ جام میں   بزم میں لے جا کے پھوڑوں گا میں اس کے سر سے آج

---

[1] تاروں، علی گڑھ

[2] یہ شعر علی گڑھ میں محفوظ ہے۔

[3] ۱۱۳۸ھ، لندن

[4] ہو جائے، علی گڑھ

[5] خلق، لندن

[6] یہاں، علی گڑھ

[7] ایک دن وہ تھے کہ حاتمؔ یار تھا اور اس کے اب، لندن

[8] میں، لندن

[9] زمین طرحی ۱۹۳۸ء فی بحر رمل مثمن مقصور (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات)، لندن

[10] ۱۱۳۹ھ، لاہور

[11] چینے کا، لاہور و لندن

تیرے آگے لے چکا خسرو لبِ شیریں سے کام   تو عبث سر پھوڑتا ہے کوہکن پتھر سے آج
دیکھئے[1] جیتا بچے ہے کون اور مرتا ہے کون   دھوم ہے عالم میں وہ نکلے ہے اپنے گھر سے آج

حاتمؔ اس کے قد سے گر دعویٰ کرے گلشن میں سرو
چیر ڈالے فاختہ آرا بنا شہپر سے آج

زمین[2] ولی[3] ۱۱۳۲ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور

تاباں ہے اس جبیں[4] سے مرے دل میں نور آج   جس نور سے ہر ایک ہوا کوہِ طور آج
اس کی نگاہِ[5] مست نے دیوانہ کر دیا   دل سے خیالِ سر سے[6] رہا ہوش دور آج
اس کی بھواں کی تیغ کی شہرت غلط نہیں   عالم کیا ہے قتل ہمارے حضور آج
پتلی[7] نین کی مردم آبی نہ ہو سو کیوں   دریا ہمارے چشموں سے جاتا ہے پور آج

زیر و زبر کیا ہے تو حاتمؔ کے دل کے تئیں
آوے گا پیش تیرے یہ تیرا غرور آج

زمین طرحی ۱۱۹۳ھ

ہے جب سے میرے سر پہ فقر کا تاج   قناعت کے کروں ہوں ملک میں راج
خسیسوں کے در اوپر فضل حق سے   پھرا نہیں جو گدا لجاج و سماج
خدا دیوے اگر تو بخش دوں میں   وہیں اک دم میں ہفت اقلیم کا باج
ہوا آزاد میں دنیا کے غم سے   رکھے سب طاق پر اب کام اور کاج
بساطِ فقر بھی ہے طرفہ شطرنج   کہ ہر بازی میں شہ کھاتا ہے لجاج

---

۱ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۲ زمین ولی در ۱۱۳۱ھ، فی بحر مضارع اخرب مکفوف مقصور (مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات) لندن
۳ لاہور میں لفظ ولی نہیں ہے۔   ۴ تگہ، لندن
۵ اس کی نگاہ مست سے دیوانہ ہو گیا، لندن   ۶ لندن
۷ یہ دونوں آخری اشعار دہلی سے شامل کیے گئے ہیں۔

نہ کر کل کل جو کل گزرا سو گزرا نہ رکھ امید فردا کر لے کچھ آج

وفورِ ہمتِ عالی سے حاتمؔ
تو اپنے ہاتھ ہوتا ہے محتاج

زمین طرحی ۱۱۳۶ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقصور۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فاعلات

بے ترے[1] جان نہ تھی جان مری جان کے بیچ آن کر پھر کے جلایا تو مجھے آن کے بیچ
ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو اب تلک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ
تو نے[2] دیکھا نہ کبھی پیار کی نظروں سے مجھے جی نکل جائے گا میرا اسی ارمان کے بیچ
آج عاشق کے تئیں کیوں نہ کہے تو دُر دُر واسطہ یہ ہے کہ موتی ہے ترے کان کے بیچ
ہوئی زباں لال ترے ہاتھ سے کھا[3] کے بیڑا کیا فسوں پڑھ[4] کے کھلایا تھا مجھے پان کے بیچ
کچھ تو مجنوں کو حلاوت ہے وہاں دیوانو[5] چھوڑ شہروں کو جو پھرتا[6] ہے بیابان کے بیچ

دیکھ حاتمؔ کو بھلا تو نے برا کیوں مانا
کیا خلل اس نے کیا آ کے تری شان کے بیچ

زمین[7] طرحی ۱۱۸۵ھ

بحر رمل مسطور

اس پری کو کیا تسخیر ہم اک آن کے بیچ دھوم تھی جس کی سدا[8] ملکِ سلیمان کے بیچ
لب ترے کانِ ملاحت ہیں سخن حبِ نبات[9] یہ تعجب ہے کہ مصری ہے نمک دان[10] کے بیچ
ہات مت کھینچ جنوں تجھ کو مرے سر کی قسم ایک جب تک نہ رہے تار گریبان کے بیچ

---

۱ بن، لاہور، بناں، دہلی
۲ ایک دن پیار کی چتون سے نہ دیکھا تو نے، لندن
۳ کھا کر، علی گڑھ۔
۴ بھر، دہلی
۵ رہنے کی، لندن
۶ بیٹھا ہے، لندن
۷ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۸ پیدا، علی گڑھ
۹ قندو شکر، علی گڑھ
۱۰ ہر اک کان، علی گڑھ

باغباں مجھ سے مقابل نہ ہوں گل[1] چیں — جائے گل لختِ جگر ہیں مرے داماں[2] کے بیچ
اس[3] کی لذت کو لب زخم سے دل جوشی ہے — تیرے ایسا ہے مزا تیر کے پیکان کے بیچ
دشت گردی سے مری روح ہے مجنوں کی خجل — شاہد اس حال کے ہیں خار بیابان کے بیچ
دیکھے کوئی آ کے مرے عشق کی چوگاں بازی — سب سے گو لے گیا ہوں مار کے میدان کے بیچ

گو کہ مشہور ہے حاتمؔ تو جہاں میں استاد
سو جگہ جائے سخن ہے ترے دیوان کے بیچ

زمین[4] طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر رمل مثمن مسطور

مست پھرتا ہوں سدا کوئے خرابات کے بیچ — شیشۂ دل کے تئیں اپنے لیے ہاتھ کے بیچ
توڑ کر کعبۂ دل تو نے بنائی مسجد — کیا کہوں شیخ تری خاک اس اوقات کے بیچ
آ نہ[5] مجھ پاس تو اس وقت کہ میں روتا ہوں — پاؤں بھر جائیں مبادا ترے برسات کے بیچ
دل تو کوچے کی ہوا سے ترے ایسا پھولا — کہ سماتا ہی نہیں ارض و سماوات کے بیچ
کس[6] کے منہ سے میں کہوں خوبیِ گفتار اس کی — لے گیا دل کو مرے باتوں لگا بات کے بیچ
مہرِ رخسار ترا یوں ہے چھپا زلفوں میں — جس طرح شام کو چھپ جائے ہے دن رات کے بیچ

دام سے منصب و جاگیر کے باز آ حاتمؔ
یہ دم نقد نہ کھو فکرِ محالات کے بیچ

زمین طرحی ۱۱۳۵ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مسبغ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات

چھین لیتے ہیں مرے دل کو نگاہوں کے بیچ — حسن رہزن ہے جو پنجاب کی راہوں کے بیچ

---

[1] خانہ، علی گڑھ — [2] الوان، علی گڑھ
[3] تینوں اشعار نسخۂ لاہور میں ہیں۔
[4] ۱۱۶۷ھ، لندن — [5] نہ آ، لندن
[6] کس زباں، لندن

دفترِ عشق سے اب اس کو سند پہنچی ہے | جن[1] نے دل بند کیا زلف سیاہوں کے بیچ
کئی فرہاد ہیں جویا ترے شیریں لب کے | کئی یوسف ہیں زنخداں[2] کے چاہوں کے بیچ
کوچۂ عشق کو طے کر ترے کن پہنچا تھا | دیکھ زلفوں کو پڑا بھول دو راہوں کے بیچ
عشق[3] کی فوج نے آ گھیر لیا ہے ظالم | یک بیک دل کو مرے نیزۂ آہوں کے بیچ
جب[4] سیں اٹڈی ہے ترے حسن کی فوجاں کی گھٹا | تب سیں لرزا پڑا ہے حسن کے شاہوں کے بیچ

ہاتھ حاتم کا پکڑ پار اوتارو یاشاہ
غرق ہے بسکہ سدا بحرِ گناہوں کے بیچ

زمین طرحی ۱۱۵۴ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

غنچے کہیں ہیں سر کو نوا کر چمن کے بیچ | یعنی نہیں ہے جائے سخن اس دہن کے بیچ
مانندِ دیدہ خانہ نشینی میں رات دن | کرتا ہوں دید سارے جہاں کا وطن کے بیچ
اس دہن پر ہم کیا ہے گریباں کو تار تار | شاید کوئی لگے بھی ترے پیرہن کے بیچ
جس وقت ہم مریں تو یہی داستاں لکھو | جائے جواب نامہ ہمارے کفن کے بیچ
یعنی کہ یہ غریب زمانے کے ہاتھ سے | جا کر رہا تھا[5] چھوڑ کے شہروں کو بن کے بیچ
اس جا بھی آسمان نے نہ دی فرصت ایک آن | مارا[6] جلا کے آگ لگا تن بدن کے بیچ
چاہے تھا کہ کچھ کہے کہ اسی دم میں ناگہاں | یوں آگئی اجل کہ رہی من کی من کے بیچ
کہتا ہوں سب سے ہے کوئی[7] منصف سو دیکھ لے | سب طرح کا مذاق ہے میرے سخن کے بیچ

حاتم کا شور تیس برس سے ہے ہند میں
صاحب قراں ہے ریختہ گوئی کے فن کے بیچ

---

۱ جس نے، علی گڑھ   ۲ پڑے ہیں، دہلی
۳ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔ دہلی میں شعر کی قرأت مختلف ہے:
آہ کیا اس کے اوپر وقت وہ گزرا ہوگا | جب گھرا آکے یوں دل نیزۂ آہوں کے بیچ
۴ یہ شعر دہلی میں موجود ہے۔   ۵ بسا تھا، لندن
۶ جوں شمع دے کے آگ جلایا لگن کے بیچ، لندن۔ کے بیچ، کراچی   ۷ اب جو ہو، لندن

زمین طرحی ۱۱۳۴ھ[1]

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

عشق نے چٹکی سی لی پھر آ کے مری جاں کے بیچ
آگ سی کچھ لگ گئی[2] ہے سینۂ بریاں کے بیچ

اہلِ معنی جز نہ بوجھے گا کوئی اس رمز کو
ہم[3] نے پایا ہے خدا کو صورتِ انساں کے بیچ

اس[4] سبب میں جنگ شانے سے کروں ہوں بار بار
دل ہوا ہے گم مرا اس کا کل پیچاں کے بیچ

زلف و چشم و خال و خط چاروں ہیں دشمن دین کے
حق رکھے ایماں سلامت ایسے کفرستاں کے بیچ

نقدِ دل کھویا ہے ہم نے جان کر اس راہ میں
فی الحقیقت عاشقوں کو سود ہے نقصاں کے بیچ

گر عدو میری بدی کرتا ہے خاص و عام میں
میں اسے رسوا کروں گا باندھ کر دیواں کے بیچ

رات دن جاری ہے عالم میں مرا فیضِ سخن
گو کہ ہوں محتاج پر حاتم ہوں ہندوستاں کے بیچ

زمین طرحی[5] ۱۱۷۲ھ

بحر مضارع مثمن مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

اس واسطے نکلوں ہوں ترے کوچے سے بچ بچ
ہر ایک مچاتا ہے مجھے دیکھ کے کچ کچ

نیرنگیٔ قدرت کا وہی دید کرے ہے
پانی کی طرح ہو جو ہر اک رنگ میں رچ رچ

سر پر سے تو مندیل کو اب دور کر اے شیخ
گردن تری اس بوجھ سے اب کرتی ہے لچ لچ

نادان ہے ایسا کہ جو دشمن مرے حق میں
جھوٹی اسے کہتے ہیں تو وہ جانے ہے سچ سچ

مکتب میں جو کی سیر تو دیکھا یہ تماشا
ملا کے بھی شاگرد ہیں مرغے کے سے کچ کچ

زر ہوئے تو معشوق بھی ہاتھ آوے ہے حاتم
مفلس عبث اس فکر میں جی دیوے ہے نچ نچ

---

[1] ۱۱۳۵ھ، لاہور، لندن [2] یارو لگی ہے، لندن۔ یارو لگی مجھ، کان پور، کراچی

[3] ہے ظہورِ مظہرِ حق، لاہور، دہلی و لندن کا متن درج کیا گیا ہے جو زیادہ درست ہے۔

[4] لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔ لندن و دہلی کا متن درج کیا گیا ہے۔ اس سبب ہے جنگ شانے سے مجھے اے دوستاں، علی گڑھ

[5] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

زمین طرحی ۱۱۴۸ھ[۱]

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

یار سوتے آ جگاتا ہے مجھے ہو حور[۲] صبح   آسماں اوپر سے جوں بارش کرے ہے نور صبح
رات کو جاری رہیں اوروں کو ٹک ہوتے ہیں بند   چشم کے ناسور کو ہے مرہم کافور صبح
ہم نے پایا ہے خیالِ زلف کے شب میں وصال   حشر تک ہونے نہ دوں گا اپنے تا مقدور صبح
کیونکر اس خورشید کو دیکھے جو ہو تاریک دل   رات دن کا فرق ہے ظلمات سے پر دور صبح
زلف[۳] کی شوخی میں اس کے منہ پر حاتم کیا کہوں
خوب[۴] نہیں لانا زباں پر رات کا مذکور صبح

زمین طرحی ۱۱۶۵ھ

بحر ہزج مثمن مسبغ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلان

زباں پر دل کی ہے اس ساقیٔ مخمور کی تسبیح   بجا ہے مجھ کو رکھنا دانۂ انگور کی تسبیح
ہوا[۵] دل سرد میرا تھی توقع گرمیِ صحبت   گلے میں ان بتوں[۶] کے دیکھ کر کافور کی تسبیح
خدا کم یاد آتا ہے کسو کو تندرستی میں   مگر اللہ ہی اللہ ہے سدا رنجور کی تسبیح
اگر دانا ہے تو من کا تجھے دانا کفایت ہے   وگرنہ[۷] بے اثر ہے شیخ تیری زور کی تسبیح
مناجاتی تھا یارو اب[۸] خراباتی ہوا حاتم
خدا کا ناؤ[۹] اس نے لے لیا اور دور کی تسبیح

۱۔ ۱۱۴۹ھ، لندن
۲۔ ہور، علی گڑھ، رام پور، لندن، چور، کراچی
۳۔ زلف سے جو اُس کے گزرا منہ پر حاتم یار کی، لندن
۴۔ خوش، لاہور
۵۔ پہن بیٹھا ہے دل زنار مانند سلیمانی، لندن
۶۔ بتاں، لندن
۷۔ اثر رکھتی نہیں یہ شیخ تیری زور کی تسبیح، لندن
۸۔ اب یارو، رام پور، لاہور و لندن
۹۔ نانو، رام پور، خدا کا نام اس نے رکھ لیا، کراچی

زمین طرحی ۱۱۳۵ھ

بحر خفیف مخبوں محذوف۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

یار نکلا ہے آفتاب کی طرح ‏ کون سی اب رہی ہے خواب کی طرح
چشمِ مستِ سیہ کی یادِ مدام ‏ شیشۂ دل میں ہے شراب کی طرح
صاف دل ہے تو آ کدورت چھوڑ ‏ مل[1] ہر اک رنگ میں تو آب کی طرح
پست ہو چل مثال دریا کی ‏ خیمہ برپا نہ کر حباب کی طرح
کبھو[2] خاموش ہوں کبھو گویا ‏ سرنوشت ہے مری کتاب کی طرح
پائے بوسی اس کا ہے گر شوق ‏ قد کو اپنے بنا رکاب کی طرح

تو پئے ہے شراب حاتم ساتھ
کیوں نہ دشمن جلیں کباب کی طرح

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ[3]

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

جاتا ہے روبرو سے میرے یار جاں کی طرح ‏ سیکھا ہے یہ کہاں سے وہ ظالم کہاں کی طرح
حلقے میں بندگی کے تیرے دل سے ہوں صنم ‏ ابرو کو مت چڑھا تو مجھ اوپر کماں کی طرح
سالارِ قافلہ ہوں میں اہلِ جنوں کا آج ‏ جاری ہیں اشکِ چشم مرے کارواں کی طرح
مدت ہوئی کہ جان میں حسرت سے مرگیا ‏ آیا نہ تو کبھو بھی ادھر مہرباں کی طرح

حاتم مثالِ خاک کی مل جا زمیں کے ساتھ
گردش میں سرکشی سے نہ ہو آسماں کی طرح

۱؎ مل تو ہر رنگ بیچ آب کی طرح، لندن

۲؎ مقطع سے پہلے یہ دونوں اشعار صرف نسخۂ دہلی میں موجود ہیں۔

۳؎ ۱۱۳۷ھ، لندن، فاعلن، رام پور، لاہور دلندن

زمین انعام اللّٰہ یقین ۱۱۵۵ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات[1]

کھینچتا تر دار وہ ہندوستاں زا بے طرح — گھورتا آتا ہے مجھ کو دور سے کیا بے طرح
دیکھ لو اس دم سے مجھ بے دل کے دل میں[2] دل نہیں — جی سے دے پٹکا ہے تم نے جان ایسا بے طرح
یار نے مہندی لگا کر پاؤں پر ہیہات آج — قتل پر میرے کیا ہے فتنہ برپا بے طرح
کس[3] طرح پہنچوں میں اپنے یار کن پنجاب میں — ہو گیا راہوں میں چشموں سے دو آبا بے طرح

خاک پر سر کو پٹک سن کر کہ آتی ہے بہار
جی دیا حاتمؔ نے کیا بے وقت و بے جا بے طرح

زمین طرحی ۱۱۵۴[4]ھ

بحر مسطور

ان دنوں پھرتے ہو تم خانہ بخانہ بے طرح — ہم سے ملنے میں بناتے[5] ہو بہانہ بے طرح
کیوں نہ الجھے رشک سے عاشق کا دل کھا کر مروڑ — مر چڑھا ہے اس کے پٹوں[6] بیٹھ شانہ بے طرح
اس کماں ابرو کی اب ہاتھوں سے جی کیونکر بچے — اس نے تاکا سے مرے دل کا نشانہ بے طرح

جس سے اس نے دوستی کی پھر وہی دشمن ہوا
کیا پھرا جاتا ہے حاتمؔ سے زمانہ بے طرح

زمین[7] طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

میرے قالب میں پھونکی بھی نہ تھی روح — ہوں اس دم سے تیرے خنجر کا مجروح

---

[1] فاعلن، رام پور، لاہور و لندن
[2] جی نہیں، لندن
[3] لندن میں یہ شعر اسی غزل کے حاشیہ پر درج ہے۔
[4] ۱۱۵۶، لندن، ۱۱۵۵ھ، لاہور
[5] بتاتے ہو، لندن
[6] پٹوں پیٹھ، لندن
[7] لندن میں یہ غزل نہیں ہے

قیامت کر چکا چشموں کا طوفاں جہاں کھاتی تھی چکر کشتیِ نوح
تمنا میں تری یوں دیدہ وا ہوں کبھو دیکھے تو ہوں گے چشمِ مذبوح

زمین[1] طرحی ۱۱۶۲ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

ہم بہت دیکھے فرنگستاں کے حسنِ صبیح چرب ہے سب پر بتانِ ہند کا رنگِ ملیح
تیرے ماروں کو قیامت تک جلا سکتا نہیں آسماں اوپر سے اس دعویٰ پر آوے گر مسیح
ہم سے تو آ کے کنائے میں کبھو کہتا تھا بات ان دنوں جو منہ میں آتا ہے سو کہتا ہے صریح

روٹھنا،[2] لڑنا، جھگڑنا، گالیاں دینا ہمیں
چھوڑ دے حاتمؔ کہے ہے سب یہ باتیں ہیں قبیح

زمین[3] طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

پوچھوں ہوں اس سے بات تو دے ہے جواب تلخ وہ زود رنج ہوئے ہے مجھ سے شتاب تلخ
کرتا ہے کوئی نالہ پس دیوار اس قدر دن رات ہوگیا ہے مجھے خورد و خواب تلخ
مستوں سے پوچھیے تری دشنام کا مزا دونا نشا کرے ہے جو ہو ہے شراب تلخ
تجھ بن ہمارے کام میں شربت ہوا ہے زہر منہ میں[4] سدا مریض کے لگتا ہے آب تلخ

میں اس کے کیا گزک یہ دلِ سوختہ کروں
ہو جائے ہے جلے سے اے حاتمؔ کباب تلخ

---

[1] ۱۱۶۴ھ، لندن
[2] لاہور میں یہ مقطع ہے۔
[3] ۱۱۶۸ھ، رام پور و لاہور و لندن
[4] میں، لندن

زمین طرحی ۱۱۳۶ھ[1]

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

ہاتھ لے قوس قزح جب ہم اوپر آتا ہے چرخ
سہم کھا کر آہ کے تیروں سے پھر جاتا ہے چرخ

مرد ماں سے گر فلک دشمن ہے اس کے دید کا
چشم کی گردش پر اس کی آپ کیوں کھاتا ہے چرخ

آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر دل غرقِ خوں
یہ بلائیں عاشقوں کے سر اوپر لاتا ہے چرخ

بس نہیں چلتا جو اس دم ان کے اوپر گر پڑے
عاشق و معشوق کو جب ایک جا پاتا ہے چرخ

سرکش و زردار سے ہے جنگ حاتم اس کے تئیں
خاکسار و عاجز و مفلس سے شرماتا ہے چرخ

زمین طرحی ۱۱۳۵ھ[2]

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

صنم کے دیکھ کر لب اور دہن سرخ
ہوا ہے خونِ بلبل سے چمن سرخ

شہیدِ لالہ رویاں کو بجا ہے
دفن کے وقت گر کیجیے کفن سرخ

ہوا[3] مجنوں کے حق میں دشت گلزار
کیا ہے عشق کے ٹیسو نے بن سرخ

گلوں[4] کا رنگ اب زرد ہو گیا ہے
چمن میں دیکھ کر تیرا بدن سرخ

کر[5] حاتم یاد احوالِ شہیداں
شفق سے جب کہ ہوتا ہے گگن سرخ

---

[1] ۱۱۳۶، لاہور، لندن

[2] ۱۱۳۹ھ لاہور، ۱۱۳۸ھ، لندن۔ دیوان قدیم کے دو اشعار حذف کر دیے گئے ہیں۔

[3] ہوا صحرا حق مجنوں میں گلزار، لندن

[4] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

[5] کر حاتم یاد احوالِ شہیداں، کراچی، لندن و دہلی، اے حاتم یاد کر حال، علی گڑھ، لاہور

زمین[1] طرحی ۱۱۵۱ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

مارا ہے مجھ کو یار نے دکھلا کے رنگ سرخ — تعویذ میرے گور کا لازم ہے سنگ سرخ
سبزے میں پشت لب کے تیرے عکس رنگ پاں — کہتے ہیں یہ تنبول ہے یا ہے یہ بنگ سرخ
جھڑ[2] پاؤ تا ہے سب کو نگاہوں میں آج لال — چاہے ہے دیکھنے کو بہانے سے جنگ سرخ
پنڈا دکھا کے اس دل پر خوں کو ڈور کر — کس پیچ سے صنم نے اڑایا پتنگ سرخ

کیونکر نہ قتلِ عام ہو حاتم جہان میں
نو روز اس برس کا پڑا تھا برنگ سرخ

زمین طرحی ۱۱۶۵ھ

بحر مضارع مسطور

میں پیر ہو گیا ہوں اور اب تک جواں ہے درد — میرے مرید ہو جو تمھیں دوستاں ہے درد
فریاد دل کرے ہے طبیبوں کے ہاتھ سے — کوئی پوچھتا نہیں ہے کہ تیرے کہاں ہے درد
صحبت بر آر مجھ سے ترے کس طرح ہے شیخ — تو عافیت طلب ہے ازل[3] سے یہاں ہے درد
یارو[4] رفیق ہے نہ جدا ہو خدا کرے — غمخوار و غمگسار دلِ عاشقاں ہے درد

قرباں[5] کرو نثار کرو جا کے دوستاں
حاتم کو اس زمیں کے جہاں میں جہاں ہے درد

---

[1] زمین طرحی در ۱۱۳۷ھ فی بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور، مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات، لندن

[2] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

[3] سدا، لندن

[4] کراچی ولندن میں یہ شعر اس طرح ہے: یار و رفیق ہے وہ جدا کس طرح سے ہو = ہمراہ و ہم نشینِ دل عاشقاں ہے درد

[5] صدقے کرو نثار کرو اس کے گرد گرد، کراچی ولندن

زمین[1] طرحی ۱۱۵۹ھ

بحر مسطور

آئی[2] ہے عید و دل میں نہیں کچھ ہوائے عید — اے کاش میرے پاس تو آتا بجائے عید
قربان سو طرح سے کیا تجھ پر آپ کو — تو بھی کبھو تو جان نہ آیا بجائے عید
جتنے ہیں جامہ زیب جہاں میں سبھوں کے بیچ — سجتی ہے تیرے بر میں سراپا قبائے عید

حسب الفرمائش[3] عنایت خاں راسخ ۱۱۵۰ھ

بحر رمل مثمن مقطوع مسبغ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

ہم نہ جانے تھے کہ ہے وعدۂ خوباں برباد — انتظاری میں گیا مفت مرا جاں برباد
حیف اِس دل نے کیا عشق پری رویاں کا — جس ہوا میں گیا ہے تختِ سلیماں برباد
چھوڑ تسبیح[4] ہوا دل مرا زنار پرست — زلفِ کافر نے کیا خانۂ ایماں برباد
چاہ میں اس لبِ جاں بخش کے اسکندر نے — ہاتھ سے اپنے دیا چشمۂ حیواں برباد
عشق کے آج بیاباں کا وہی مجنوں ہے — جو بگولے کی طرح دے سر و ساماں برباد

ہر[5] قدم عمر جائے ہے چلی ایسے حاتم
جیسے جاتی ہے اڑی ریگ بیاباں برباد

حسب الفرمائش مجاہد جنگ تضمین مصرعِ استاد ۱۱۶۱ھ

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

کس صید پر چلا ہے کداتا ہوا سمند — اس سر کے ساتھ ہے ترا ظالم شکار بند
منہ سرو کی طرف نہ کرے زندگی تلک — قمری اگر نگاہ کرے وہ قدِ بلند

---

[1] زمین طرحی در ۱۱۵۹ فی بحر مضارع اخرب مکفوف مقصور مسطور، لندن
[2] جو جامہ زیب ہند میں دیکھے ہیں سب کے بیچ، لندن
[3] ۱۱۵۱ھ، لندن ولاہور
[4] مصلا ہوا، کراچی
[5] ہر قدم عمر یوں جاتی ہے چلی اے حاتم، لندن

رخسار پر میں خال کو حیراں ہوں دیکھ کر　　کس طرح رہ گیا ہے یہ آتش اوپر سپند
پوچھا کبھو نہ اس نے دیوار کے تلے　　مدت ہوئی یہ کون کراہے ہے درد مند
حاتمؔ وہ[1] قول بوسے کا دے کر مکر گیا
آرے وفائے وعدہ کریماں چنین کنند

زمین[2] طرحی ۱۱۸۸ھ

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات

اُسی کو خلق کہے ہے جہاں میں طالع مند　　کرے جو دست گدا کی طرف کو ہاتھ[3] بلند
ہوا جو رزق مقدر سو ہو نہ بیش[4] و کم　　تلاش و فکر و تردد کیا کرو ہر چند
جسے نگاہ کیا ہے وہ اپنے مطلب کا　　چہ آشنا و چہ خویش و برادر و فرزند
گریز کرتے ہیں اس طرح مردِ دنیا سے　　کہ جیسے آنچ سے آتش کی بھاگتا ہے سپند
شکست دل کو جو پہنچے تو پھر نہ ہوئے درست　　کوئی نہ کر سکے شیشہ شکستہ کو پیوند
جو دیکھا مجھ کو خرابات میں تو زاہد نے　　کہا کہ حیف ہے حاتمؔ کہ تجھ سا دانش مند
تجھے نہ خوف خدا کا نہ غم ہے دوزخ کا　　کہ اس طرح سے جو بیٹھا ہے تو یہاں خورسند
دیا جواب اسے میں کہ اے مرے صاحب　　یہ شعر حافظِ شیراز ہے جو ہوئے پسند
نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحقِ کرامت گناہ گار انند

زمین طرحی تجنیس مکرر ۱۱۴۴ھ

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

کوئی دیتا نہیں ہے داد بے داد　　کوئی سنتا نہیں فریاد فریاد

---

[1] بوسے کا قول دے کر وہ حاتم مکر گیا، لندن
[2] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[3] دست، علی گڑھ
[4] نہ کم نہ زیاد، لاہور

کہیں ہیں کیا بلا دامِ بلا ہے تیری زلفوں کو اے صیاد صیاد
نہ رکھ اُمیدِ آسایش جہاں میں کہ ہے دنیا کی بے بنیاد بنیاد
تجھے معشوقیت کے فن میں محبوب[1] کہیں ہیں عشق[2] کے استاد استاد
گئی غفلت میں ساری عمر حاتم
کہ جیسی خاک رہ برباد برباد

زمین ولی ۱۱۳۸ھ

بحرخفیف مخبوں مقصور۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات

جب چمن میں چلا وہ سرو بلند ہر قدم سرو کو کیا پابند
دیکھ رخسار آتشیں تیرے لالہ رویاں کا دل ہوا ہے سپند
دیکھ کر[3] تیری زلف کے حلقے کوئی زنجیر کوئی کہے ہے کمند
اس[4] کے چہرے کے آگے ہے بے نور روشنی بخش ماہ ہے ہر چند
تیرے[5] رخسار و لب کا آج خیال دردمندوں کے حق میں ہے گل قند
نام اپنے کو اُس نگین لب نے
سب میں حاتم کا دل کیا ہے پسند

زمین[6] ولی ۱۱۸۳ھ

بحرمضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

آتا ہے جب سوار ہوا وہ کٹار بند عاشق کے سر کو اس کا تکے ہے شکار بند
چاہوں کہ دردِ دل میں کہوں اس کے روبرو ہو جائے ہے زبان مری بے اختیار بند
ہر بند کی گرہ سیں مرے دل میں ہے گرہ وا ہو گرہ جو کھول دے جامے کے یار بند

---

۱ پیارے، لندن
۲ آج سب، لندن
۳ کر نظر علی گڑھ، لاہور
۴ یہ شعر لاہور میں موجود ہے۔
۵ یہ شعر لندن میں درج ہے۔
۶ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ ۱۱۸۲ھ، لاہور و رام پور

اتنے تو خون تو نے کیے ہیں کہ خوں بہا چلنے سے ہوگئی ترے تیغے کی دھار بند
چاہے تو زلف کا تری سلک گہر کی طرح سو عاشقوں کے دل کو کرے ایک تار بند
آساں نہیں ہے عشق سے کشتی اے بوالہوس ہیں عاشقی کے فن میں تو ناداں ہزار بند
ناصح تری تو بات میں آتی ہے منہ سے بو بخرے تو اپنی فصد کھلا جا کے چار بند
دنیا تو ہے عجوزہ و بہتوں کی ہے جھٹیل کب مرد کھولتے ہیں اس اوپر ازار بند
دلّی میں[1] آئے ایسے قدم سے جہاں پناہ عالم کا سب طرح سے ہوا روزگار بند
حاتم الٹ پلٹ سے زمانے کے غم نہ کھا
ہوتا نہیں جہاں کا کبھو کار و بار بند

زمین[2] طرحی ۱۱٦۷ھ

بحر خفیف مسطور

ایسے دنداں ہیں تیرے یار سفید جیسے موتی ہوں آب دار سفید
دیکھیے کس کے خوں سے رنگے گا آج ہیں ناخنِ نگار سفید
اب کے موسم نے کچھ ہوا بدلی تب ہے رنگ رُخِ بہار سفید
دشت میں کوئی برہنہ پا نہ پھرا اب تلک ہیں گے نوکِ خار سفید
دیکھے ہوں گے کم کسی[3] نے کہیں تیرے سے چشم پر خمار سفید
چاندنی رات میں پھبے ہے تجھے موتیا کا گلے میں ہار سفید
شب سے چاہے تھا ایک گلیم سیاہ صبح سے ایک لنگ دار سفید
اے فلک اس قدر تغافل کیا ہوگئے چشمِ انتظار سفید
رشتہ الفت کا آگے رنگیں تھا اب کیا دھو کے تار تار سفید
کیو نہ زنار و سبحہ ہوئیں دو رنگ ہوگیا خونِ روزگار سفید

---

[1] لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔ رام پور و علی گڑھ میں ہے۔
[2] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[3] نہیں، لاہور۔

داغ ہے اس جبیں سے اے حاتمؔ
ماہ ہر چند ہے ہزار سفید

زمین طرحی ۱۱۳۲ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

سرکشی مت کر تو اپنے زور پر اتنا نہ کود
سرکشی سے دیکھ سرگرداں ہے یہ چرخِ کبود

حلقہ حلقہ یہ نہیں زلفیں تیرے رخسار پر
حسن کی آتش سے کھا کھا پیچ یہ نکلا ہے دود

زمین طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

ایک تو ہے زورِ حسن اور تس اوپر کرتا ہے ڈنڈ
کیوں نہ اپنے بل پر اُس بانکے کے ہو دل میں گھمنڈ

آ ترے آنے سے ہے رونق ہماری بزم[۱] میں
بن[۲] ترے اے شمع رو اب صورتِ مجلس ہے بھنڈ

ایک دم میں عاشقاں کرتے ہیں سیرِ ہفت چرخ
برق رفتاروں کے آگے کیا ہے چڑھنا ہفت کھنڈ[۳]

میل ہے دشمن کے دل میں سنگسار اس کو کرو
زنگ کو لوہے کے دل سے دور کرتا ہے کرنڈ

کرتا[۴] ہے حاتمؔ بدی رکھتا ہے نیکی کی اُمید
کھائے امرت پھل کہاں سے جن نے بویا ہو ارنڈ

زمین طرحی ۱۱۳۶ھ

بحر رمل ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

لکھوں احوال کا اس شوخ خوش خط کو اگر کاغذ
سیہ بختی سے میری پیچ کھاوے ہر سطر[۵] کاغذ

بہار و موسمِ گل کی رقم کیں اس میں ہر خبریں
عجب کیا گر[۶] کرے پیدا ہمارا برگ و بر کاغذ

۱؎ مری صحبت میں اور، نسخہ لندن
۲؎ بے، لندن
۳؎ چڑھنا سات کھنڈ، لندن
۴؎ کر کے اے، لندن
۵؎ سر بسر، لاہور و لندن، سر سے جن کو اگر، دہلی
۶؎ گر، لندن

لگن میں شمع رو کے اڑ کے کہتا التماس اپنی | اگر رکھتا وہ اپنے مثل پروانے کے پر کاغذ
نہ پایا ایک پرزا تب لکھا ہم پرزۂ دل پر | ہوا ہے شہر سے نایاب دیکھو اس قدر کاغذ
نیاز[1]اب کر تمام عالم نے بھیجا اس کو اے قاصد | ہماری بھی طرف سے یار کو دیجو نذر کاغذ
قلم مجھ[2] شوق کا ہر حرف سن رو رو کے چلتے تھے | ہوا ہے اس سبب یہ گریۂ عاشق سے تر کاغذ

ثنا خواں ہے تو ان سیمیں تنوں کا اس سبب حاتمؔ
ترے اشعار کا عالم رکھے ہے مثلِ زر کاغذ

زمین محتشم علی خاں حشمت ۱۱۵۲ھ

بحر رمل[3] مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

سب طرف ہے شور کچھ طوفاں سا لاتی ہے بہار | چیت جاؤ آج دیوانوں کہ آتی ہے بہار
بلبلِ نالاں کو خوش کرنے کو اپنا رو دکھا | غنچۂ دلگیر کو آ کر ہنستا[4]تی ہے بہار
گہ شگوفے کی طرح کھل کھل کے ہو ہے بے حجاب | گاہ چھپ چھپ پردۂ گل میں لجاتی ہے بہار
یا زمانہ پھر گیا یا باؤ کچھ الٹی بہی | ہم[5]ہوا خواہوں سے اپنے منہ پھلاتی ہے بہار

دم[6]غنیمت جان ٹک چل اور گلوں کا دید کر
سیرِ گلشن کو تجھے حاتمؔ بلاتی ہے بہار

زمین[7] طرحی ۱۱۵۳[8]ھ

بحر رمل مسطور

یار آ مجھ پاس بولا دیکھ لے آئی بہار | میں کہا اس کو بغل میں لے کے میں پائی بہار
بلبل و گل کی حنا بندی ہے آرائش کرو | یہ شگوفہ آج تازا باغ میں لائی بہار
کیا ہوا گلشن میں جو شیخی لگی سبزے کی آج | اس ہمارے سرو پر اور ہی ہے مرزائی[9] بہار

---

۱ لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔
۲ لندن میں یہ شعر اسی غزل کے حاشیہ پر لکھا ہے۔
۳ لاہور میں یہ لفظ نہیں ہے۔
۴ نہاتی، علی گڑھ
۵ ہم ہوا خواہوں سے جو منہ کو پھلاتی ہے بہار، لندن
۶ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۷ زمین طرحی ۱۱۵۳ھ، فی بحر رمل مثمن مقصور مسطور، لندن
۸ ۱۱۵۲ھ، لاہور
۹ سرسائی، کراچی

داغِ[1] لالہ دیکھ اس کو آگ سی سرسوں لگی   اور گلوں کو منہ پھلائے دیکھ جھنجھلائی بہار
باغ میں اہلِ چمن کا میر ساماں بوجھ کر
سر اوپر حاتم کے آکر[2] جوں گھٹا چھائی بہار

زمین[3] طرحی ۱۱۶۷[4]ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

خالِ زیبندہ ہے اس عارض گل گوں اوپر   جوں سویدا کا نقط اس دل پر خوں اوپر
پھر کے آباد کیا فیضِ جنوں سے صحرا   میرے دیوانے کا احسان ہے مجنوں اوپر
جامہ زیبوں میں ترا شور ہے اے رشکِ بہار   سرو قرباں ہے ترے اس قدِ موزوں اوپر
اپنی طالع کی ہے گردش سے پریشاں حاتم
طعن کرتا ہے عبث گردشِ گردوں اوپر

زمین[5] طرحی ۱۱۸۴[6]ھ

بحر خفیف مخبوں مقصور۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات

دور کر دل سے عجب و کبر و غرور   حال شیطان کا دیکھ گر ہے شعور
نحن اقرب تو راست ہے لیکن   وہ ہے نزدیک تجھ سے تو ہے دور
چشم باطن کے تیرے اعمیٰ ہیں   ورنہ ظاہر ہے وہ نہیں مستور
من عرف نفسہٗ کی رمز کو بوجھ   آپ کو جاننا تجھے ہے ضرور
شش جہت جس طرف نگاہ کرے   سب طرف ہے یہاں اسی کا ظہور
عشق اور حسن کی تجلی دیکھ   کہیں وہ نار ہے کہیں ہے نور
غیر حق تکیہ غیر پر کرنا
حاتم ہے عقل کا تری یہ قصور

---

[1] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
[2] آکر، لندن
[3] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[4] ۱۱۶۱ھ، لاہور و رام پور
[5] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[6] ۱۱۸۳ھ، لاہور۔ ۱۱۸۴ھ علی گڑھ و رام پور

زمین طرحی ۱۱۴۶ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن

نہ پھول اب اس قدر گلوں کی آشنائی پر — کہ سب اہلِ چمن ہنستے ہیں تیری احمقائی پر
صنم[1] نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل — بجا[2] ہے معذرت لکھے جو قرطاسِ خطائی پر
شکست دل کو میرے کام کیا[3] تریاق سے ظالم — خیالِ خال تیرا چرب ہے گا مومیائی پر
سراپا[4] چشمِ حیرت ہوگیا آئینہ حسرت[5] سے — نظر کرتے ہی تیرے آئینہٗ رو کی صفائی پر
تری قدرت کا مظہر دیکھ کر ہر آن میں حاتم
ہوا ہے جان سے قرباں آ تیری خدائی پر

زمین[6] طرحی ۱۱۴۶ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن، فعلاتن، فعلاتن، فعلن

دل کو لایا ہے جو خود رائی و خود کامی[7] پر — کیا نظر اپنی نہیں ہے تجھے بدنامی پر
آج نرگس کو قلم کر کے صنم[8] لکھتا ہوں — وصف چشموں کا ترے کاغذِ بادامی پر
آشیانہ ہے مرا دل تیری ان زلفوں کا — باز آ ظلم نہ کر جان کے اس دامی پر

زمین طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

نویت داں کے مسئلے سے مت حق بازی کر — سبھوں[9] کے اول کو قبلہ جان و دل اپنا نمازی کر
تجھے گر اپنے ہم چشموں سے ہے دعویٰ شہادت کا — تو اس کے لیے ابروئے شمشیر زن سے کارسازی کر

---

۱ میاں، لندن
۲ لکھنا مجھے کاغذ خطائی پر، رام پور علی گڑھ، کراچی، لندن
۳ کیا غرض، لندن، کام نہیں، کراچی
۴ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۵ حیرت، علی گڑھ
۶ زمین طرحی در ۱۱۴۶ھ فی بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع، فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن، لندن کا عنوان درج ہے، ۱۱۴۴ھ علی گڑھ و رام پور
۷ خودنا کامی، علی گڑھ
۸ میاں، کراچی
۹ تو سب کی، لندن

زمین[1] ناجی ۱۱۴۱ھ

بحرخفیف۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

جی[2] ترستا ہے یار کی خاطر — اس کے بوس و کنار کی خاطر
تیرے آنے سے یوں خوشی ہے دل — جیسے بلبل بہار کی خاطر
ہم سے مستوں کو بس ہے تیری نگاہ — صبح اُٹھ کر خمار کی خاطر
بس ہے اس سنگ دل کا نقشِ قدم — میری لوحِ مزار کی خاطر

عمر گزری کہ ہیں کھلے حاتم
چشمِ دل انتظار کی خاطر

زمین[3] طرحی ۱۱۴۴ھ

بحرخفیف مخبوں مقصور

طرفہ معجون ہے ہمارا یار — غیر سے ہم کنار ہم سے کنار
ہم کہیں باغ چل تو ہاں نہ کہے — غیر کے ساتھ روز سیر و شکار
ہم کو مجلس میں دیکھ چپ ہوجائے — غیر سے ٹوک کر کرے گفتار
ہم کو دیکھے کہیں تو آنکھیں چرائے — غیر کو دیکھ کر آپ سے ہو دوچار
غیر سے صاف سینہ ہو کے ملے — ہم سے دل میں رکھے ہمیشہ غبار
غیر جور و جفا و بے مہری — ہم سے اس کا نہیں ہے اور شعار
غیر کی بات سن کے خوش ہووے — ہم سے ہر بات میں کرے تکرار
منت و عجز و انکسار و نیاز — کرتے کرتے ہوئے بہت لاچار
وہ کسی طرح آشنا ہی نہیں — امتحاں ہم کیا ہے چندیں یار
ذرا بھی کان دھر کبھو نہ سنے — دردِ دل ہم اگر کریں اظہار

---

[1] زمین ناجی در ۱۱۴۰ھ، فی بحرخفیف مخبوں مقطوع (فاعلاتن مفاعلن فعلن)، لندن
[2] دل، علی گڑھ، ولا ہور
[3] ۱۱۴۴ھ، لاہور کے علاوہ کسی اور نسخے میں یہ غزل نہیں ہے۔

جان اور مال دے چکیں اُس کو | دل سے جانے ہمیں اگر غم خوار
جو رہے ہم سے روز بیگانہ | صحبت ایسے سے کیسے ہو برار
کر الٰہی تو مہرباں اس کو | جس کے پیچھے ہوئے ہیں زار و نزار
غرض اب شکوہ کب تلک کیجیے
چپ ہی رہنا ہے حاتمؔ اب درکار

زمین طرحی ۱۱۶۲ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

راضی نہیں چمن میں کرے آ کے سیر و طیر | بلبل سے کیا ہے پوچھ تو گل باغباں کو بیر
ہر شام اس کی زلف کا چرچا ہے بزم میں | ہر صبح سب کا ورد اسی کا ہے ذکرِ خیر
طوفِ حرم ہو تم کو مبارک اے حاجیو | اس[1] بندۂ بتاں کا سلامت رہے یہ دیر
حاتمؔ ہے بندہ دل سے ترا یا علیؑ ولی
تیرا ہی نام اس کی زباں پر ہے جوں نصیر

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ[2]

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع مسبغ۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

ترا بجوم و رمل کیا ہوا وہ اور تکسیر[3] | جو اس پری کو تو اب تک نہ کر سکا تسخیر
تمام رات پکارا کیا درِ دل پر | کسو نے ہوں نہ کہا غیر نالۂ شب گیر
گئی بہار یہ ہرگز کِھلا نہ تجھ سے نسیم | بجا ہے دل کو کہوں اپنے غنچۂ تصویر
کہاں ہے دل جو کہوں ہوئے آ کے دیوانہ[4] | کہ اُس کی زلف کی خالی ہے اس گھڑی زنجیر
نہیں ہے سرخ یہ سنجاف تیرے جامے کا | یہ میرا خون اے قاتل ہوا ہے دامن گیر
میں جاں بلب ہوں اے تقدیر تیرے ہاتھوں سے | کہ تیرے[5] آگے میری کچھ نہ چل سکی تدبیر

---

[1] بندہ ہوں بتاں کا سلامت رہے دیر، لندن
[2] ۱۱۶۲ھ، لاہور و لندن
[3] تکثیر، علی گڑھ
[4] اگر دیوانہ نہ ہوں تو بڑا دیوانہ ہوں، کراچی
[5] کہ مری کچھ نہ گئی پیش تجھ سے اب تدبیر، لندن

کرے[1] ہے ذبح یہاں اہلِ بزم کو حاتم
ادائے مطرب و ساقی صدائے چنگ و نفیر

زمین[2] طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

پچھلی باتوں کا نہ کر شکوا تو آنکھیں گاڑ گاڑ — ہو چکی سو ہو چکی آ مت گڑے مردے اکھاڑ
دن تو جوں توں وصل کی امید پر جاتا ہے کٹ — سنگ دل کے ہجر کی راتیں ہیں چھاتی پر پہاڑ
اے مری بستی نہ ہو جس دم بغل کے بیچ تو — اس گھڑی ہو جائے آبادی مرے حق میں اجاڑ
میں نے پھاڑا ہے گریباں تجھ اوپر اے نونہال — سنتے ہی میری زباں سے اٹھ چلا[3] دامن کو جھاڑ

بے سبب[4] وہ اچپلا گستاخ حاتم سے نہیں
جان کر عاشق اسے دکھلاوتا ہے اس کو لاڑ

زمین طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر رمل مسدس مخبوں مقصور۔ فاعلاتن فعلاتن فعلات

کیا ستاتے ہو رہو بندہ نواز — کہ نہیں خوب یہ خو بندہ نواز
بے سبب بے وجہ و بے تقصیر — اس قدر غصہ نہ ہو بندہ نواز
ظلم ناحق نہ کرو کوئی دن — جیو اور جیونے دو بندہ نواز
مے کشوں بیچ نہ بیٹھو ہرگز — خون میرا نہ پیو بندہ نواز
عطر کو مل کے نہ آؤ ہم پاس — ذبح کرتی ہے یہ بو بندہ نواز
کب تلک اپنی کہے جاؤ گے — بات میری بھی سنو بندہ نواز
واجب القتل تمہارا میں ہوں — اور کا نام[5] نہ لو بندہ نواز

---

[1] قتل، علی گڑھ — [2] ۱۱۶۲ھ، لاہور — [3] گیا، لندن

[4] لندن میں یہ مقطع اس طرح ہے:
بے سبب حاتم سے کچھ وہ اچپلا گستاخ نہیں = جان کر عاشق اسے اپنا کرے ہے اس سے لاڑ

[5] ناؤں، لاہور، ناؤ، لندن

گو کہ سب مجھ کو برا کہتے ہیں — تم زبان سیں نہ کہو بندہ نواز
کس[1] کا منہ ہے جو تیرے سنمکھ ہو — ہو نہ ہو آئینہ ہو بندہ نواز
جا تری چشم میں میری ہے جا — سرو ہو ہے لبِ جو بندہ نواز
وصفِ کاکل میں سدا گویا ہے — جو زباں ہر سرِ مو بندہ نواز
دل سے حاتمؔ بخدا بندہ ہے
دور خدمت سے ہے گو بندہ نواز

زمین[2] طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر رمل مسدس مسطور

بندہ کو شاد کرو بندہ نواز — ورنہ آزاد کرو بندہ نواز
عشق نے کشورِ دل لوٹا ہے — آ کے آباد کرو بندہ نواز
سب طرح حکم کے ہم تابع ہیں — جو تم ارشاد کرو بندہ نواز

زمین[3] طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقصور۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات

خاک قسمت میں نہیں ڈھونڈ ھوں ہوں اکسیر ہنوز — جا چکا ہاتھ سے دل کرتا ہوں تدبیر ہنوز
کثرتِ آہ و فغاں سے تو گلا بیٹھ گیا — تو بھی ہوتا ہے میرا نالہ گلو گیر ہنوز
نام کو بھی نہ رہا ایک یہاں دیوانا — چشم وا دیکھو کہ ہے حلقۂ زنجیر ہنوز
رشکِ غرباں ہے سینے میں کلیجا چھن کر — تو بھی ہے دل میں مرے آرزوئے تیر ہنوز
خلق مرتی ہے جسے سن کے وہ کیسا ہوگا — جس کی دیکھی نہیں ہے خواب میں تصویر ہنوز
عشق میں جس کے اٹھاتا ہے ہزاروں صدمے
اس سے پھرتا نہیں حاتمؔ دل بے پیر ہنوز

۱۔ لندن میں اس شعر پر یہ نشان دے کر حاشیہ پر مقطع سے پہلے یہ دو شعر اور لکھے ہیں۔
۲۔ لندن میں اس غزل کے یہ تین اشعار درج ہیں، جو کسی نسخہ میں نہیں ہیں۔
۳۔ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

زمین[1] طرحی ۱۱۳۵ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

پہن نکلا صنم گھر سے قبا سبز ہوا جوں سرو سر سے تا پا سبز
کفِ پا دیکھ تیرے خون سے سرخ ہوا ہے وہم[2] سے رنگِ حنا سبز
میاں چل سیر کر ابر و ہوا ہے ہوا ہے کوہ و صحرا جا بجا سبز
نہ ہو تو اس سے نااُمید حاتم
کرے گا کشت[3] کو تیری خدا سبز

بحر ہزج مسدس محذوف

ہوا ہے خط سے عارض جانِ من سبز کیا ہے ابرِ رحمت نے چمن سبز
مگر قمری کا ماتم ہے چمن میں جو بر میں سرو کی ہے پیرہن سبز

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

کشتی مری تباہ نہ کرنا خدا شناس جانے[4] دے ناخدا کو تو ہو جا خدا شناس
کہنے لگا خموش نہیں جائے دم زدن قدرت کا اس کی دیکھ تماشا خدا شناس
حیراں ہیں اپنے اپنے جو دیکھا سو کام میں کیا ناخدا شناس یہاں کیا خدا شناس
اے نالہ تیری داد[5] کو پہنچے یہاں وہی یا اہلِ درد ہو کوئی ہو یا خدا شناس
مسجد میں سر پٹکتا ہے تو جس کے واسطے سو تو یہاں ہے دیکھ ادھر آ خدا شناس
پکڑا نہ جائے ان کے گناہوں میں تو کہیں سائے سے میکشوں کے پرے جا خدا شناس
حاتم پھروں ہوں ڈھونڈھتا عالم میں کو بہ کو
آوے کہیں کوئی بھی نظر تا[6] خدا شناس

لاہور و کراچی ولندن میں یہ غزل درج ہے۔ لندن میں ۱۱۴۸ھ ہے۔
دہشت سیتی، کراچی ۳ کشت، کراچی ولندن
لندن میں یہ مصرع اس طرح ہے : گرنا خدا نہیں ہے تو ہو جا خدا شناس
درد، علی گڑھ ۶ تا، لندن ولاہور، نا۔ علی گڑھ

زمین طرحی ۱۱۵۴ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات (تجنیس مکرر)

گر بھلا مانس ہے تو خندوں سے تو مل مل نہ ہنس
مسکرا جوں غنچہ پر گل کی طرح کھل کھل نہ ہنس

رو روا چاہے جتا رونے سے جا ہے دل سے دنگ
زنگ ہو ہے دل او پر ہنسنے سے آ اے دل نہ ہنس

تو ہنسے ہے موت کو اور موت ہنستی ہے تجھے
موت کو ہنسنا نہیں ہے خوب اے غافل نہ ہنس

عقل سے ہے دور ہنسنا دم بدم عاقل کے تئیں
عقل[1] ہے تو تو کسی بے عقل پر عاقل نہ ہنس

ہنس جتا چاہے اکیلا ہنس تو دیوانے کی طرح
پر ہنسی میں تو کسی ہنستے سے ہو شامل نہ ہنس

جو ہنسی ہے اور کو اس نے ہنسایا آپ کو
اس ہنسی میں کچھ نہیں حاصل ہے بے حاصل نہ ہنس

ہنستے ہنستے میں کئی کے گھر لگے ہیں خالصے
ضبط کر اپنی ہنسی حاتم تو اب یک تل نہ ہنس

زمین طرحی ۱۱۴۷ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

چاہتا[2] ہوں دوں تری خدمت میں آ کر التماس
اپنے صاحب کو میاں دیتا ہے جا کر التماس

جو زبانی اس سے کہتا ہوں تو وہ سنتا نہیں
اب مجھے لازم ہوا دیجے لکھا کر التماس

شمع[3] کوکب ہے دماغ اس پر کرے جو مہر داغ
عرض گو سَو سَو کرے پروانہ لا کر التماس

وہ[4] تغافل پیشہ میرے کام میں کرتا ہے دیر
طاقِ نسیاں پر رکھے ہے گا پڑھا کر التماس

مطلبِ پنہاں ہمارا دوستاں ظاہر نہ ہو
دشمنوں کے روبرو دینا چھپا کر التماس

معنی و الفاظِ رنگین سے ہمارا مدعا
ہے کوئی ایسا کہ لکھ دیوے بنا کر التماس

شکر کر حاتم کہ وہ مانگے ہے تیرے ہاتھ سے
مہرباں ہو کر توجہ سے بلا کر التماس

---

[1] لاہور و لندن میں یہاں 'تجنیس زائد' درج ہے۔ [2] میں دیا چاہوں ہوں اب خدمت میں آ کر التماس، لندن

[3] لندن میں یہ شعر اس طرح ہے: شمع رو کرتا نہیں ہے اس کے اوپر مہر داغ = عرض کرتا ہے گا گو پروانہ لا کر التماس

[4] وہ تغافل پیشہ میرے کام کو پھینکے ہے دور، علی گڑھ و لاہور

زمین طرحی ۱۱۳۷ھ[1]

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف ۔ فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

دلِ عاشق ہے تری[2] چشم ستم گار کے بس کیا خرابی ہے کہ صوفی ہوا مے خوار کے بس
یک دن دل کو کبھو ہم نے نہ دیکھا چنگا اس قدر جا کے ہوا ایسے دل آزار کے بس
جو پھنسا اس میں سو چھوٹا نہ کبھو جیتے جی حق کسو کو نہ کرے زلفِ فسوں کار کے بس
دل بے رحم مرا مجھ کو ستاوے[3] ہے بہت یا الٰہی یہ پڑے جا کسو خونخوار کے بس
دوستی[4] میں تو نہیں کچھ یہ تعجب حاتمؔ
یار کا دل ہو محبت سے اگر[5] یار کے بس

زمین طرحی ۱۱۵۴ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع مسبغ ۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

ہے[6] اسی طرح سے مجلس میں شمع اور فانوس کہ زیب دیتی ہے حجلے میں جس طرح سے عروس
کھلا ہے ایسا مرا لالہ زار داغوں سے کہ رقص کرتا ہے گلشن میں دیکھ کر طاؤس
جنوں کے فیض سے مانند بیدِ مجنوں کے نمو کے پیچ کروں ہوں[7] ترقیِ[9] معکوس
اے[8] سر و قد تو پہن جامہ فاختائی رنگ کہ تیرے بر میں سراپا سجے ہے یہ ملبوس
بجا ہے گر وہ لگے آ کے تیرے قدموں سے حنا کہ رکھتی ہے مدت سے خواہشِ پابوس
گیا ہے جب سے نکل تو ہمارے ہاتھوں سے ملو ہوں تب سے میں حیرت[10] زدہ کفِ افسوس
امید وار ہے درگاہ سے تری حاتمؔ
کریم اپنے کرم سے اسے نہ رکھ مایوس

---

۱ ۱۱۳۸ھ، لندن
۲ سدا، کراچی و لندن
۳ ستاتا ہے گا، علی گڑھ، لندن کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔
۴ بیچ، لندن
۵ کبھو، لندن
۶ ہے اس طرح سے یہ مجلس میں شمع اور فانوس، لندن
۷ ہو، علی گڑھ
۸ اے سرو قد پہن اب جامہ فاختائی کا، لندن
۹ یہ راست ہے، لندن
۱۰ حیرت سے، کراچی

زمین طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات

اے سنگِ دل تو نے آہن سے دل کیے ہیں انیس | بجا ہے کھینچے ہے لوہے کو سنگ مقناطیس
متاعِ حسن کا تیری اے ماہ زہرہ جبیں | ہے آفتاب سا دلال و مشتری برجیس
ہے اس پری سے میرے دل کو جی سے یوں الفت | کہ جوں رکھے تھا سلیماں محبتِ بلقیس
یہ ملک وہ ہے خرابی ہے جس کی آبادی | کہ ہے ازل سے اس اقلیمِ دل کا عشق رئیس

سو احتیاج ہوں تو بھی طمع نہ رکھ حاتم
تو[1] اس کے پاس جا جو ہو تنگ چشم و دل کا خسیس

زمین[2] طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

اس[3] زمانے میں نہ ہو کیونکر ہمارا دل اداس | دیکھ کر احوالِ عالم اڑتے جاتے ہیں حواس
بس رہا ہے بو سے تیری جانِ من ایسا دماغ | بے دماغ ہم کو رکھے ہے باغ میں پھولوں کی باس
جس طرف جاوے تو اے خورشید[4] رو سایہ کی طرح | ہر قدم میں بھی ہوں تیرے ساتھ ساتھ اور پاس پاس
تشنگی سے چاہ کی تیری نہیں سیراب دل | ہے مثل مشہور مستسقی کی نئیں بجھتی ہے پیاس
حق سے ملنا گیروے کپڑوں اوپر موقوف نئیں | دل کے تئیں رنگو فقیری یہ ہے اور سب ہے لباس
جوں[5] جوں تو ساغر پیے ہے غیر کی مجلس کے بیچ | توں توں اے بدمست دل میں میرے آتا ہے ہراس

کنہ ذاتِ حق کو کیا پاوے کوئی حاتم کبھو
سب کے عاجز ہیں یہاں وہم و گماں فہم و قیاس

---

[1] تو اس سے جا کے، لاہور و علی گڑھ۔ لندن و کراچی کو ترجیح دی گئی ہے۔

[2] ۱۱۵۱ھ، لندن و لاہور

[3] لندن میں یہ شعر اس طرح ہے: اس زمانے میں ہمارا دل نہ ہو کیونکر اداس = دیکھ کر احوال کو عالم کے جاتے ہیں حواس

[4] سرِ رواں، لاہور

[5] لندن میں یہ شعر اور دیا ہے۔

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

میں[1] دیکھنے کو منہ تیرا اے بے کسوں کے کس — سسکوں ہوں جاں بہ لب ہوں مروں ہوں ترس ترس
ایسا نہ ہو خدا نہ کرے وہ گھڑی کہ ہو — ہم سا کوئی ضعیف[2] جو ان ظالموں کے بس
پھڑکوں تو سر پھٹے ہے نہ پھڑکوں تو جی گھٹے — تنگ اس قدر دیا مجھے صیاد نے قفس
نالاں ہے سینہ چاک ہے اور بے قرار ہے — احوال[3] میرے دل کے تڑپنے[4] کا سن جرس
تیرے[5] قدم کی خاک میں کحل البصر کروں — پاؤں تلک جو پاؤں مری جان دسترس
چھاتی بھر آوتی ہے پپیہے کی صوت سے — برسات مجھ کو آکے ستاتی ہے ہر برس

حاتم جہاں کو جان کے فانی خدا کو چاہ
اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس

زمین طرحی ۱۱۴۱ھ

بحر مضارع مثمن اخرب۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

گر ظلم اور ستم ہے اس پر جفا کی خواہش — راضی ہیں ہم بھی اس پر جو ہو خدا کی خواہش
تیرے لبوں سے دل کو بوسے کی آرزو ہے — بیمار کو نہ ہووے کیونکر شفا[6] کی خواہش
عاشق کا خوں بہا کر پامال کیوں[7] کرے ہے — قاتل کے تئیں ہوئی ہے شاید حنا کی خواہش
تیری نگہ کو پیارے ترسے ہیں چشم میرے — کیونکر نہ آشنا کو ہو آشنا کی خواہش

اکسیر تجھ نگہ کا حاتم کو کیمیا ہے
جو مرد ہے نہیں ہے اس کو طلا کی خواہش

---

[1] کراچی ولندن میں اس کی جگہ یہ مصرع دیا ہے: ہے جان من یہ حال مرا بن ترے درس

[2] غریب، لندن

[3] لندن میں یہ مصرع اس طرح ہے: احوال دل کا دیکھ کے میرے سدا جرس

[4] پھڑکنے، علی گڑھ، دھڑکنے، رام پور

[5] تیرے قدم کی خاک کروں سرمہ چشم میں، لندن

[6] دوا، لاہور

[7] اب کرے، لندن

۱۸۴اھ[1]

بحرِ مجتث مخبوں مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات

ہے اب کی سال ہر اک باغ میں بہار کا جوش — شمیم گل سے ہے بادِ نسیم عطر[2] فروش

یہ سیر بلبل و قمری تمھیں مبارک ہو — کہ شاخِ گل ہیں ہم آغوش و سرو قد[3] ہم دوش

عجب طرح کی ہے گلشن میں آج گفت وشنید — کلی زبان کی صورت ہے گل ہے صورتِ گوش

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحرِ رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

بے شراب ہم کو نہیں آرام و بے جانا نہ عیش — کس کو خوش آتا ہے بے ساقی و بے پیمانہ عیش

عشق کی اقلیم میں ہم نے عجب دیکھی یہ رسم — عاقل ہووے خوار اور کرتا پھرے دیوانہ عیش

مے فروشوں کے نہ ہوویں کیونکر دروازوں کی خاک — خاک ہونا مے کشوں کو ہے درِ میخانہ عیش

اپنی ہمت کے موافق فکر ہے ہر ایک کا — جانتا ہے اپنے جل مرنے کے تئیں پروانہ عیش

جمع[4] اے حاتم مے و معشوق و مطرب ہو جہاں
اس طرح کے عیش کو کہتے ہیں مرزایانہ عیش

زمین طرحی ۱۱۵۰ھ

بحرِ رمل مثمن مسدس مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

مست کو کب ہوئے گھر جانے کا ہوش — ہے اسے دن رات میخانے کا ہوش

اس طرح شیشے اوڑاتے ہو کہ آج — دیکھ کر جاتا ہے پیمانے کا ہوش

شمع[5] مجلس ہو کے وہ بیٹھا ہے مست — کیوں نہ اڑ جاوے گا پروانے کا ہوش

۱۔ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ یہ سرخی لاہور کی ہے، علی گڑھ میں صرف ''ولہ'' درج ہے۔

۲۔ ہیں۔ علی گڑھ — ۳۔ مرجانے، علی گڑھ

۴۔ مے ہو اور معشوق ہو اور راگ ہو حاتم جہاں، کراچی

۵۔ لندن میں یہ شعر اس طرح دیا ہے: شمع رو بیٹھا ہے مجلس بیچ مست = کیوں نہ اب اڑ جائے پروانے کا ہوش

آج میرے گھر میں متوالے کے تئیں　　کس طرح سے آگیا آنے کا ہوش
میکدے کے در پر حاتم گر پڑا
ہے کسو کے تئیں اٹھا لانے کا ہوش

زمین طرحی ۱۱۵۷ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تونگر جس طرح کرتے ہیں اپنے تن کی آرائش　　فقیروں کو بھی ہر دم ہے گی اپنے من کی آرایش
ہوئی ہے ابر میں تجھ کو خراماں دیکھ کر چنچل　　کنارے کی طرح بجلی ترے دامن کی آرایش
ہے رونق سب طرف شاید گل و بلبل کی نسبت ہے　　بناوے ہے[1] جو ہنس ہنس باغباں گلشن کی آرایش
ہوا ہے سرو قد کے عشق کی دولت سے قمری کو　　گلے[2] میں آج طوقِ بندگی گردن کی آرایش
جو دیوانہ ہوا چاہے تو چل کر دید کر حاتم
ہوئی ہے آج مجنوں کے قدم سے بن کی آرایش

زمین[3] طرحی ۱۱۵۶ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

کام فرما صبر کو[4] اتنا بھی کیا فکرِ معاش　　رزق تجھ کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے تو مت کر تلاش
اے ستم گر ہم نے اب جانا بڑا خونی ہے تو　　روز دیکھوں ہوں نئی در پر تیرے عاشق کی لاش
اس قدر تیرے کفِ پا نرم اور رنگین ہیں　　خواب میں مخمل نے بھی دیکھا نہیں ایسا قماش
خوش خطوں میں ہے میاں خط کا ترے اور ہی سواد　　حسن کے گلشن کا یہ سبزا ہے اس کو مت تراش
عمر میں باقی نہیں اور ہجر کو پایاں نہیں
حاتم اتنی زیست پر عاشق ہوا ہوتا نہ کاش

---

[1] جو کرتا ہے گا، لندن　　[2] کل، علی گڑھ
[3] ۱۱۵۷ھ، لندن　　[4] کو، علی گڑھ

زمین طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

ہو رہا ہے ابر اور کرتا ہے وہ جانانہ رقص — برق گرد اس کے کرے ہے آ کے بے تابانہ رقص
دور میں چشمِ گلابی کے ترے اے بادہ نوش — بزم میں کرتا ہے مستوں کی طرح پیمانہ رقص
اس قد و رخسار پر اے شمع رو اس حسن پر — قمری و بلبل کرے ہے وجد اور پروانہ رقص
گھونگرو جانے ہے پاؤں میں[۱] وہ زنجیروں کے تئیں — کیوں نہ اس آواز پر بن بن کرے دیوانہ رقص

جس کے گھر آوے وہ حاتمؔ ناز سے رکھتا قدم
اُٹھ کھڑا[۲] ہو کر کرے اس آن صاحب خانہ رقص

زمین[۳] طرحی ۱۱۳۵ھ

بحر خفیف مخبوں مقصور۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات

یوں ہے تم سے ہمیں سدا اخلاص — گل سے رکھتی ہے جوں صبا اخلاص
دوستی میں عجب نہیں کہ رکھیں — آشناؤں سے آشنا اخلاص
کبھو پایا نہ ایک دم آرام — جب سے تم ساتھ ہم کیا اخلاص
دل میں دشمن رہا تو منہ پر دوست — ہم نے دیکھا میاں ترا اخلاص
یہی ہوتی ہے دوستی کی شرط — وہ چہ خوش واہ وا بھلا اخلاص
ہم نے چھوڑا تمھیں خدا کی قسم — کیجیے جا کے اور جا اخلاص

حاتمؔ اس بے وفا کا نام نہ لے
ایسے نا آشنا سے کیا اخلاص

پیچ، لندن و رامپور

سرو قد، لاہور

لندن میں 'زمین طرحی' کی بجائے ''زمین غلام مصطفیٰ خاں یک رنگ مختلف القافیہ'' لکھا ہے۔ کان پور میں صرف پانچ اشعار موجود ہیں۔

زمین طرحی ۱۱۴۸ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

کرے ہے پاؤں کی جا پہلے اپنا سر غواص — نکال لاوے ہے تب بحر سے گہر غواص
گزر کے جان سے سر رشتہ دے کے دوست کے ہاتھ — چلا ہے قعر میں دریا کے بے خطر غواص
بہ وقتِ غوطہ اسے چشم بند مت جانو — رکھے ہے کام پر اپنے یہاں نظر غواص
یہ راہ سر سے چل اور مت بکے خموش ہو جا — یہاں نکال نہ دم منہ کو بند کر غواص
لے معرفت کے تو دریا کے دُر کو اے حاتم
خدا کرے تجھے اس بحر کا اگر غواص

زمین[1] طرحی ۱۱۴۵ھ

بحر مجتث مسطور

ہوا ہے بحرِ معانی کا دل مرا غواص — دُرِ سخن کو وہ لے ہم سے جس میں ہو اخلاص
ہے ابر[2] آج چلو باغ میں شراب پئیں — وہاں چنار ہے دستک زن اور ہوا رقاص
کیا جو قتل تو عاشق کو کچھ نہ لا دل میں — بھلا کیا جو کیا قیدِ زندگی سے خلاص
ہے[3] تیرے حسن کی اب شان بزم میں اور ہی — تو جیسے شاہ ہے اور خوبرو ترے ہیں خواص
تمام ہند میں دیوان کو ترے حاتم
رکھے ہے جان سے اپنی عزیز عام اور خاص

زمین[4] طرحی ۱۱۴۸ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

ہونا سبھوں کو اس کے ہے تابع رضا کا فرض — بندے سے گو ادا نہیں ہوتا خدا کا فرض
پروا نہیں ہے اس کے تئیں گو ہمیں تو ہے — لکھنا کتابتوں میں سلام و دعا کا فرض

---

[1] ۱۱۴۸ھ لاہور، ۱۱۴۰ لندن۔ ۱۱۴۵، علی گڑھ و رام پور
[2] اس ابر بیچ، لندن
[3] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
[4] ۱۱۴۷، لاہور۔ ۱۱۴۸ رام پور

دل کا نہیں رفیق بڑھاپے میں غیر آہ　　پیری میں ہے ضعیف کو رکھنا عصا کا فرض
میں تم کو چھوڑنے کا نہیں زندگی تلک　　ملنا ہے آشنا کے تئیں آشنا کا فرض
حاتمؔ تمام عمر تو رونے سے منہ نہ پھیر[1]
ماتم ہے دوستوں کو شہِ کربلا کا فرض

زمین طرحی ۱۱۴۷ھ

بحر رمل مسدس مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

عشق کے ہے گھائلوں کو غم سے فیض　　ان کے زخموں کو نہیں مرہم سے فیض
عاشقی کے فن میں ہیں اُستاد ہم　　لے گئے فرہاد و مجنوں ہم سے فیض
مست ہوئے[2] کو ترے بس ہے نگاہ　　ہم نہیں چاہے ہیں جامِ جم سے فیض
ابر کو پہنچا ہے جا افلاک پر　　اب ہمارے دیدۂ پرنم سے فیض
مر گیا تو کیا ہے مردے سے اُمید　　جیتے جی ہر ایک کے ہے دم سے فیض
کوئی نہیں آتا کسو کے کام اب　　اٹھ گیا ہے اس قدر عالم سے فیض
فیض کے کوئی نام سے واقف نہ تھا
ہے جہاں میں نامور حاتمؔ سے فیض[3]

زمین طرحی ۱۱۴۸ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

اس بے وفا نے چھوڑ کے یاروں سے ارتباط　　پیدا کیا ہے جا کے ہزاروں سے ارتباط
نخچیرِ دل کا کیونکہ بچے من ہرن سے آج　　اس[4] نے کیا ہے میر شکاروں سے ارتباط
ناصح تو اس کے ملنے سے مانع نہ ہو مجھے　　کوئی بھی چھوڑتا ہے پیاروں سے ارتباط

---

[1] نہ موڑ، لندن　　[2] لے گیا ہے آ کے مجنوں، کراچی

[3] لندن میں اس کے بعد ردیف 'ض' کا یہ شعر اور دیا ہے۔ نسخۂ دہلی میں اس غزل کے پانچ اشعار موجود ہیں جو قدیم دیوان سے متعلق ہیں۔ ملاحظہ ہو 'دیوانِ حاتم'

[4] اُن نے، لندن

دیکھی کسو نے اب مرے دل کی فسوں گری | کیونکر کیا ہے زلف کے ماروں سے ارتباط
ڈرتا نہیں ہے خال و خط و چشم و زلف سے
حاتم کو ہے قدیم سے چاروں سے ارتباط

زمین طرحی ۱۱۴۴ھ

بحر رمل مسدس مقصور

عشق کی یارو نہیں آسان شرط | اس میں دینا ہے گا اول جان شرط
آہ سرد و رنگ زرد و سر بہ کف | چشمِ گریاں و دلِ بریان شرط
دیکھ لو ہم کس طرح کھوتے ہیں جی | ہم[1] سے کچھ بدتے ہو تم اے جان شرط
خوبصورت تو بہت ہو ہیں ولے | حسن میں ہے گی اداؤ آن شرط
حاتم اس کے ہونٹ اصلی لال ہیں
اس کے تئیں کھانا نہیں ہے پان شرط

زمین[2] طرحی ۱۱۴۹ھ

بحر ہزج مسدس مثمن مخبوں محذوف۔ فاعلاتن[3] فعلاتن فعلن

ابھی آغاز ہے اے دل[4] رُبا خط | خدا کے واسطے تو مت منڈا[5] خط
یہ کل کی بات ہے تو سادہ رو تھا | لگے[6] کس کی نظر جو آگیا خط
اگر دعویٰ ہے تجھ کو ہم سے کچھ آج | تو ہم حاضر ہیں ہم کو لا دکھا خط
گیا ہے جب سے وہ کانِ تغافل | کبھو اس[7] نے نہیں ہم کو لکھا خط
جوابِ نامہ جو بھیجے نہ حاتم
پھر ایسے کے تئیں لکھنا ہے کیا خط

---

۱ ہم سے اب بدتے ہو کچھ اے جان شرط، لندن
۲ فی بحر ہزج مسدس محذوف، لندن
۳ مفاعیلن مفاعیلن فعولن، لاہور و لندن
۴ ہے تیرا خوب سب سے، کراچی
۵ بنا، لندن
۶ یہ تیرے آج کیونکر آ گیا خط، لندن
۷ اُن نے، لندن

زمین طرحی ۱۱۴۲ھ

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

یہ غلط ہے کہ نہیں بولتا وہ یار غلط[1] ہم سے کہتا ہے وہ ہر بات میں سو بار غلط
عشق کی درس میں ہرگز نہیں ہے بحث کو جا شیخ اس وقت تیری سب ہے یہ تکرار غلط
اس کے وعدہ کی وفا ہم کو عبث ہے یارو ہے سراپا ایسے بد قول کا اقرار غلط
کوئی سخن کو مرے لاتا ہے نہیں خاطر میں واسطہ یہ[2] ہے کہ سب ہیں مرے اشعار غلط

سر دیوان پہ حاتم کے بجا ہے کہ لکھو
نسخۂ معتبر و خوش خط و بسیار غلط[3]

زمین[4] طرحی ۱۱۴۱ھ

بحر رمل مسدس مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

اب کوئی دم بیچ آتی ہے خزاں باغباں کر لے چمن کی احتیاط
عاشقوں کے تئیں نہیں پاسِ لباس کب ہے مُردوں کو کفن کی احتیاط

زمین طرحی ۱۱۴۲ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

جہاں میں تم کو ہمیشہ رکھے خدا محظوظ ہے آشنا کی خوشی گر[5] ہو آشنا محظوظ
رقیب تو نے جو بدظن کیا ہے مجھ سے اسے کروں گا تیرے تئیں میں بھی خوب سا محظوظ
میں کہہ رہا کہ تو مت مل بتاں سے حاصل کیا[6] ملے سے ان کے اب اے دل تو کچھ ہوا محظوظ
عجب لپٹ ہے پسینے کے گل بدن تیرے کہ گل ہے عطر فروش[7] اور ہوئے صبا محظوظ

۱؎ کون کہتا ہے کہ بولے نہیں ہے، کراچی
۲؎ کیونکہ لاوے کہ ہیں میرے سبھی اشعار غلط، لندن
۳؎ لندن میں اس کے بعد ردیف 'ط' کے یہ دو شعر اس عنوان کے ساتھ درج ہیں۔
۴؎ ۱۱۴۲، لاہور ۱۱۴۴ھ، رام پور و علی گڑھ
۵؎ جو، لندن
۶؎ حاصل کیا، کراچی
۷؎ کہ گل نثار ہوئے، کراچی

کسو کی طرح نہیں احتیاج حاتمؔ کو
وہ تیرے عشق کے دولت سے ہے سدا محظوظ

زمین طرحی ۱۱۵۲ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

مستی میں میکشوں کے تئیں ہوئے کب لحاظ — جاتا رہے ہے ان کی طبیعت سے سب لحاظ
گستاخیاں رقیب نہیں چھوڑتا مگر — سر میں لگے گی دھول[۱] اسے ہوگا تب لحاظ
نازک طبیعتوں سے نہ ہو بے ملاحظہ — اتنا بھی کیا نہیں ہے تجھے بے ادب لحاظ
ہے طفل گو کہ قدر مری بوجھتا نہیں — جانے[۲] گا قدر تب کہ اسے ہوگا جب لحاظ
دامن کو اس کے ہاتھ لگایا تھا بھول کر
حاتمؔ کے دل میں سوچ کے آیا ہے اب لحاظ

زمین طرحی ۱۱۴۱ھ

بحر مضارع اخرب مکفوف محذوف

پایا نہ ہم نے آ کے کہیں زندگی کا حظ — گویا کہ اس جہاں میں نہیں زندگی کا حظ
سن[۳] کر مرے سوال کو اس نے دیا جواب — ہم[۴] پاس آ کہ ہے گا یہیں زندگی کا حظ

زمین طرحی ۱۱۳۸ھ

بحر رمل۔ فلاعلاتن فاعلاتن فاعلات

کیوں نہ ہارے آج یہ بازی تمہارے ہاتھ شمع — گشت کھا کر رخ سے تیرے ہوگئی ہے مات شمع
رات جاتی ہے لگن تیری میں آ ٹک بزم میں — کر رہی ہے تجھ بن اب رو رو یہاں برسات شمع

---

۱ اس کی، علی گڑھ و رام پور
۲ بوجھے گا، لندن
۳ سن کر کے اس سخن کو کہاں دل سے یار نے، لندن
۴ مجھ، لندن۔ نسخوں میں دو شعر ملتے ہیں، کان پور میں صرف ایک شعر ہے۔

ہے کھڑی چھپ کر تمہارے دیکھنے دیدار کو　　پردۂ فانوس میں ظالم لگا کر گھات شمع
صبح ہوتی دیکھ کر خاکستر ہوئی پروانہ وار　　انتظاری میں تمہاری جل کے ساری رات شمع
حیف[1] ہے حاتمؔ کہ اس بے کس نے جل کر جی دیا
تو بھی پروانے کے تئیں ہنستے[2] نہ پوچھے بات شمع

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

ساقی شراب ناب ہے اور سب ہیں یار جمع　　آنے[3] کا کر رہے ہیں ترا انتظار جمع
کوئی ہے سرخ پوش کوئی زرد پوش ہے　　آ دیکھ بزم میں کہ ہوئی ہے بہار جمع
جو بال زلف کا تیرے شانے کے ہاتھ سے　　ٹوٹا سو ہم کیا ہے اسے تار تار جمع
چن چن نکالے ہے کوئی ایسا بھی دردمند　　مدت سے ہو رہے ہیں پھپھولے میں خار جمع
آ جا کہے ہے تجھ سے اب حاتمؔ یہ وقت ہے
ہوتے ہیں پھر یہ یار کہاں بار بار جمع

زمین طرحی ۱۱۴۱ھ

بحر رمل مسدس مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

دل نہ ہو کیوں شاہِ خوباں کا مطیع　　دیو ہوتا ہے سلیماں کا مطیع
اے[4] مسلمانو بڑا کافر ہے وہ　　جو نہ ہووے زلف گیراں[5] کا مطیع
دیو[6] کو حاضر کیا تو کیا ہوا　　کام ہے جو دل ہوا انساں کا مطیع
کس[7] طرح دل کو نہ دیوانا کہوں　　جو ہوا ہے جا کے طفلاں کا مطیع
سب گئے[8] پر ایک حاتمؔ رہ گیا
تجھ سے نافرماں کے فرماں کا مطیع

---

۱ دیکھ لے، لندن　　۲ ہرگز، لندن
۳ تشریف لا کہ ہیں گے مرے، لاہور، کراچی، رام پور　　۴ اے مسلمانو بڑا کافر ہوں میں = جو نہ ہوں زلف پریشاں کا مطیع، لندن
۵ پریشاں، لندن و کراچی　　۶ حاضرات عالم کی کچھ آساں نہیں، کراچی
۷ کیوں نہ اپنے دل کو دیوانہ کہوں، کراچی　　۸ بہت تھے عاشق، کراچی

زمین طرحی ۱۱۴۶ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

آشنائی کر کے تجھ بدخو سے پچھتائے ہے طبع — بے مروت بے وفا سن سن کے گن کھائی ہے طبع
غیر کی صحبت سوا تجھ کو نہ دیکھا اور جا — ہرزہ گردی میں تری اس درجہ ہرجائی ہے طبع
غصہ[1] ہی کرتے ہو تم ہر یک سے ہر یک بات میں — اے مرے صاحب تمہارے کس طرف آئی ہے طبع
ایک[2] مدت سے سخن کہنے میں ہم خاموش تھے — پھر تری صحبت ہماری شعر پر لائی ہے طبع

دوستی اس شوخ سے اب کس طرح حاتم نبھے
تند ہے اس کا مزاج اور میری سودائی ہے طبع

زمین طرحی ۱۱۵۲ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

اہلِ جہاں کی گو ہے نظر میں جہاں وسیع — پر ہو سکے ہے دل کے برابر کہاں وسیع
آئی ہے فصلِ گل کی مچادیں گے ہم تو دھوم — صحنِ چمن کو ٹک تو کر اے باغباں وسیع
بلبل کے مشتِ پر کو بہت جا ہے کنجِ باغ — صیاد[3] سے بچے تو کرے آشیاں وسیع
عالم ہے کامیاب تیرے بابِ فیض سے — ایسا کیا ہے حق نے تیرا آستاں وسیع

حاتم[4] کو اپنے لطف و کرم سے نواز دے
ہمت سے اپنے دل کو کر اے مہرباں وسیع

زمین[5] طرحی ۱۱۴۱ھ

بحر مضارع مثمن مسطور

ہے اپنے مرتبے میں اگر آسماں رفیع — لیکن[6] ہے خاکساروں کے حق میں زمین وسیع

---

[1] بن کیے غصہ کسو سے تم نہیں کرتے ہو بات، کراچی
[2] بستہ لب تھے ایک مدت سے سخن کہنے میں ہم، کراچی
[3] کس عمر پر کرے وہ یہاں آشیاں وسیع، لندن
[4] حاتم کے حق میں لطف کو اپنے کمی نہ کر، لندن
[5] فی بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور مسطور، لندن
[6] پر ہے گی، لندن

کیا کچھ کریں گے دیکھئے[1] دیوانے اب کے کمال — آیا ہے بے طرح سے یہ پھر موسمِ ربیع
اخلاص اور تواضع تو عاشق کا کام ہے — ان دل بروں[2] سے رسمِ مدارات ہے بدیع
اس[3] کا مزاج سب کے دلوں کی کرے ہے سیر — صاحب طبیعتوں کی طبع کیوں نہ ہو مطیع

آہستہ[4] یا بلند کہیں حاتمؔ عرضِ حال
سب کی دعا سنے ہے کہ ہے گا خدا سمیع

زمین[5] طرحی ۱۱۴۹ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

جلوہ گر فانوسِ تن میں ہے ہمارا من چراغ — بے بتی اور تیل یہ ہے روز و شب[6] روشن چراغ
تا ابد اس کو نہیں بادِ مخالف سے خطر — ہے ہمارے ہاتھ پر بے پردۂ دامن چراغ
آج کی شب لطف ہے سیرِ چمن اے عندلیب — روغنِ گل سے ہوا ہے ہر گلِ گلشن چراغ
ڈر نہیں مجنوں کو پھرنے کا شب ہجراں کے بیچ — حق میں اس کے دیدۂ آہو ہوئے بن بن چراغ
یک[7] نظر اس کی کا دلِ مشتاق ہے جن نے کہ آج — ایک جلوہ میں کیا ہے خانۂ درپن چراغ

جب سے ہے روشن دلوں کے دل پر حاتمؔ کی نگاہ
تب سے روشن ہے گا اس کے دل کا بے روغن چراغ

زمین[8] طرحی ۱۱۴۱ھ

بحر رمل مثمن مسطور

ہے بجا ہووے اگر عاشق سے پیاروں میں دماغ — گل کے تئیں بلبل سے ہوتا ہے بہاروں میں دماغ
سب پھبے تجھ کو کہ ہے گی سرکشی کی تجھ میں بو — خاک ہووے ہم سے ادنیٰ خاکساروں میں دماغ

---

۱ آپ کو، علی گڑھ
۲ پر دل بروں سے رسم مدارا کی ہے بدیع، لندن
۳ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۴ لندن میں یہ مقطع اس طرح ہے:
آہستہ یا پکار کے کہہ حاتم اس کے تئیں = سنتا ہے سب طرح سے کہ ہے گا خدا سمیع
۵ ۱۱۳۹ھ، لاہور و لندن
۶ ہے گا یہ سدا، لندن
۷ لندن میں اس کے بعد یہ شعر اور لکھا ہے۔
۸ فی بحر رمل مثمن مقصور مسطور، لندن، ۱۱۴۰ھ، لاہور

جب مزاجیں مل گئیں ہوویں تکلف برطرف — تب نہیں ہے خوشنما یاروں کو یاروں میں دماغ
بن لگائے عطر کے گھر سے کبھو آتا نہیں — شہر[1] میں مشہور ہے اس کا ہزاروں میں دماغ
آشنا حاتم غریبوں کا ہوا امراؤں کو چھوڑ
نام کو ذرّا نہیں ہے ان بچاروں میں دماغ

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

چلو اب سیر کو اے گل رخاں باغ — کہ پھر ہم تم کہاں اور پھر کہاں باغ
تو ہے مانندِ گل اور میں ہوں بلبل — تو[2] اور ہم ساتھ ہیں ہوگا جہاں باغ
نظارے[3] کو چمن سے کم نہیں ہے — کہ ہے اس پھول والے کی دکاں باغ
چمن ہے حق میں دیوانوں کے صحرا — اگر ہے بلبلوں کا آشیاں باغ
خیالِ گل رخاں حاتم کو بس ہے
تو اپنا سینت رکھ اے باغباں باغ

زمین طرحی ۱۱۴۹ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

پھولا ہے تیرے حسن[4] کا اے گل عذار باغ — کرتا ہے[5] تجھ اوپر زرِگل کو نثار باغ
گلدستۂ بہار ہے تو سر سے پاؤں تک — ہر عضو پر کروں تیرے قرباں ہزار باغ
یکساں تری بہار رہے ہے تمام سال — کرتا ہے گر بہار تو فصلِ بہار باغ
گر جائے باغ میں تو گلوں کی طرف نہ دیکھ — یہ دیکھ ہو رہا ہے دلِ داغ دار باغ
تیری جبین و غبغب و رخسار و لب کو دیکھ
حاتم کا دل کرے ہے میاں[6] سیر چار باغ

---

۱ ہند، لندن — ۲ خدا ہی باغباں ہے گا جہاں، لندن
۳ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔ — ۴ ایسا ہے تجھ جمال کا، لندن
۵ تس اوپر، لندن — ۶ وہاں، لاہور

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر رمل مسدس مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

آبرو بخش صفِ مرداں ہے تیغ اور کلیدِ فتح ہر میداں ہے تیغ

کون پیاسا ہے شہادت کا یہاں آج اس کے ہاتھ میں عریاں ہے تیغ

کیوں نہ وہ باندھے کمر میں نیمچہ عاشقوں کے قتل کا ساماں ہے تیغ

پر تلے اس کے لگاؤں کس کے تئیں تیغِ ابرو[1] پر ترے قرباں ہے تیغ

نام مردوں میں خدا بخشے تو ہو باندھ کر پھرنا نہیں آساں ہے تیغ

حاتم اس[2] ظالم کے ابرو کو نہ چھیڑ
ہاتھ کٹ جاوے گا اے ناداں ہے تیغ

زمین[3] طرحی ۱۱۵۶ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تمہارے عشق میں عاشق ہوا ہے سب سے اب فارغ طلب تیری میں اپنے ہو گیا مطلب سے اب فارغ

پکڑ رکھی ہے خامہ کی زباں اس کی مٹھائی نے کرے وصفِ دہاں تب جب ہو تیرے لب سے اب فارغ

سواد آباد میں زلفوں کی تیرے دام پائے ہیں ہوئے ہیں حسرت و جاگیر اور منصب سے اب فارغ

پیادے راہ کے تیرے سواروں سے سبک تر ہیں وہ اپنے زور پر پاؤں کے ہیں مرکب سے اب فارغ

سنو ہندو مسلمانو کہ فیضِ عشق سے حاتم
ہوا آزاد قید مذہب و مشرب سے اب فارغ

۱۔ خم پر ابرو کے، لندن

۲۔ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

۳۔ لندن میں یہ غزل اس سرخی کے ساتھ لکھی ہے۔

زمین[1] طرحی ۱۱۵۶ھ

بحر مضارع[2] مثمن

داغوں سے ہو رہا ہے میرا سینہ باغ باغ — کس کو رہا ہے سیرِ چمن کا دل و دماغ
دل اس قدر بغل سے میرے ہو گیا ہے گم — پاتا نہیں ہوں اب تلک اس کا کہیں[3] سراغ
گلدستہ چاہیے ترے ہاتھوں میں پھول کا — عاشق کے ہاتھ بس ہے کہ ہو جائے گل[4] کے داغ
روشن دلوں کو سب نظر آتا ہے نورِ حق — اندھوں کو سوجھنے کا نہیں گر ہوں[5] سو چراغ

کافر ہوں اپنے تئیں جو مسلماں نہ کر رکھوں
حاتمؔ بتاں کے عشق سے پاؤں اگر فراغ

زمین سیّد ہدایت اللہ خان ضمیرؔ ۱۱۶۳ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

دیکھ[6] کر گلرو کو دل کیونکر نہ ہووے باغ باغ — جس کے لپٹوں سے معطر ہے گا ہر گل کا دماغ
گل رخاں بن گو بہار آئی ہے گو پھولا ہے باغ — دل پھرے ہے دشت میں[7] گلگشت کا کس کو دماغ
آ پھنسا ہے شہر میں کس راہ جاوے دشت کو — کب ہے دیوانے کے تئیں لڑکوں کے پتھروں سے فراغ
شمع رویاں کی لگن کا داغ گل ہوتا نہیں — گور پر میری قیامت تک ہے یہ روشن چراغ
کچھ[8] خبر ہم کو نہیں یہ نقدِ دل یوں لے گئے — کس طرح سے پایئے ان دل کے چوروں کا سراغ

اس زمانے میں موافق بھی مخالف ہو گئے
دیکھ کر مینا کو روتے حاتمؔ ہنستا ہے ایاغ

---

۱ زمین طرحی در ۱۱۵۳ھ فی بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور مسطور، لندن
۲ آج باغ، لندن۔ دل ہو گیا ہے دیکھتے گل رو کو باغ باغ، کراچی
۳ اس کا کہیں اب تلک، لندن
۴ میاں، لندن
۵ سو ہوں گر، لاہور
۶ دیکھ کر اس، لندن
۷ بن کے تئیں، لندن
۸ کچھ خبر ہم کو نہ ہوئی یوں نقد دل سب لے گئے، لندن

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ[1]

بحر خفیف مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

جب[2] وہ دیکھے ہے مری جاں کی طرف	دیکھتا ہوں میں آسماں کی طرف
پر نہ جل جائیں ٹک سمجھ[3] کے ہما	دیکھیو[4] میرے استخواں کی طرف
غنچے منہ لے رہے ہیں اپنا سا	دیکھ تیرے لب و دہاں کی طرف
بلبلو چہچہے مبارک ہوں	وہ گل آتا ہے گلستاں کی طرف

ان دنوں بے طرح سے کچھ حاتم
دل تیرا جائے ہے بتاں کی طرف

زمین انعام اللہ خان یقین ۱۱۵۷ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن[5]

دیکھ کر بلبل لب و رخسار خوباں کی طرف	منہ پھرا کر پیٹھ[6] کر بیٹھے گلستاں کی طرف
یاد کر کر[7] جامہ زیبوں کا چنے دامن کا گھیر	ہاتھ دوڑاتا ہوں وحشت سے گریباں کی طرف
گر تصور زلف[8] کا ہوتا نہ مجھ وحشی کے پاس	کون آتا رات[9] کو مجھ سے پریشاں کی طرف
انتظاری میں تو اے بے مہر سارا دن گیا	شام ہوتے ہی ارے آ جا غریباں کی طرف

ریختے کے فن میں ہیں شاگرد حاتم کے بہت
پر توجہ دل کی ہے ہر آن تاباں کی طرف

---

۱ ۱۱۶۲ھ، لندن
۲ تو، لندن
۳ دیکھواے، لندن
۴ دیکھ کر، لندن
۵ فاعلن، لاہور۔ فعلن، علی گڑھ
۶ دے، لاہور
۷ یاد کر، علی گڑھ
۸ شوق زلف اس کا اگر، علی گڑھ
۹ ہائے تو، لندن۔ رات کو، لاہور، ساتھ کو، علی گڑھ

زمین طرحی ۱۱۵۴ھ

بحر رمل مثمن محذوف مسطور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

مت لگا دل کو عبث بے ہودہ عالم کی طرف — عمر غفلت میں نہ کھو، لے جھانک[1] ٹک دم کی طرف
جو کہ ہیں[2] گھائل نگہ کی تیغ سے اس شوخ کی — دیکھتے نئیں ان کے چشمِ زخم مرہم کی طرف
مدح کرنا مشربِ عارف میں سب کا خوب ہے — دشمن اس کا ہوں کہ جس کی طبع ہے ذم کی طرف
شاد[3] رہ ہر آن میں اور یاد کر رزّاق کو — واسطے روزی کے اپنا دل نہ مل غم کی طرف

دوست مشفق بہت ہیں یارو ولے حاتم کا دل
رات اور دن ہے مسخر میر اسلم کی طرف[4]

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

ایسے ترے ظہور کا ہے فیض ہر طرف — پھل پاوے[5] جو نگاہ کرے برگ و بر طرف
کٹ کر دیا کبوتر دل تو نے تس اوپر — اڑتا تری طرف ہے نہیں دھیان پر طرف
جاوے یہ دردِ سر سے جو وہ حسن صندلی — آوے چلا خوشی سے ہماری اگر طرف
پہلی نظر میں باغ سے گلگوں کو داغ کر — چہرے کو اپنے پھیر کیا اس نے بر طرف

حاتم معاملت میں جہاں کے نہ بول تو
انصاف گر کرے تو کسو کی نہ کر طرف

زمین[6] طرحی ۱۱۶۵ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

اشک جوں دردانہ اور میرے ہیں چشم تر صدف — کس طرح دعوائے ہم چشمی سے ہو ہم سر صدف

۱؎ ٹک جھانک لے، لندن ولاہور۔ نہ کھولے جھانک ٹک دم، علی گڑھ
۲؎ بدطبیعت ہے کہ جس کی طبع ہے ذم کی طرف، لاہور
۳؎ یہ شعر دہلی ولندن میں موجود ہے۔
۴؎ خاص کر اکثر رہے ہے میر اسلم کی طرف، لندن۔ چھوڑ کر سب کو رجوع ہے، کراچی
۵؎ پانے، لندن
۶؎ لندن میں ردیف 'ف' کی یہ چوتھی غزل ہے اور بحر کے بعد وزن ''فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن'' لکھا ہے۔

اہلِ معنی کو سدا رہتا ہے خاموشی سے کام — بستہ لب رہتی ہے جب ہوتی ہے پُر گو ہر صدف
کان میں ناقص نصیحت کو نہیں دیتا ہے جا — صاحبِ دُر بحر میں ہوتی نہیں ہے ہر صدف
ہر گہر چھاتی میں اس کی ہو پھپھولا جوں حباب — سیپ سا سینا مرا دریا میں دیکھے گر صدف
عشق کے دریا میں حاتمؔ میری غواصی کو دیکھ
کرتی ہے موتی نثار اپنے یہاں مجھ پر صدف

زمین طرحی ۱۱۵۲ھ[1]

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعلن مفاعیلن مفاعیل

کیا ناحق یہ نقدِ عمر ہم صرف — ہوا نہیں یادِ حق میں ایک دم[2] صرف
اگر ماہی تو چاہے ہے مراتب — تو دریا دل ہو کر اپنے درم صرف
یہ دم مایہ[3] ہے اسے مصرف سمجھ دیکھ — متاعِ بیش ہے کر اس کو کم صرف[4]
تری دولت تصرف[5] کر چکے ہیں — کئی گنجِ گہر یہ چشمِ نم صرف
کرے ہے وصف لکھتے اس کا حاتمؔ
جہاں کی روشنائی یک قلم صرف

زمین انعام اللہ خان یقین ۱۱۶۱ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

ان بتوں میں کوئی نہ دیکھا جو نہ ہو جاں کا حریف — کوئی ہے جاں کا کوئی ہے دل کا کوئی ہے ایماں کا حریف
دشتِ وحشت میں مرا دستِ جنوں اور خارِ عشق — وہ گریباں کا حریف اور وہ ہے داماں کا حریف
دیکھتے[6] ہی رنگ تیرا اڑ گیا ہے گل کا رنگ — کیوں ہوا تو اس قدر ظالم گلستاں کا حریف
کب ہے اس کے روبرو صبر و شکیبائی کو تاب — عشقِ معشوقاں ہوا عاشق کے ساماں کا حریف

---

[1] ۱۱۵۷ھ، لاہور و لندن
[2] ہم، علی گڑھ
[3] پونجی، کراچی۔ یہ شعر لندن میں نہیں ہے۔
[4] سے رورو، لندن
[5] تر، کراچی و رام پور
[6] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

رعد و ابر اس دم ہوا ہے دوبدو حاتمؔ مرے
سینہ نالاں کا حریف اور چشمِ گریاں کا حریف

زمین[1] طرحی

بحر مجتث مثمن مخبوں

طریقِ فقر میں جس کو دیا خدائے وقوف — نظر میں اس کے ہے یکساں حریر و جامۂ صوف
نہ پوچھ اے مرے صاحب تو سرنوشت کی بات — پڑھے نہیں خطِ تقدیر کے کسی نے حروف
خدا سے کام رکھ اپنا اگر تجھے ہے وقوف — کسی کا کام کسی پر یہاں نہیں موقوف

زمین طرحی ۱۱۶۵ھ

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

بھرا مستوں سے ہے میخانۂ عشق — سدا لبریز ہے پیمانۂ عشق
جلے ہے کس مزے سے شمع رو پر — دل عشاق ہے پروانۂ عشق
جنوں کے دشت گردوں کی نظر میں — ہے رشکِ گلستاں ویرانۂ عشق
اسے زنجیر کی حاجت نہیں ہے — ہے پابندِ جنوں دیوانۂ عشق

ہمارے کلبۂ احزاں میں حاتمؔ
شبِ ہجراں ہے یا افسانۂ عشق

زمین[2] طرحی ۱۱۴۴ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

کسو کو آپ سے گر آشنا کرے معشوق — تو پہلے اس کو سبھوں سے جدا کرے معشوق
قسم ہے یار مجھے اس گھڑی کوئی نہ جیے — جو برقع[3] منہ سے اٹھا کر ادا کرے معشوق

---

[1] لندن و کراچی میں یہ غزل نہیں ہے۔ سنہ کہیں نہیں درج ہے۔

[2] ۱۱۴۶ھ، لندن [3] پردہ، لندن

حرم کو چھوڑ کے اس دم طواف دل کا کروں جس آن آ کے مرے دل میں جا کرے معشوق
سبھوں کے بیچ سے آ کھینچ لے کے عاشق کو کمالِ عشق ہے جو آپ سا کرے معشوق
تو اپنے[1] یار کا حاتم کرے ہے شکوہ عبث
ترے نصیب برے ہوں تو کیا کرے معشوق

زمین طرحی ۱۱۴۱ھ[2]

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تری شمشیر کی دھن پر چلا ہے سر بکف عاشق امیدِ تیر پر تیرے ہوا دل[3] سے ہدف عاشق
خرابی خانہ ویرانی و بدنامی و رسوائی یہ سب جانے ہے تیرے عشق میں اپنا شرف عاشق
نذر[4] لاتا ہے تیرے حسن کی دریا کی موجوں کی بنا کر اشک[5] کے موتی و چشموں کو صدف عاشق
قیامت پر قیامت ہوئے گی روزِ جزا ظالم اٹھیں گے داد تجھ سے مانگتے جب صف بہ صف عاشق
اگر وہ صف شکن ہو کر سوار اور سیر کو نکلے پیادے ہو چلے اس کے جلو میں صف بہ صف عاشق
تجھے حاتم تصور کر کے اے فیاضِ عالم کے
چلا ہے سب طرف کو چھوڑ اب تیری طرف عاشق

زمین طرحی ۱۱۵۹ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

بلبل کو میرے دل کی نہیں حاجتِ سبق سیپارہ گل کا اس نے پڑھا ہے ورق ورق
مجلس میں تیرے وہم سے کیا گل رخاں کا آج رنگ اڑ گیا ہے چہرہ سے منہ ہو گیا ہے فق
آنسو نہیں ہے چشم سے میری نظر کرو کھینچا ہے میں نے اب گلِ نرگس سے یہ عرق

---

[1] کراچی میں مقطع اس طرح ہے:

مرے مرض کی جو آ کر دوا کرے معشوق گویا جہاں میں پھر کر جیوں میں اے حاتم

[2] ۱۱۴۰ھ، کان پور [3] ہوا ہے گا، لندن

[4] کرے تجھ حسن کے دریا کی موجوں کے تصدق کو، لاہور۔ موجوں کے لے آیا ہے، دہلی

[5] آنسو، کراچی

مہماں ہوں میں دو دم کا میاں ایک دم تو آ　　امیدِ زندگی نہیں باقی ہے یک رمق
تیری گلی کے خونِ شہیداں کا عکس ہے　　ہر شام آسماں کے اُپر سرخیٔ شفق
اے زینتِ چمن ترے رخسار و لب کو دیکھ　　غنچوں کا دل ہے تنگ گلوں کا جگر ہے شق
حاتمؔ خدا کے کام کو باطل نہ بوجھ تو
ناحق نہیں کرے ہے جو کچھ حق وہی ہے حق

زمین شاہ مبارک آبرو ۱۱۳۷ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

چاند سے تارے کا ہوتا ہے کبھو جوں اتفاق　　اس طرح منہ پر ترے[1] پیارے جھمکتا ہے بلاق
یا کماں یا ماہِ نو کہنا بھواں کو ہے بجا　　یہ تعجب ہے کہ عالم جفت کو کہتا ہے طاق
جوں[2] سکندر کے تھی دل میں حسرتِ آبِ حیات　　اس طرح تجھ لب کے بوسے کا مجھے ہے اشتیاق
کیا[3] ہوا گر تو نہیں مجھ پاس اور میں تیرے پاس　　روز و شب مونس ہے میرے درد کا تیرا فراق
روبرو حاتمؔ کے ہوتے[4] کیوں کہاتے ہیں غلام
گر عدو[5] رکھتے ہیں اس کے ساتھ دل اندر نفاق

زمین[6] طرحی ۱۱۶۲ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

پہنچا زمین سے نالہ مرا آسماں تلک　　یہ کیا کہ کچھ خبر نہ ہوئی دلستاں تلک
اس[7] نے جلا کے ایسا کیا سوختہ مجھے　　بھڑکے ہے آگ دل سے مرے استخواں تلک
قربان[8] اس کے ہوں جو کوئی اس میاں کے تئیں　　لاوے کسو طرح سے وہاں سے یہاں تلک
دیدے سفید ہو کے ہوئے موئے سر سفید　　اس کا میں انتظار کروں اب کہاں تلک

۱۔ اس طرح پیارے ترے منہ پر، لاہور　　۲۔ جوں سکندر کو تھی حسرت آبِ حیواں کی مدام، لندن
۳۔ کیا ہو ظاہر میں تو گر ہم ستی رہتا ہے دور = رات دن مونس ہے مجھ غم کا پیا تیرا فراق، لندن
۴۔ کر عداوت سے عدو دل بیچ رکھتے ہیں نفاق، لندن　　۵۔ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۶۔ ۱۱۶۳ھ، لاہور و لندن　　۷۔ اُن نے کیا ہے ایسا جلا کر کے سوختہ، نسخہ لندن
۸۔ قرباں میں اس کے ہوں، لاہور و رام پور۔ صدقے ہوں اس اوپر، لندن

دہشت سے روبرو مجھے اس سرمہ باز کے — آتا نہیں ہے حرفِ گلو سے زبان تلک
جانے نہ دوں گا ہاتھ سے اس کو کسو طرح
مقدور میرا ہوئے گا حاتم جہاں تلک

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

بحر رجز مثمن مسطوی مخبوں۔ مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

کر چکے شرطِ بندگی ہم سے ہوئی جہاں تلک — دل تو کباب ہوگیا حقِ نمک کہاں تلک
ابر نہیں فلک اوپر غور سے ٹک نظر کرو — پہنچا زمیں سے ہے مرا دودِ دل آسماں تلک
ڈرتا ہوں چشمِ بد سے جاں ایسا نہ ہو نظر لگے — سرمے کی دھوم ہے ترے ہند سے اصفہاں تلک
چھوٹی قفس سے تب کہ ہوئی بے پروبال عندلیب — اتنا نہ اس میں حس رہا اڑ سکے آشیاں تلک
رگ وپے گوشت پوست سب گل گیا انتظار میں — تو بھی تری گلی سے سگ آیا نہ استخواں تلک
جل رہی ہے خزاں کے ہاتھ آن کے کیا کرے نسیم — رہ ہی میں اڑ گئی بہار پہنچی نہ گلستاں تلک
حاتم کم سخن تبھی پاوے گا اپنی داد تو
پہنچے گا جب سخن ترا جا کسو نکتہ داں تلک

حسب الفرمائش سید ہدایت علی خاں ضمیر ۱۱۶۴ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

زور[1] یارو آج ہم نے فتح کی جنگِ فلک — یک طمانچے میں کبودی کر دیا رنگِ فلک
گرمیٔ دوکاں پر اپنی شیشہ گر سرکش نہ ہو — ڈھونڈھتا پھرتا ہے تیرے سر[2] کے تئیں سنگِ فلک
کجروی سے اس کی گر عاقل ہے تو غافل نہ رہ — ان دنوں اور ہی نظر آتا ہے کچھ ڈھنگِ فلک
تو جو تُل بیٹھے تو پلے چاہیے ہوں مہر و ماہ — ایسی میزاں کے تئیں لازم ہے پاسنگِ فلک
شوق ہے گر سیرِ بالا کا تو حاتم ہو سوار
کہکشاں سے کھینچ کر لایا ہوں اب تنگِ فلک

---

[1] زور بازو، لاہور — [2] گھر، لاہور

زمین[1] طرحی ۱۱۶۶ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

لے چلے اس جائے سے توشے کی جا ہم زیرِ خاک — آہ و افسوس و فغان و حسرت و غم زیرِ خاک
جو گیا دنیا سے سو روتا گیا اور اب تلک — اپنی اپنی خاک پر کرتا ہے[2] ماتم زیرِ خاک
گور میں بھی بعد مرنے کے نہیں آرام حیف[3] — فکر ہے مُردوں کو فردا کا مگر کم زیرِ خاک
سب گرفتاری میں اعمالوں کی ہیں تا روزِ حشر — کون ان کے حال[4] سے یارو ہے محروم زیرِ خاک
ہو گئے ہیں جو تری شمشیر[5] کے زخموں سے سرد — صبحِ محشر ان کو کافوری ہے مرہم زیرِ خاک
سالہا گزرے پر اب تک سر پٹکتے ہیں پڑے — تیرے ماروں کو نہیں آرام ایک دم زیرِ خاک

حق تعالیٰ نے جو فرمایا ہمیں سیروا فی الارض
کچھ تو ایسا ہی تماشا ہوگا حاتم زیرِ خاک

زمین طرحی ۱۱۵۷ھ

بحر رمل مثمن مقصور

کام[6] میں حق کے کسو بندے کو مت بتلا شریک — ایک ہے یکتا ہے واحد ہے احد ہے لاشریک
جب[7] عدم میں تھے نہ تھا کوئی کسی کا عیب جو — سب ہوئے عیب و ہنر میں آن کر اس جا شریک
اس زمانے کے عجب دیکھا ہے یاروں کا طریق — وقت پر جاتے رہیں کھانے میں ہوں حلوا شریک
آشنائی اور قرابت کا نہیں کچھ اعتماد — ہیں غرض کے آشنا کیا آشنا اور کیا شریک

---

[1] زمین طرحی در ۱۱۶۶ھ فی بحر رمل مثمن مقصور 'فاعلاتن فاعلاتن فاعلات' لندن میں درج ہے۔

[2] کرتے ہیں، لندن   [3] آسودگی، لندن

[4] کس کے درد، لندن   [5] تروار، لندن و کراچی

[6] کام میں یا نام میں حق کی کوئی مت لاشریک، لندن و کراچی

[7] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔ صرف مقطع اور مطلع ہی درج ہے۔ کراچی میں دوسرے، تیسرے اور چوتھے شعر کا متن مختلف ہے:

اس مکاں پر تھے کسی سے تو کوئی واقف نہ تھا — ہوگئے ہیں آن کر سب ہم ہستی اس جا شریک
اس زمانے میں نہیں کوئی یار سب عیار ہیں — وقت پر ٹل جائیں اور کھانے کو ہوں حلوا شریک
عقل رکھتا ہے تو مت کر اور ناداں کا کام — کام بگڑے گا تو ہوگا کوئی نہیں دانا شریک

آج حاتم سے مخالف شرک رکھتا ہے اگر
کل کو مر جاویں گے مرنے میں کہاں ہوگا شریک

زمین[1] طرحی ۱۱۳۷[2]ھ

بحر خفیف مخبوں

جب سے تری نظر پڑی ہے جھلک　　تب سے لگتی نہیں پلک سے پلک
کل نہیں تجھ بن اب ہوئے کئی سال　　تو نہ[3] آیا اے ماہ آج تلک
گردشِ چرخ سے نہ ڈر حاتم
آپ گردش میں رات دن ہے فلک

حسب[4] الفرمائش سید ہدایت اللہ خاں ضمیر ۱۱۶۵ھ

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل

کیونکر نہ کرے آج مرا جلوہ گری رنگ　　شیشے میں میرے دل کے بھرے ہے وہ پری رنگ
کس ساتھ یہ ہولی تو نے کھیلی ہے کہ اس وقت　　جھولی میں بھرا رنگ ہے چولی ہے بھری رنگ
رونق[5] مرے چہرے پہ ہے آتا ہے وہ شاید　　دیتا ہے مجھے آج مرا خوش خبری رنگ
گر ناقۂ لیلیٰ کی ہے سر بانی کی خواہش　　مجنوں تجھے لازم ہے لباسِ شُتری رنگ
چاہے ہے نہ ہو غنچہ کسی دل کا شگفتہ　　ہستی کے چمن میں فلکِ نیلو فری رنگ
کافر ہوا تس پر بھی نہیں دیکھتے حاتم
بدلیں ہیں نگاہوں میں بتانِ تتری رنگ

---

[1] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[2] ۱۱۳۹ھ، لاہور۔
[3] پر نہ آیا وہ، کراچی
[4] ۱۱۶۵ھ لندن و لاہور، ۱۱۵۶ھ رام پور و علی گڑھ و لکھنؤ
[5] شاید کہ تو آتا ہے کہ چہرے پر ہے رونق، لندن و کراچی

زمین طرحی ۱۱۶۶ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

لب پر کلی کے مہر کرے اس لباں کا رنگ — رخسار سے خجل ہو گلِ ارغواں کا رنگ
جس گل کو دیکھتا ہوں سو پھیکا ہے اب کے سال — اس رنگ نے لیا ہے گروِ گلستاں کا رنگ
کاہیدگی سے زرد ہوا ہوں میں اس قدر — شرمندہ[1] رنگ سے ہے مرے زعفراں کا رنگ
کیونکر ہو میکشوں کے تئیں اس ہوا میں صبر — کیا ابر ہے نظر تو کرو آسماں کا رنگ
حاتمؔ کسو میں گرمیٔ صحبت نہیں رہی
دل دیکھ دیکھ سرد ہوا ہے جہاں کا رنگ

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

پھڑکنے کو مرے ہے گا جہاں تنگ — مری پرواز کو ہے آسماں تنگ
میں وہ ہوں شہ سوار ملکِ لاہوت — کہ گھوڑے کا ہے مری کہکشاں تنگ
نکلنے کو سخن پاتا[2] نہیں راہ — ہے ایسا غنچہ لب[3] تیرا دہاں تنگ
خفا ہو ہو کے کہتا[4] ہے مرا دل — میاں مت کھینچ کر باندھو میاں تنگ
ابھی حاتمؔ نکل جاتا ہے گھر سے
ہوا ہے تم سے اتنا گل رخاں تنگ

حسب[5] الارشاد نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر ۱۱۵۲ھ

بحر ہزج مسدس مسطور

اشاروں میں تو کچھ بتلائے ہے گنگ — ولے مغزِ سخن کب پائے ہے گنگ

---

۱ شرمندہ ہے بدن سے، لندن — ۲ پایا، علی گڑھ
۳ لعل لب، علی گڑھ — ۴ گٹھا، علی گڑھ و رام پور، لکھنؤ، لندن
۵ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ لاہور میں یہ عنوان اس طرح ہے: ''طرحی بحسب اتفاق ۱۱۵۴''

ہمارے شعر کو تحسین کرتے　　حسودوں کی زبان ہو جائے ہے گنگ
ملوں ہوں گاہ گاہے بہرِ تضحیک　　وگرنہ کس کے تئیں خوش آئے ہے گنگ
فصاحت سے کہاں ہے اس کو بھرا　　زبان کے ہاتھ سے اکتائے ہے گنگ
کہوں کیا اُس سے اے حاتم مری بات
نہیں سنتا وہ اپنی گائے ہے گنگ

زمین طرحی ۱۱۳۵ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

دل او پر تودے ہوئے ہیں تیری مژگاں کے خدنگ　　اے کماں ابرو تو کیوں ڈھونڈے ہے اب تیر و تفنگ
سب ترے مشتاق ہیں آ اس قدر مت کر درنگ　　بن ترے اے شمع روشب رنگ ہے مجلس کا رنگ
سانولے رخسار اوپر کھول کر زلفوں کے تئیں　　ہند[1] میں کافر نے عالم کو کیا قیدِ فرنگ
رشک سے اس کے لب و رخسار کے گلشن میں آج　　ہر کلی دل تنگ ہے اور پھول ہیں جی سے بتنگ
واسطے شیخی کے ہیں گے شیخ پابندِ لباس　　جو ہوا آزاد اس کو کیا ہے عریانی سے ننگ
سچ اگر مجنوں ہے تو لڑکوں کے پتھروں سے نہ ڈر　　گرگڑا[2] کے تجھ اوپر گزریں چلا جا تو نسنگ
صبح[3] کچھ ہووے[4] جو اس کن شام تک رہتا نہیں
سب اڑا دیتا ہے ایک ساعت میں حاتم ہے بھڑنگ

زمین طرحی ۱۱۶۶ھ

بحر کامل مثمن سالم۔ متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن

میرے لالہ رو تیری سیر کو ہے چمن چمن یہاں باغِ دل　　یہاں سرد ہے مرا دودِ دل یہاں گل ہوا مرا داغِ دل
کہو کس طرح کوئی ہو خوشی یہاں ایک دم ایسے دور میں　　نہ وہ بزم ہے، نہ وہ ساقی ہے، نہ وہ شوق ہے، نہ فراغِ دل

---

۱ ہند میں کافر نے آ دکھلا دیا مجھ کو فرنگ، لندن

۲ کڑکڑ، علی گڑھ　　۳ دہلی و لندن میں اس کی جگہ حسبِ ذیل مقطع ہے:

دیکھ طور اس دور کا حاتم نے چھوڑی ہے شراب، یاد کر کر سبزہ رویاں کو وہ اب پیتا ہے بنگ۔

۴ آوے تو، لاہور

کہاں ڈھونڈیے وہ دیوانہ ہے کہیں ٹھور ہے نہ ٹھکانہ ہے گیا کس طرف، ہوگا کس طرف، پاؤں کس طرف میں سراغِ دل
رہِ چشم سے لگ لگ پلک سرِ ہر مژہ سے ڈھلک ڈھلک یہاں قطرہ قطرہ چھلک چھلک مرا بہہ چلا ہے ایاغِ دل
حاتمؔ اس طرح کی زمین میں کہو کس طرح میں غزل کہوں
نہ خیالِ دل، نہ تلاشِ دل، نہ حواسِ دل، نہ دماغِ دل

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض محذوف۔ مفعول مفاعلن فعولن

تھا پاس ابھی کدھر گیا دل یہ خانہ خراب گھر گیا دل
خوار ایسا ہوا بتاں کے پیچھے نظروں سے مری اتر گیا دل
شبنم کی مثال روتے روتے اس باغ سے چشمِ تر گیا دل
جوں خضر رہا ہمیشہ تنہا ایسے جینے سے بھر گیا دل
کیا پوچھتے ہو خبر تم اس کی یک عمر ہوئی کہ مر گیا دل
مرتے مرتے بھی یہ جواں مرگ سوراخ جگر میں کر گیا دل
تھا دشمنِ جاں بغل میں حاتمؔ
جانے دے بلا سے گر گیا دل

زمین طرحی ۱۱۶۵ھ

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

اے حسن کے گلزار و بہارِ چمنِ دل گلشن ترے آنے سے ہوا انجمنِ دل
ایسا ہے دل آزردہ تری دل شکنی سے جانے کی نہیں تا بہ قیامت شکنِ دل
پیکاں سے تیرے تیر کے سوفار کی مانند مدت ہوئی آلودۂ خوں ہے دہنِ دل
واقف[1] بھی کوئی ہے گا یہاں اس کی گلی سے جو آ کے بتاوے مجھے راہِ وطنِ دل
اس اطلسی افلاک کے بازار میں حاتمؔ
یک تار نہ پایا جو میں کرتا کفنِ دل

---

[1] ساکن بھی یہاں ہے گا کوئی، لندن

زمین[1] طرحی ۱۱۶۲ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

ایسا تجھ بن بھٹکتا ہے مرا دل — کہ کانٹا سا کھٹکتا ہے مرا دل
تصور میں تری موئے کمر کے — اُدھر اب تک لٹکتا ہے مرا دل
اُدھر وحشت نے پکڑا ہے گریباں — ادھر دامن جھٹکتا ہے مرا دل
قیامت کشمکش میں آ پھنسا ہے — کہ رو رو سر پٹکتا ہے مرا دل
نہیں یہ چھوٹتا دیوانہ حاتمؔ
جہاں جا کر اٹکتا ہے مرا دل

زمین کوکہ خاں فغاں ۱۱۶۶ھ

بحر ہزج مسدس محذوف مسطور

نظر سے جب اکتا ہے مرا دل — تو جا کاکل میں بستا[2] ہے مرا دل
میں اس کی چشم سے ایسا گرا ہوں — میرے رونے پہ ہنستا ہے مرا دل
گیا ہے جب سے وہ میری بغل[3] سے — اسی کی بو میں بستا ہے مرا دل
خریدار اس کے بہتیرے ہیں تم سے — نہ جانو[4] یہ کہ ستا ہے مرا دل
یہاں تک غرق ہوں رونے میں حاتمؔ
کہ ہنسنے کو ترستا ہے مرا دل

زمین[5] طرحی ۱۱۳۲[6]ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

جا کر ہوا وہ جب سے چمن میں دو چار گل — شرمندہ[7] ہو جلو میں چلے ہیں قطارِ گل

---

[1] ۱۱۶۴ھ، لاہور۔ ۱۱۶۵ھ، لندن — [2] پہنتا ہے، لاہور و لندن
[3] اٹھ کر، لندن — [4] تم، لندن
[5] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ — [6] ۱۱۳۴ھ، لاہور — [7] دامن پکڑ، کان پور

پہنچی ہے جس دماغ میں تجھ گل بدن کی بو — نزدیک اس کے کچھ نہ رہا اعتبارِ گل
گلشن[1] میں ایسی دھوم پڑی تیرے رنگ کی — جاتی رہی چمن سے یکایک بہارِ گل
گل گوں قبا سے بند ہوا ہے جنوں کا دل — ان کی نگہ میں خار ہے نقش و نگارِ گل

حاتم گلوں کا کیوں نہ فلک پر ہو اب دماغ
پہنا ہے اس نے آج گلے بیچ ہارِ گل

زمین طرحی ۱۱۳۵ھ[2]

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

نہ ہنس اُس گل بدن صیاد آگے کھل کھل اے بلبل — تجھے ہے پنجرہ تابوتی اول منزل اے بلبل
میرے سینے میں کیا گلزار پھولا ہے نظر کر لے — کہ گل ہے داغِ دل کا اور غنچہ ہے دل اے بلبل
خدا کے واسطے اُس دم نگہ سے اس کی چھپ جانا — نظر آوے چمن میں گر ہمارا قاتل اے بلبل
تو اور گل ہمکنار اور ہم سے گل رو دور یا قسمت — تجھے ہے عیش پر مجھ کو پڑی ہے مشکل اے بلبل

دوانے اس زمانے شور و غل کرنے سے کیا حاصل
اگر چاہے ہے سوزِ دل تو حاتم سے مل اے بلبل

زمین طرحی ۱۱۴۴ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

یکایک ہو گیا ایسا جدا دل — نہ تھا گویا کبھو یہ آشنا دل
کبھو[3] دیکھے سے یہ ہوتا نہیں سیر — ہوا ہے اس قدر میرا گدا دل
گیا دل ہاتھ سے پانا ہے مشکل — مگر دے گم ہوا پھر کر خدا دل
تب[4] ہووے روبرو محبوب کی شکل — جب ہو آئینہ سا تیرا صفا دل

---

۱ گلشن کے بیچ آج ترا رنگ دیکھ کر، کراچی۔ اس نسخے میں مقطع کا متن مختلف ہے:
عزت ہوئی ہے جب سے حاتم گلوں کے بیچ = پہنا ہے جب سے ان نے گلے بیچ ہارِ گل
۲ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ صرف مطلع کا ایک شعر دیا ہے۔
۳ بنا تجھ دیکھے سوں ہوئے نہیں سیر، دہلی
۴ نکل محبوب کے تب روبرو ہو، دہلی

خودی کو چھوڑا آ حاتم خدا دیکھ
کہ تیرا رہنما ہے شاہِ با دل

زمین مہمان ۱۱۵۴ھ

بحر رمل مثمن محذوف

بے دماغی سے تری فریاد میں آیا ہے دل — تجھ سے ظالم سے محبت کر کے پچھتایا ہے دل
اہلِ دنیا کا اگر دولت سے گھر معمور ہے — اہلِ دم کا ہر نفس گوہر ہے اور مایا ہے دل
کان میں حاتم کے آ مہماں یہ مصرع کہہ گیا
گوہر اس تن کے صدف میں ہم نے اب پایا ہے دل

زمین[1] طرحی ۱۱۶۴ھ

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

گرم دنیا میں ہمیشہ سے ہے بازارِ اجل — نہیں آتا ہے یہاں غیر گرفتارِ اجل
دشمنِ جان ہیں اے شیخ ترے موئے سفید — ہو خبردار کہ آئے ہیں خبردارِ اجل
نفع بخشے گا نہیں اس کو طبیبوں کا علاج — گھیر لے جس کے تئیں آن کے آزارِ اجل
کوئی بچا ہے نہ بچے گا کوئی ہاتھوں[2] اس کے — ہے زبردست ازل پنجۂ خونخوارِ اجل
پیری و ضعفِ جگر ضعفِ دل و ضعفِ دماغ
سب ہوئے جمع تو حاتم یہ ہیں آثارِ اجل

زمین[3] طرحی ۱۱۵۹ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

جب شرح سوزِ عشق کا لکھنے چلی قلم — پہلے ہی حرف شمع[4] صفت ہو جلی قلم
قاصد جواب نامہ ہمارے کو کہہ رہا — پر ضد سے اس نے ہاتھ میں اپنے نہ لی قلم

---

۱ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ ۲ اس کے ہاتھوں، لاہور
۳ ۱۱۶۲ھ، لندن ۴ شعلہ، لندن

زلفیں تری ازل کے مصور نے کج لکھیں ــــ شاید[1] قضا کے ہاتھ میں اُس دم ہلی قلم
لکھنے کو تیری چشم کی تعریف باغ میں ــــ نرگس کی ہم نے دور سے اب اٹکلی قلم
حاتمؔ تری جناب میں لایا ہے التجا
نامے پر اس کے عفو کی ہو یا علیؑ قلم

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ[2]

بحر[3] مضارع مثمن مسطور

فارغ ہوئے جہان کے شادی و غم سے ہم ــــ ہر دم رکھیں ہیں کام یہاں اپنے دم سے ہم
کس جا تھے، کیا تھے، کون تھے، کوئی جانتا نہ تھا ــــ کیا آن کر خراب ہوئے ہیں عدم سے ہم
لکھنے پر اس کے کس کی زباں پر ہے جائے حرف ــــ شکوا کریں عبث ہے جو لوح و قلم[4] سے ہم
دونوں جہاں کو چھوڑ کے طالب ہیں دید کے ــــ دوزخ کا ہم کو غم نہ خوشی ہیں ارم سے ہم
حاتمؔ کیا ہے حق نے دو عالم میں سر بلند
بادل علی کی جب سے لگے ہیں قدم سے ہم

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

آرزو ہے ایک دن مستی میں ہو بے باک ہم ــــ دخترِ رز کو اڑاویں چل کے زیرِ خاک[5] ہم
آئے تھے اس باغ میں مانندِ غنچہ سر بجیب ــــ اور چلے جاتے ہیں اب جوں گل گریباں چاک ہم
غم کدے میں دہر کے یک دم نہ دیکھا دل کو خوش ــــ سوگواروں کی طرح اس جا رہے غم ناک ہم
رحم تیرا ظلم ہے حق میں ہمارے اے اجل ــــ دیر کیا کرتی ہے کیا جی کر کریں گے خاک ہم
گھر کیا ہے ہم نے حاتمؔ بر سردارِ فنا
بھاڑ میں ڈالیں گے لے کر منصب و املاک ہم

---

[1] اس دم قضا کے ہاتھ میں شاید ہلی قلم، لندن
[2] فی بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف مسطور، لندن
[3] ۱۱۶۲ھ، لندن
[4] لوحِ قلم، علی گڑھ
[5] خاک، علی گڑھ

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

بحر رمل مثمن مسطور

تم سے اب اے دوستاں رخصت ہوئے جاتے ہیں ہم — اس کے کوچے میں گئے پھر گھر کو کب آتے ہیں ہم
سر سے آئے ہیں ولے از بسکہ ہے پاسِ ادب — پاؤں کو تیرے لگاتے ہاتھ شرماتے ہیں ہم
ہم وہ عاشق ہیں کہ معشوقوں کو کرتے ہیں غلام — بوالہوس کی عاشقی خاطر میں کب لاتے ہیں ہم
غیر کی صحبت میں ہم سے چھپکے پیتے ہو شراب — اس تمہاری وضع سے خونِ جگر کھاتے ہیں ہم

زمین[1] طرحی ۱۱۵۱ھ

بحر رمل مسطور

کس کنے لے جائیں تیرے ظلم کی فریاد ہم — تجھ[2] سے تیرے ستم کی چاہتے ہیں داد ہم
بحر و بر میں ہے ہماری شہرتِ دیوانگی — عاشقی کے کام میں مجنوں کے ہیں استاد ہم
سوکھ کر کانٹا ہوئے پنجرے میں تب چھوڑے ہے تو — اب[3] کہاں جاویں یہ لے کر مشت پر صیاد ہم
سب سے[4] پہلے سب گنہگاروں میں جی دینے کو آج — سر سے حاضر ہیں تری خدمت میں اے جلاد ہم
تو نہ آیا اس طرف جس جا ہوئے ہم فرشِ راہ — مفت خاک اپنی کو ہاتھوں سے دیا برباد ہم
ہے[5] دیکھو گردن میں طوقِ بندگی قمری کی طرح — کس طرح ہوں قید سے اس سرو کی آزاد ہم

ہند کے (کذا) بچوں سے دل لگا کر اور شہر
کیونکہ جاویں چھوڑ حاتم شاہ جہاں آباد ہم

زمین رفیع[6] سودا ۱۱۶۸ھ

بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض محذوف۔ مفعول مفاعلن فعولن

جب آپ سے ہی گزر گئے ہم — پھر کس سے کہیں کدھر گئے ہم

---

۱ ''زمین حزیں در ۱۱۵۰ھ فی بحر رمل مثمن محذوف (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)، لندن

۲ تجھی سے، لندن

۳ کہہ کہاں لے جائیں اب یہ مشت پر صیاد ہم، لندن

۴ دیکھ لی سارے، لندن

۵ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

۶ مرزا رفیع سودا، لاہور

کیا کعبہ و دیر و کیا خرابات　　تو ہی تھا غرض جدھر گئے ہم
آئے تھے مثالِ شعلہ سرگرم　　جاتے ہوئے جوں شرر گئے ہم
شبنم کی طرح سے اس چمن سے　　ہوتے ہی دمِ سحر گئے ہم
کچھ اپنے تئیں کیا نہ معلوم　　کیا آپ سے بے خبر گئے ہم
جز حسرتِ عمرِ رفتہ افسوس　　کچھ آ کے یہاں نہ کر گئے ہم
شیخی[۱] سے گزر ہوئے قلندر　　بگڑے تھے پر اب سنور گئے ہم
اس درجہ ہوئے خراب الفت　　جی سے اپنے اتر گئے ہم

فیض اس لبِ عیسوی کا حاتم
بالعکس ہوا کہ مر گئے ہم

زمین[۲] طرحی ۱۱۴۲ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

لبریز جب سے عشق کے ساغر پیے ہیں ہم　　کرنے نہ تھے جو کام وہی سب کیے ہیں ہم
غواص ہو کے عشق کے دریا میں سر بکف[۳]　　مقصد کے دُر کے لینے تئیں مر جیے ہیں ہم
فانوسِ[۴] تن میں دیکھ لے روشن ہیں جوں چراغ　　جو داغ دل پہ عشق میں تیرے دیے ہیں ہم
ہر یک سخن ہوا ہے ہمارا مثالِ قند　　شیریں لباں کے جب سے کہ بوسے لیے ہیں ہم

شمشیرِ عشق کے جو تھے حاتم کے دل میں زخم
سوزن پلک کی تارِ نگہ سے سیئے ہیں ہم

زمین طرحی ۱۱۴۱ھ[۵]

بحر مسطور

ہر روز عاشقی کے سفر میں وہیں ہیں ہم　　اس بحر میں نہنگ کے جوں بہہیں[۶] ہیں ہم

---

۱ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۲ ۱۱۴۴ھ، لندن
۳ کے بیچ آج، لندن۔ غوطہ مار، دہلی
۴ فانوس تن کے بیچ ہیں روشن مثال شمع، لندن
۵ ۱۱۴۲ھ، لاہور
۶ بہیں، لندن و لاہور

کسی سے کہوں میں، کون سنے، کون داد دے | جو جو جفا و ظلم تمہارے سہیں ہیں ہم
آنکھیں چراونے کا سبب کیا ہے بے سبب | مکراوٴتا ہے کیوں ترے چتون نہیں ہیں ہم
عاشق جہاں تھے آج ترے قتل عام میں | سب مرگئے پر ایک سلامت رہے ہیں ہم
اتنا تو ہو کہ دل سے تو[1] حاتم کو مت بھلا
آیا نہ آیا بات تجھے کب کہیں ہیں ہم

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ[2]

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

آوٴ چمن میں گل رو دیکھیں بہار ہم تم | اور بیٹھ کر لبِ جو ہوں ہمکنار ہم تم
اس ابر واس ہوا میں یوں آوٴتا ہے دل پر | پی پی شراب ہوویں بے اختیار ہم تم
مجلس میں گو کہ شیشے خالی ہوئے تو ہوویں | اب میکدے میں چلئے توڑیں خمار ہم تم
اتنی بھی آسماں نیں فرصت نہ دی کبھی ہائے | جو بیٹھ کر نکالیں دل کا غبار ہم تم
اس راہ واس زمین کے صدقے ہوں لیلیٰ مجنوں | جس جا کریں پیارے مل کر گزار ہم تم
دل چاہتا ہے مل لیں دم کا نہیں بھروسا | دو دم[3] کی زندگی میں پھر ایک بار ہم تم
حاتم کا اس گھڑی سیں دشمن ہوا ہے عالم
جس روز سے ہوئے ہیں اے یار یار ہم تم

زمین طرحی ۱۱۶۲ھ[4]۔ مطلع تجنیس تام

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

اگر اس رات گل کے ساتھ تو ہم خواب ہے شبنم | سحر کو تو کہاں اور وہ کہاں سب خواب ہے شبنم
ملا کر منہ سے منہ اے بےادب اور یوں لپٹ رہنا | جنابِ گل کی صحبت کا کوئی یہ داب ہے شبنم
نہیں ہے غیر[5] گل گر غیر سے تجھ کو نظر بازی | تو کیوں خورشید کے دیکھے سے تو بے تاب ہے شبنم

---

[1] اب، لندن
[2] لندن میں سنہ کے بعد 'مقلوب مستوی' بھی دیا ہے۔
[3] دو دن، لندن
[4] ۱۱۶۷ھ، لندن و لاہور
[5] گل سوا، لندن و کراچی

ہے دھوکا گو کہ ہر قطرہ نظر آتا ہے موتی سا جو دیکھو فی الحقیقت تو سراپا آب ہے شبنم
نہ منہ کر اس طرف ذرے سے کیا خورشید کو نسبت جو ٹھہرے اس کی نظروں میں تجھے یہ تاب ہے شبنم
نظر سے کیوں گراتی ہے ہمارے اشکِ گل گوں کو پڑی رہ کیا تلے تیرے پر سرخاب ہے شبنم
عجب بے رونق اے حاتم ہوا ہے اس زمانے کی
چمن بے آب و گل بے رنگ اور نایاب ہے شبنم

زمین[1] طرحی ۱۱۶۲[2]ھ

بحر ہزج مسطور

ادھر تو رات ساری خوش رہی گل سے بہم شبنم ادھر نالاں رہے تا صبح دم بلبل سے ہم شبنم
نفس تنگی کرے ہے باغباں کی پاس خاطر کر دھرے مت اس طرح سے گل کی چھاتی پر قدم شبنم
تیرے تھا شور رونے کا یہی آنسو کی دو بودیں یہاں ہے ابر کی مانند ہر دم چشمِ نم شبنم
نفی اثبات میں اس کے تئیں دن رات گزرے ہے کہ پیدا ہر شب و ہر روز ہوتی ہے عدم شبنم
عدم[3] میں ہم بھی تیری سی طرح چلنے کو حاضر ہیں ہمارے ساتھ کو تو بھی تو ستا ایک دم شبنم
نہ تنہا چھوڑ جا حاتم کو مل کر سیر گلشن کر
تجھے فصلِ بہار اور موسمِ گل کی قسم شبنم

زمین رفیع سودا[4] ۱۱۶۱[5]ھ

بحر ہزج مسطور

اڑے ہے تو جو ایسا آسماں پر ہر سحر شبنم تجھے خورشید کے دیکھے[6] سے کیا لگتے ہیں پر شبنم
تو اور گل ہم نشیں اور سیر باغ اور شب ہے اور خلوت ہمیں یہ رات آنکھوں میں گئی روتے گزر شبنم
چمن میں کون سا عالی دماغ آتا[7] ہے سچ کہیو کہ گل کے عطرداں سارے رکھے ہیں تو نے بھر شبنم

۱۔ لندن میں سرخی کی عبارت یہ ہے: ''زمین طرحی ۱۱۶۷ھ مطلع تجنیس زاید فی بحر ہزج مثمن سالم مسطور''
۲۔ ۱۱۶۷ھ، لاہور ۳۔ یہ شعر لاہور میں زائد ہے۔
۴۔ فی بحر ہزج مثمن سالم مسطور، لندن ۵۔ ۱۱۶۵ھ، لاہور و لندن
۶۔ نکلی، لندن ۷۔ آیا ہے، لاہور۔ آتا ہے، لندن، رام پور، علی گڑھ، لکھنؤ

سحر کے وقت ہوتی ہے بہارِ تازہ گلشن میں ادھر جاگے صبا منہ گُل کا دھوتی ہے اِدھر شبنم
ہوا[1] ہے سرد[2] آسا دودِ آہِ سینۂ بلبل چھڑکتی ہے گی پانی[3] آتشِ گل پر مگر شبنم
کیا بادِ خزاں نے گل چراغِ دودمانِ گل چمن کی ان دنوں بھی کچھ[4] تو رکھتی ہے خبر شبنم
غنیمت جان اب کی فصل حاتم کا سخن سن لے
بھروسا کس کو جینے کا ہے تا سالِ دگر شبنم

زمین طرحی ۱۱۶۳ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع مسبغ۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

تمہاری چشم کے طالب کو جام سے کیا کام نگہ کے مست کو شرب مدام سے کیا کام
خدا بغیر نہیں دل کو اب توقع غیر کسی سے کام نہیں مجھ کو کام سے کیا کام
دل اہلِ ننگ کی صحبت سے ننگ رکھتا ہے غلامِ عشق کے تئیں ننگ و نام سے کیا کام
مثالِ طائر تصویر مجھ میں جان نہیں جو صید زندہ نہ ہو اس کو دام سے کیا کام
اے شیخ ڈھانپ کتابوں میں مسئلے اپنے[5] جنوں زدوں کو حلال و حرام سے کیا کام
مثالِ گنگ ہوں خاموش مجھ سے مت بولو جو بے زبان ہو اس کو کلام سے کیا کام
بحِل کیا ہے یہاں خون عاشق اے حاتم
شہیدِ عشق کے تئیں انتقام سے کیا کام

زمین[6] طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقصور۔ مفاعلن فعلات[7] مفاعلن فعلات

نہ محتسب سے یہ مجھ کو غرض نہ مست سے کام مجھے تو لینا ہے ساقی کے آج دست سے کام
صنم تو میری پرستش کی قدر تب جانے کہ جب پڑے تجھے کافر خدا پرست سے کام

---

[1] سرد آیا، لاہور
[2] ہے ایسا سرد کیوں اب دودِ آہ سینۂ بلبل، لندن۔ سرد آسا، لاہور
[3] پائے علی گڑھ
[4] کچھ اور، لاہور
[5] مسئلوں کو، لاہور
[6] ۱۱۶۹ھ، لندن و لاہور
[7] فعلاتن۔ لندن

میں گوشہ گیر ہوا سیر کر نشیب و فراز — رہا نہ میرے قدم کو بلند و پست سے کام
رکھے ہے شیشہ میرا سنگ ساتھ ربطِ قدیم[1] — کہ آٹھ پہر مرے دل کو ہے شکست سے کام
جسے مساوی ہے ماضی و حال و مستقبل[2] — اسے رہا نہیں آئندہ بود و ہست سے کام
میں کفر و دیں سے گزر کر ہوا ہوں لا مذہب — خدا پرست سے مطلب نہ بت پرست سے کام
کسو[3] کو قید کرے ہے کسو کو باندھے ہے — وہ لے ہے اپنے عمل بیچ بند و بست سے کام

دل اس کی زلف کے پیچوں میں حاتم الجھا ہے
رکھے نہیں ہے میرا صید دام وشست سے کام

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

ہووے وہ شوخ چشم اگر مجھ سے چار چشم — قرباں کروں میں چشم پر اس کے ہزار چشم
مدت ہوئی پلک سے پلک آشنا نہیں — کیا اس سے اب زیادہ کرے انتظار چشم
جس رنگ سے ہو ابر سفید و سیاہ و سرخ — اس طرح کر رہے ہیں تمہارے بہار چشم
سوتے سے نام سن کے مرا یار جاگ اُٹھا — بختوں کے کھل گئے مرے[4] بے اختیار چشم
جاگے ہو رات یا یہ نشے کا اُتار ہے — جو صبح[5] کر رہے ہیں تمہارے خمار چشم

ظالم خدا کے واسطے حاتم کو منہ دکھا
مدت سے دیکھنے کے ہیں امید وار چشم

زمین[6] رفیع سودا ۱۱۲۹ھ[7]

مختلف القافیہ بحر مضارع

اے شمع کس کے اشک سے ہے پرلگن تمام — روئے ہے تو کہ غم سے ترے ہے سخن[8] تمام

---

۱ ربط تمام، علی گڑھ — ۲ استقبال، لندن
۳ لندن میں یہ شعر زائد ہے۔ — ۴ رہے، علی گڑھ
۵ آج، لاہور — ۶ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۷ ۱۱۸۹ھ، لاہور — ۸ انجمن تمام، لاہور

ایسا لہو پیا ترے پیکانِ تیر نے — سوفار کا بھی سرخ ہے اب تک دہن تمام
مژگاں کا اب ہجومِ تصور ہے اس قدر — غربال ہوگیا ہے سراپا بدن تمام
نرگس نہیں شگفتہ نظر کر تو جان من — ہے چشمِ انتظار کی صورت چمن[1] تمام
پھلکاری[2] کی بدن میں ترے ماہ رو تمام — سارے گلوں نے چاک کیے پیرہن تمام
اتنا تو کہہ کہ گنجِ شہیداں کرو[3] انھیں — مقتول خاک پر ہیں ترے بے کفن تمام

تیرے دہن کے وصف میں حاتم سا شعر گو
ہوتا نہیں زبان سے شیریں سخن تمام

زمین[4] انعام اللہ خاں یقین ۱۱۵۲ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

دل میں یوں ہے تجھ خیال چشم کے آنے میں دھوم — مچ رہی ہے جس طرح مستوں[5] کی میخانے میں دھوم
تم نہ بولو گو کہ عاشق آپ کو ضائع کریں — جان من ہوگی تمہارے منہ سے فرمانے میں دھوم
ایک[6] تو فتنہ اٹھاوے تھے ترے کاکل کی بو — تس[7] اوپر ہوگی قیامت عطر ملوانے[8] میں دھوم
گل گریباں چاک اور غنچے ہوئے ہیں غرقِ خوں — باغ[9] میں ڈالی ہے تو نے پان کے کھانے میں دھوم

اس کی ہمت سے تو جی دینا تجھ اوپر کیا ہے دور
لیکن ہوگی شہر میں حاتم کے مرجانے میں دھوم

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

بحر مجتث مخبون مثمن[10] مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تجھے جو قتل کی میرے امنگ ہے ظالم — تو آ پہنچ کہ یہاں[11] وقت تنگ ہے ظالم

---

۱ بدن، علی گڑھ
۲ لاہور میں یہ مصرع اس طرح لکھا ہے: پھل کاری کی بدن میں تری دیکھ یک تہی
۳ کرو نہیں، لاہور
۴ ۱۱۵۳ھ، لندن ولاہور
۵ مستوں سے، لندن ولاہور
۶ ایک تو فتنہ اٹھاتی تھی تیری چوٹی کی بو، لندن
۷ اور بھی، لندن
۸ لگوانے، لندن
۹ کیا بلا ڈالی ہے تم نے جان پان کھانے میں دھوم، لندن
۱۰ لندن میں "مثمن" نہیں دیا۔
۱۱ نپٹ، لندن

یہ تو یہ میں یہ مرا یہ تیغ یہ تیرے ہاتھ
مری مراد کو اب کیا درنگ ہے ظالم

کبھو [illegible] رے ہے کبھو نکالے ہے
ہمارے خون سے کیا تجھ کو ننگ ہے ظالم

لگا شتاب بھلا آدمی ہوں احساں کر
کہ ایسے جینے سے اب جی بہ تنگ ہے ظالم

تغافل اس قدر حاتم سے شخص کے حق میں
کوئی بھی تجھ میں مروت کا ڈھنگ ہے ظالم

زمین طرحی ۱۱۶۴ھ

بحر مضارع مثمن اخرب ملفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

کنج قفس میں پھینک کے صیاد ہے ستم
کرنے کو ذبح بھی نہ کیا یاد ہے ستم

فرصت نہیں کہ حرف نکالوں زبان سیں[1]
سر پر کھڑا ہے یوں مرے جلاد ہے ستم

لب پر ہمارے شور و فغاں سے کف آگئی
تو بھی سُنی کسی نے نہ فریاد ہے ستم

خدمت کی تیری ہم یہاں تک کہ مرگئے
پر تو نے ایک دم نہ کیا شاد ہے ستم

حاتم بجا ہے اس کو کہیں ظالموں کا پیر
جو کوئی تلف کرے حقِ اُستاد ہے ستم

زمین طرحی ۱۱۴۱ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فلاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

کافر اتنا بھی نہیں[2] لازم ہے ہو کر رام رم
دیکھ میرے حال[3] کو کر ظلم اے خود کام کم

دَور میں چشموں[4] کے ترے مست ہے عالم مدام
کیوں نہ ہو اس غم سے سرگرداں لے کر جامِ جم

کیا ہو اگر پیچ کھا[5] کر دل میں رکھتا ہے گرہ
تاب کیا جو زلف کے آگے نکالے دام دم

جو صدا آتی ہے باتوں کی ترے کانوں کے بیچ
جانتے ہیں اس سخن تیرے کے تئیں الہام ہم

---

۱ زباں سے میں کہہ سکوں، لندن
۲ کیا تجھے، لندن
۳ درد، لندن
۴ آنکھوں کی۔ نین، کراچی و دہلی
۵ کھا کھا، لندن و دہلی

جوں کہا قاصد نے چل حاتمؔ بلایا ہے تجھے
دل سے سب جاتا رہا سنتے تیرا پیغامِ غم

جی[۱] میں بستا ہے گل عذار مدام — باغ میں دل کے ہے بہار مدام
سرو دل جو کے غم سے جاری ہے — چشم مانند جوئبار مدام
ہجر سے اس کے ہے گا حاتمؔ کے
داغِ سینہ میں یادگارِ مدام

زمین[۲] طرحی تضمین بیت استاد ۱۱۶۹ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

شیخ اب تجھ کو مبارک ہو یہاں طوفِ[۳] حرم — ہم ہوں اور شیشہ ہو اور مطرب ہو اور بیت الصنم[۴]
جان لے اے جان من توام ہے ہستی[۵] و عدم — کوئی دم ہم تم ہیں کوئی دم میں پھر تم ہو نہ ہم
ہاتھ سے اس مرگ[۶] کے جاں بر نہ دیکھا ایک کو — کیا سلیمان کیا سکندر کیا فریدوں کیا ہو جم
سر قدم پر رکھ ترے اور جایئے سر سے گزر — ہے یہی سر میں ہوس مرے ترے سر کی قسم
ایک دن حاتمؔ میں جاتا تھا بیاباں کی طرف — ناگہاں اک گور اوپر جا پڑا میرا قدم
خاک سے اس کی مرے آواز آئی کان میں — وہ غرض یہ بیت پڑھتا تھا بصد سوز و الم

"از فریبِ باغباں غافل مشو اے عندلیب
پیش ازیں من ہم درین باغ آشیانے داشتم"

زمین[۷] طرحی ۱۱۶۷ھ

بحر خفیف مخبوں مقصور۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات

خلق نے مفت میں کیا بدنام — مجھ سے اس سے نہ ہے دعا نہ سلام

---

۱ لندن میں یہ غزل دی ہے جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔
۲ لندن میں اس پر سرخی کے الفاظ یہ ہیں۔
۳ ترا بیت الحرام، لندن و کراچی
۴ کوئی صنم، لندن و کراچی
۵ اور، لندن و کراچی
۶ اس شخص کے، لندن و کراچی
۷ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

خواب میں اس کے دیکھ کر کفِ پا — خواب مخمل اوپر ہوا ہے حرام
کھا گیا ایک ایک کو چن چن — رات دن ہے یہی فلک کا کام
گور کا جو شکار کرتا تھا — آپ اب صیدِ گور ہے بہرام
تم کو ہے شرم یا رسول اللہ
اپنے حاتم کی ہے تمہارا غلام

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ[1]

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات

دہن ہے تنگ شکر اور شکر ترا ہے کلام — لباں ہیں پستہ زنخ سیب وچشم ہیں بادام
تری نگہ سے گئے کھل کواڑ چھاتی کے — حصارِ قلب کی گویا تھی[2] فتح تیرے نام
دلوں کی راہ میں خطرے پڑے ہیں کیا یارو — کہ چند روز سے موقوف ہے پیام وسلام
امید وار جنابِ خدا سے ہے حاتم
کہ ہوئے کام کا اس کے شتاب سے انجام

زمین[3] طرحی ۱۱۹۳ھ

بحر ہزج مثمن مقصور

میسر فقر کا ہے جس کو دیہیم — وہی ہے بادشاہِ ہفت اقلیم
ہے جس کے تحت میں گنجِ قناعت — نظر میں خاک ہے اس کے زر وسیم
جو ہیں خوف و رجا میں رات اور دن — نہیں ان کو کسی سے دہشت و بیم
بہ زور فقر مارا نفسِ کافر — فقیروں نے سمجھ کر راون وبھیم
بجز حق غیب کی کس کو خبر ہے — اگر رمال ہو یا اہلِ تنجیم
کرے مجلس میں جو اپنی تواضع — ہے لازم آپ کو بھی اس کی تعظیم

---

[1] ۱۱۶۴ھ، لاہور   [2] ہے، علی گڑھ
[3] یہ غزل لاہور میں ہے۔

مریدوں میں وہی ہوتا ہے کامل جو اپنے پیر سے پاتا ہے تعلیم
اب ہندوستان کے درویشوں میں حاتم
ہے تسلیم و رضا میں شاہ تسلیم

زمین[1] طرحی ۱۱۴۹ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن[2]

بندہ اگر جہاں میں بجائے خدا نہیں لیکن نظر کرو تو خدا سے جدا نہیں
نقطے کا فرق ہے گا خدا اور جدا میں دیکھ صورت[3] میں گر چھپا ہے بمعنی چھپا نہیں
ہر شے کے بیچ آپ نہاں ہو عیاں ہوا دیکھا تو ہم[4] نے اس سا کوئی خود نما نہیں
حیران[5] عقلِ کل کی ہے اس کی صفت کو دیکھ سب جا میں جلوہ گر ہے مگر ایک جا نہیں
لذت چکھا کے دل کے تئیں ہجر و وصل کی
حاتم سے مل رہا ہے اور اب تک ملا نہیں

زمین[6] طرحی ۱۱۸۲ھ[7]

بحر مضارع مسطور

اس دور کے اثر کا جو پوچھو بیاں نہیں ہے کون سی زمیں کہ جہاں آسماں نہیں
اس درجہ دل بروں سے گئی رسمِ دلبری دل ہاتھ پڑ[8] لیے ہوں کوئی دل ستاں نہیں
افسردہ دل تھا اب تو ہوا غم سے مردہ دل جیتا ہوں دیکھنے میں و لے مجھ میں جاں نہیں
آداب صحبتوں[9] کا کوئی ہم سے سیکھ لے پر کیا کروں کہ طالبِ صحبت یہاں نہیں
دل جل کے بجھ گیا ہے کسی نے خبر نہ لی ہم سوختہ دلوں کا کوئی قدرداں نہیں

۱۔ زمین طرحی، لندن
۲۔ فاعلن، لندن
۳۔ سب میں سما رہا ہے وہی کچھ چھپا نہیں، لندن و کراچی
۴۔ جہاں میں، لندن۔ جگ میں، کراچی
۵۔ لندن میں یہ شعر اس طرح ہے: حیراں ہے عقلِ کل کی تیری اس صفت کو دیکھ دل میں سدا رہے وگویا آشنا نہیں
۶۔ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۷۔ ۱۱۸۶ھ، لاہور
۸۔ میں۔ علی گڑھ
۹۔ صحبتوں کا، علی گڑھ، لاہور

ہے کل کی بات سب کے دلوں میں عزیز تھا　　　پر ان دنوں تو ایک بھی دل مہرباں نہیں
ایسی ہوا بہی کہ ہے چاروں طرف فساد　　　جز سایۂ خدا کہیں دارالاماں نہیں
عالم کی ہے گی نرخ الٰہی سے زندگی　　　تس پر بھی دیکھتا ہوں کہ بہتوں کو ناں نہیں
حاتم خموش لطفِ سخن کچھ نہیں رہا
بکتا عبث پھرے ہے کوئی نکتہ داں نہیں

زمین طرحی الالتزام ۱۱۵۱ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقصور[۱]۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات[۲]

کون دل ہے کہ ترے درد میں[۳] بیمار نہیں　　　کون جی ہے کہ ترے غم میں گرفتار نہیں
کون دہرا ہے کہ تجھ بت کی نہیں ہے پوجا　　　کون مسجد ہے کہ تجھ[۴] درس کی تکرار نہیں
کون خوش رو ہے کہ تجھ روکا نہیں ہے طالب　　　کون[۵] طالب ہے کہ تجھ شے[۶] کا طلب گار نہیں
کون صوفی ہے کہ تجھ مے[۷] سے نہیں ہے مدہوش　　　کون کیفی ہے کہ تجھ[۸] کیف سے ہشیار نہیں
کون کہتا ہے کہ حاتم کو نہیں تجھ[۹] سے پیار
کون کہتا ہے کہ حاتم سے تجھے پیار نہیں

زمین جعفر علی خاں صادق ۱۱۵۵ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقصور مسطور

دلِ آگاہ مرا طالبِ ارشاد نہیں　　　کون سا فن ہے جہاں میں کہ اُسے یاد نہیں
کوچۂ عشق میں بے ساختہ مر جاتا ہے　　　کشتۂ[۱۰] یار کے تئیں حاجتِ جلاد نہیں
پڑی پھرتی ہیں کئی لیلیٰ و شیریں ہر جا　　　پر کوئی ہائے یہاں مجنوں و فرہاد نہیں

---

۱ محذوف، لندن
۲ فعلن، لندن
۳ سے، لندن
۴ اس، لندن
۵ کون خوش گو ہے کہ اس لب کا طلب گار نہیں، لندن و کراچی
۶ سے، رام پور و لاہور
۷ اس مدہ، لندن
۸ اس شوق میں، لندن
۹ اُس سے، لندن
۱۰ مرنے والے، لندن

دلِ عشاق[1] پرندوں کی طرح اڑتے ہیں — اس بیاباں میں کیا ایک بھی صیاد نہیں
شوق سرے کا ترے جب سے گلوگیر ہوا — اب تلک تب سے مجھے طاقتِ فریاد نہیں

ہم نے پوچھا کوئی حاتم بھی ترا فدوی[2] ہے
کہا ہووے گا کوئی اب تو مجھے[3] یاد نہیں

زمین طرحی ۱۱۶۵ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

زندگی کی لذت اس[4] نے ایک دم پائی نہیں — جس[5] نے اس کی جھڑکی و گالی کبھو کھائی نہیں
ہے کبھو دل میں کبھو جی میں کبھو آنکھوں کے بیچ — کون کہتا ہے اُسے یارو کہ ہر جائی نہیں
سب تو موزوں اس کو کہتے ہیں و لے اب تک مجھے — سرو کی چھب اس کی چھب آگے کبھو بھائی نہیں
اس قدر وحدت کی کثرت نے کیا سب سے جدا — ہم نشیں صحبت میں میری غیر تنہائی نہیں
کس طرح سے ہو سکے شہرِ جنوں میں نامور — جو کوئی اس زلف کے کوچہ کا سودائی نہیں
باغِ دنیا میں کوئی ایسا نہ ہوگا بے نصیب — آب و رنگِ گل رخاں کا جو تماشائی نہیں

آشنائی سے بتاں کی اپنے حاتم دل کو پھیر
حاصل ان کی دوستی کا غیرِ رسوائی نہیں

زمین[6] کوکہ خاں فغاں ۱۱۶۲ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

جو ذائقے سے درد کے دل آشنا نہیں — دنیا میں زندگی کا اسے کچھ مزا نہیں
دن رات منہ لگاتا ہے کیوں آرسی کے تئیں — وہ شوخ خود پسند اگر خود نما نہیں
کیفیتوں سے شیشۂ دل ہے ترا تہی — زاہد ادھر نہ آ تجھے مستوں میں جا نہیں

۱۔ دیوانہ، لندن — ۲۔ بندہ، لندن۔ تمہارا ہے غلام، کراچی
۳۔ ہمیں، لندن — ۴۔ ان نے، لندن
۵۔ جن نے، لندن — ۶۔ ۱۱۶۱ھ، لندن و لاہور

اپنا میں درد لے کے گیا تھا طبیب پاس — بولا کہ اس مرض کی جہاں میں دوا نہیں
حاتم وہ کھنچتا نہیں عاشق کے دل کے تئیں
جس حسن میں کہ عشوہ و ناز و ادا نہیں

زمین[۱] طرحی ۱۱۹۱ھ

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات

جہاں میں کوئی کسی کا رفیق و یار نہیں — کہے بھی کوئی کہ میں ہوں تو اعتبار نہیں
تو دیکھ ذرہ سے تا مہر و ماہ و انجم تک — فلک سے چرخ میں ہے ایک کو قرار نہیں
اگرچہ خاک ہوں پر آبِ چشم سے نم ہوں — کسی طرح سے کسی دل کا میں غبار نہیں
جسے نہ ہووے قدم بوس کی مری خواہش — سو ایسا کوئی بیاباں میں ایک خار نہیں
میں روز فکر و تردّد تلاش کرتا ہوں — گلی میں اس کے کسی طرح سے گزار نہیں
تمام خلق ترے تیر کا نشانہ ہے — ہے کون دل جسے پیکاں کا انتظار نہیں
ہزار زندگی بخشے ہے آب چشمۂ خضر — ترے لبوں کے تو آگے وہ خوشگوار نہیں
اے ناصحا تو نصیحت نہ کر کہ ہوں مجبور — میں کیا کروں کہ مرا دل پہ اختیار نہیں
میں کس اُمید پر حاتم بناؤں گھر کو یہاں
جہاں میں عمر کی بنیاد پائدار نہیں

زمین[۲] میر حسین کلیم ۱۱۶۱ھ

بحر رمل مثمن مخبون مقصور۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن[۳]

کوئی ایسا بھی طبیبوں میں یہاں ہے کہ نہیں — جو کہے عاشقِ[۴] بیمار میں جاں ہے کہ نہیں
عمر گزری ہے اسی وہم میں مجھ کو اب تک — نہیں معلوم میاں تیری میاں ہے کہ نہیں
بندۂ دل ہوں نہ ہو مجھ سے برہمن بے دل — دیکھ تو دل میں مرے مہرِ بتاں ہے کہ نہیں

---

۱ صرف نسخۂ لاہور میں یہ غزل ہے۔ — ۲ زمین رفیع سوؔدا، لندن
۳ فعلات، علی گڑھ — ۴ اس دل، لندن

رات کس پاس تھا منہ دیکھ تو آئنے میں ‏ تیرے لب پر اثر مسّی و پاں ہے کہ نہیں
اُس[1] نے منہ پھیر کہا تو بڑا سودائی ہے ‏ سوچ تو دل میں ترے مجھ سے گماں ہے کہ نہیں
کیوں کرے ہے یہ تو بہتان[2] ہر اک جا جا دیکھ ‏ یہ تو زیب[3] لبِ خوباں ہے کہاں ہے کہ نہیں
چپ ہوا سن کے میں تب اس نے کہا اے حاتم
بول کچھ اب بھی ترے منہ میں زباں ہے کہ نہیں

زمین طرحی ۱۱۶۳ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقصور[4] مسطور

اے ترا طالبِ دیدار کہاں ہے کہ نہیں ‏ اور تیرے لب کا طلب گار کہاں ہے کہ نہیں
نہیں مانے ہے تو زنداں میں اسیروں سے پوچھ ‏ تیری زلفوں کا گرفتار کہاں ہے کہ نہیں
خواہ تو مصر میں ہو خواہ تو کنعاں میں ‏ تجھ سے یوسف کا خریدار کہاں ہے کہ نہیں
ایک ہم ہیں کہ ترے ظلم و ستم[5] سے خوش ہیں ‏ ورنہ تجھ سے کوئی بیزار کہاں ہے کہ نہیں
روشنی[6] بخشے ہے چشموں کو ترے پاؤں کی خاک ‏ سرمہ اس طرح کا درکار کہاں ہے کہ نہیں
کس کی آنکھوں سے دکھاؤں دلِ نابینا کو ‏ ورنہ سب جا ہے مرا یار کہاں ہے کہ نہیں
شرق سے غرب[7] تلک پوچھ لے سب سے حاتم
کون گھر ہے ترے اشعار کہاں ہے کہ نہیں

زمین خواجہ میر درد[8] ۱۱۶۷ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف[9] مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

افسوس شیخِ دل سے تجھے راہ ہی نہیں ‏ بہتر تو اس سے کوئی گزر گاہ ہی نہیں

۱۔ اُن نے جھنجھلا کے، لندن
۲۔ مجھے بہتاں، لندن
۳۔ سنگار، لندن
۴۔ محذوف، لندن
۵۔ جفا، لندن
۶۔ خاک پا تیرے کہ ہوں جس سے یہ آنکھیں روشن، لندن
۷۔ ہند سے تا بہ دکن، لندن
۸۔ مکفوف مقصور، لاہور۔ مکفوف محذوف، لندن
۹۔ فاعلن، لندن

تو ڈھونڈھتا کسے ہے ٹک اپنی طرف تو جھانک | جو کچھ ہے تجھ میں اس سے تو آگاہ ہی نہیں
امید کیا اثر کی رکھوں دل کے بیچ آہ | یک عمر سے جگر میں مرے آہ ہی نہیں
مدت سے میں پھروں ہوں لیے دل کو ہاتھ پر | دیکھا تو شہر میں کوئی دل خواہ ہی نہیں
بے خودؔ ہوں اس قدر کہ عذاب وثواب سے[1] | کچھ دوزخ و بہشت کی پرواہ ہی نہیں

حاتمؔ قدم سنبھال کے رکھ راہِ عشق میں
وہ بحر ہے کہ جس کی کہیں تھاہ ہی نہیں

زمین طرحی ۱۱۷۰ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

تو اذیت پیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں | دور ہو پہلو سے صحبت کی میرے قابل نہیں
مردماں چشمِ توقع اس سے رکھتے ہیں عبث | جس کی آنکھوں میں مروت کا نشاں یک تل نہیں
رہ رواں سن لے بلند آواز کہتا ہے جرس | یک قدم اس راہ میں آرام کی منزل نہیں
اپنی تا مقدور اے زاہد زیارت دل کی کر | ہم ترے کعبے کو دیکھا غیر سنگ و گِل نہیں
عکس سے عاشق کے خوں سے ہے فلک اور شفق | یہ تماشا ہے کہ رنگیں دامنِ قاتل نہیں
کس کے ٹانکے دیجیے اور کس کے مرہم کیجیے | کون ہے جو تیغ سے تیری میاں گھائل نہیں
چشمِ عبرت سے نظر کر ٹک تو گورستاں میں | تو ہے غافل موت تیری فکر سے غافل نہیں
اس خراب آباد میں آباد رہنا کب تلک | جس کے یہ خطرہ نہیں ہے دل میں وہ عاقل نہیں

غم نہ کھا حاتمؔ خدا کر دے گا حلِ مشکلات
فضل آگے اس کے سب آساں ہے کچھ مشکل نہیں

زمین[2] طرحی ۱۱۸۸ھ

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات

یہاں حصول بجز جوش اور خروش نہیں | یہ جائے نیش ہے اس جا امیدِ نوش نہیں
کہاں دماغ کہاں تک زباں کو دوں تکلیف | کہ اہلِ بزم میں شنوا کسی کے گوش نہیں

---

[1] لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔ [2] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ ۱۱۸۱ھ، لاہور

لباسِ فقر کا سامان پردہ پوشی ہے تو خرقہ پوش نہیں ہے جو عیب پوش نہیں
نشے کی آن میں مجلس میں تم نے کی تھی نگاہ ہنوز تب سے پیارے کسو میں ہوش نہیں
نہیں صلہ کی طمع مجھ کو اہلِ دولت سے
میں سر فروش ہوں حاتمؔ سخن فروش نہیں

زمین طرحی۔۱۱۵۹ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

مے پرستوں پر قیامت آن ہے ساقی نہیں بزم بے اس کی نپٹ ویران ہے ساقی نہیں
لعل اور موتی جھڑیں ہیں جس کے منہ سے بات میں یہ جواہر کی سراپا کان ہے ساقی نہیں
جس[1] کے اُٹھ جانے سے مرجاتے ہیں سارے اہلِ بزم اہلِ مجلس کی مگر وہ جان ہے ساقی نہیں
بزم میں بہکے ہیں کم ظرفی سے اس دم پوچ گو اس گھڑی ہم پر بڑا[2] احسان ہے ساقی نہیں
اس[3] گھڑی کر ڈالتا ہے یک دم میں مے خانہ تہی کیا کروں یہ کود یہ میدان ہے ساقی نہیں
بزم میں حاتمؔ کبھو بے شیشہ وہ آتا نہیں
مے کشوں کے درد کا درمان ہے ساقی نہیں

زمین[4] طرحی ۱۱۵۶ھ

بحر رمل مسدس مقصور[5]۔فاعلاتن فاعلاتن فاعلات[6]

زلف اس کی کال ہے کالا نہیں تیغ ہے ترچھی[7] نگہ بھالا نہیں
ہے[8] یہاں ہر ایک کی جادو نگاہ ہند ہے یہ سحرِ بنگالا نہیں
مے کشو شیشے لگاؤ منہ کے تئیں مے تو ہے گو بزم میں پیالا نہیں
عشق بازی بوالہوس بازی نہ جان عشق ہے یہ خانۂ خالا نہیں

---

۱ لندن میں مصرع اس طرح ہے: جس کے اٹھ جانے سے محفل بیچ مرجاتے ہیں سب، لندن ۲ ہزار، کراچی
۳ لندن میں یہ شعر ہے۔ ۴ ۱۱۵۶ھ، لاہور۔ ۱۱۵۹ھ، لندن
۵ محذوف، لندن ۶ فاعلن، لندن
۷ بانکی، لاہور ۸ یاں کے معشوقوں کی ہے جادو نگاہ، لندن

کیوں نہ کھٹکے دل میں عاشق کی سدا ۔۔۔ درد کا کانٹا ہے سر والا نہیں
ہم سے کس ناتے سے دشمن دوست ہو[1] ۔۔۔ دل میں سالی ہے کوئی سالا نہیں
ہرزہ لکھتا[2] ہوں مجھے معذور کہہ ۔۔۔ مست لایعقل ہوں متوالا نہیں
پیر[3] اس میں مت دھرے ڈوبے گا تو ۔۔۔ بحر بے پایاں ہیں یہ نالا نہیں

دیکھ دیبی دت کی اے حاتم بہار
گل ہے سب پھولوں میں وہ لالا نہیں

زمین طرحی ۱۱۷۴ھ

بحر ہزج مثمن مسبغ ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلان

کیا ہم دوستی کا امتحان سو بار دنیا میں ۔۔۔ نہ کوئی آشنا دیکھا نہ کوئی یار دنیا میں
عدم سے منہ نہ کرتے اس طرف مقدور اگر ہوتا ۔۔۔ ہوئے ہیں بد[4] ماغ ہم آ کے اس مردار دنیا میں
نہ ہو ایسا الٰہی دشمنوں کے بھی نصیبوں میں ۔۔۔ کہ جیسا ہم نے کھینچا آن کر آزار دنیا میں
جدا ہوتا نہیں یک آن قرباں[5] اس کی الفت کے ۔۔۔ نہ دیکھا درد سا ہم نے کوئی غم خوار دنیا میں
جہاں معشوق ہے یارو وہاں آفت ہے پہلے ہی ۔۔۔ نظر آیا ہے کم ہم کو گلِ بے خار دینا میں
تکلف بر طرف سو سدرہ و طوبیٰ سے بہتر ہے ۔۔۔ میرے سر پر تیرا یہ سایۂ دیوار دنیا میں
قناعت[6] کی جو سیکھا کیمیا اس کی نگاہوں میں ۔۔۔ برابر خاک کے بے قدر ہے زر دار دنیا میں
گدا یا شاہ کوئی ہو موافق قدر ہر ایک کے ۔۔۔ لباس و قوت و مسکن سب کو ہے درکار دنیا میں
دوکاں دار و خریداری ہوئی ہے سرد سودے کی ۔۔۔ مگر یک گرم ہے تو موت کا بازار دنیا میں
پھرے[7] ہے رات دن بے زار مفلس زندگانی سے ۔۔۔ مزا جینے کا اس کو ہے جو ہے زردار دنیا میں

اگر[8] طالع نہیں تو قابلیت سینت رکھ حاتم
پھریں ہیں تجھ سے بہتر اہلِ جوہر خوار دنیا میں

---

[1] ہوئے، لندن
[2] بکتا ہوں، لاہور و رام پور
[3] لندن میں یہ شعر اور دیا ہے۔
[4] بے مزہ، لندن و کراچی
[5] صدقے، لندن
[6] لندن میں اس کے بعد یہ شعر دیا ہے۔
[7] لاہور میں اس کے بعد یہ شعر اور دیا ہے۔
[8] اگر طالع نہیں رکھ قابلیت طاق پر، لاہور

زمین طرحی ۱۱۵۲ھ[1]

بحر مجتث مخبون مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تو صبحِ دم نہ نہا بے حجاب دریا میں
پڑے گا شور کہ ہے آفتاب دریا میں

چلو شراب پئیں بیٹھ کر کنارے آج
کہ ہوئے رشک سے ماہی کباب دریا میں

تمہارے منہ کی صفائی و آب داری دیکھ
بہا ہے شرم سے موتی[2] ہو آب دریا میں

میں[3] اس طرح سے ہوں مہماں سرائے دنیا میں
کہ جس طرح ہے کوئی حباب دریا میں

جہاں کے بحر میں ہر موج بوجھ سیلِ فنا
بنا نہ گھر کو تو خانہ خراب دنیا میں

کبھو جو عالمِ مستی میں تم نے کی تھی نگاہ
بجائے آب بہے ہے شراب دریا میں

میں آبِ چشم میں ہوں غرق مجھ کو نیند کہاں
کہیں کسو کو بھی آیا ہے خواب دریا میں

اگر[4] ہے علم تجھے تو عمل کے درپے ہو
وگرنہ شیخ ڈوبا دے کتاب دریا میں

صنم کی زلف کی لہروں کے رشک سے حاتم
نہیں یہ موج یہ ہے پیچ و تاب دریا میں

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر رمل مثمن مقصور[5]۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات[6]

کون سا آیا تھا ایسا چشمِ حیراں دشت میں
ہوگیا جس کی نگہ سے نرگستاں دشت میں

آج گزرا ہے کوئی دیوانہ گریاں دشت میں
جس کے رونے سے ہوا ہے گا یہ طوفاں دشت میں

دل بتنگ آیا ہے میرا شہر میں ناصح کے ہاتھ
اب کے جا پھاڑوں گا میں اپنا گریباں دشت میں

ہر قدم اوپر نکل جانے لگے مجنوں کے پاؤں
اس قدر ہم نے کیا چشموں سے باراں دشت میں

فیض چشموں سے مرے ان کو ہوئی ہے زندگی
ورنہ مرتے تھے پڑے بے آبِ حیواں دشت میں

۱۔ ۱۱۵۵ھ، لندن
۲۔ پانی، علی گڑھ
۳۔ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۴۔ ریا کو چھوڑ کر تو مسلوں اوپر، لندن و کراچی
۵۔ محذوف، لندن
۶۔ فاعلن، لندن

حلقۂ چشمِ غزالاں، حلقۂ زنجیر ہیں ہر قدم پر آج دیوانو ہے زنداں دشت میں
آج اُسے کیا زلفِ لیلیٰ یاد آئی ہے کہ ہے بیدِ مجنوں کی طرح مجنوں پریشاں دشت میں
انتظاری میں قدم بوسی کے میرے دیکھ لو سوکھ کر کانٹا ہوئے خارِ مغیلاں دشت میں
سیکھ لو حاتم سے وحشی سے طرح رہنے[1] کی تم
جس سے اب تعلیم لیتے ہیں غزالاں دشت میں

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر رمل مثمن محذوف مسطور

کیا کروگے لے کے اب دل کو مری جاں دست میں شیشہ ٹوٹا ہو تو کب لیتے ہیں خوباں دست میں
شانۂ مژگاں بنا کر مو بہ مو کنگھی کروں جو کبھو آوے تری زلفِ پریشاں دست میں
کس طرح جاوے گا مجھ سے چھوٹ کر دیکھیں جنوں اب تو آیا ہے مرے اس کا گریباں دست میں
بوئے خوں آتی ہے تیرے[2] ہاتھ سے اب تک میاں یہ حنا ہے یا ملا خونِ شہیداں دست میں
شکر للہ شیشہ و ساغر بکف اس ابر[3] میں مست آتا ہے لیے عشرت کا ساماں دست میں
دست بوسی تک کہاں ہے دسترس مجھ دست کو دسترس پاؤں جو آوے اس کا داماں دست میں
ہو چکا حاتم جو کچھ ہونا تھا اب ہوتا ہے کیا
کیوں دیا تھا دل کو اس ناداں کے ناداں دست میں

زمین[4] طرحی ۱۱۸۳ھ

بحر ہزج مثمن مسبغ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلان

وہ روزِ عید ہے جس شب کہ ہو جاناں نہ پہلو میں میں ہم آغوش ہوں جوں شمع کے پروانہ پہلو میں
کماں ابرو تیرے ترکش کے قرباں ہوں کہ دستوں کے لگایا تیر ایسا دل کے تا پر خانہ پہلو میں
میں مانع ہوں تجھے ملنے کا اپنے آشناؤں سے یہ کیا امکاں جو کوئی بیٹھے تیرے بیگانہ پہلو میں

---

۱ رہنے، علی گڑھ ۲ کراچی میں مصرعۂ اول اس طرح ہے: بولہو کی اب تلک آتی ہے ہاتھوں سے مرے
۳ ابر بیچ، لندن ۴ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

کسو مکارہ مشاطہ نے اس کو سر چڑھایا ہے — کہ یوں گستاخ تیری زلف کے ہے شانہ پہلو میں
خمار آلودہ ہے مجلس تنک ظرفی نہ کر ساقی — دھرا کب تک رکھے گا شیشہ و پیمانہ پہلو میں
بغل میں دل جنوں میں غرق ہے سودائے طفلاں سے — خدا[1] حافظ ہے جو عاقل کے ہو دیوانہ پہلو میں

خدا[2] رزاق ہے گھر بیٹھے حاتم رزق بھیجے ہے
قفس میں دیکھ ہے طائر کے آب و دانہ پہلو میں

زمین طرحی ۱۱۶۴ھ[3]

بحر رمل مثمن مخبوں مقصور[4]۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات[5]

تم نہ جانو کہ یہ دارو ہے بھری شیشے میں — بند سیانے نے یہ کی ہے گی پری شیشے میں
غیر مستوں کے نہ پاوے گا کوئی اس کا بھید — کون سی مے تھی جو آتے ہی ڈری[6] شیشے میں
نشہ ہوتا نہیں ساقی چلی جاتی ہے بہار — کب تلک مے کو رکھے گا تو دھری شیشے میں
دل میں یوں ہے لبِ میگوں ترے ایسے چوسوں — کہ رہے نام کو باقی نہ تری شیشے میں
جرم مت بوجھ یہ مینا میں تو اے سنگیں دل — تیرے ہاتھوں سے ہے داغِ جگری شیشے میں
آب و آتش میں کیا سنگ کو یک دم میں پھیر اور — کیا کرے شیشہ گر اب شیشہ گری شیشے میں

حاتم اُس یار کے دیوانہ ہوں افسوں اُوپر
یہ پری مدہ کی بھری جس نے کری شیشے میں

زمین طرحی ۱۱۶۴ھ

بحر ہزج مثمن مسبغ[7]۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلان[8]

خدایا بار دے مجھ دل کو صاحب دل کی صحبت میں — کہ غافل[9] تر ہوا ہے دل، دلِ غافل کی صحبت میں
نہ مل جاہل سے اب اے دل نکل جہلِ مرکب سے — کہ جیتے جی عذاب النار ہے جاہل کی صحبت میں

۱؎ عجب صحبت ہے جو عاقل کی ہو دیوانہ پہلو میں، لاہور
۲؎ عجب، علی گڑھ
۳؎ ۱۱۶۱ھ، لندن لاہور
۴؎ مقطوع، لندن
۵؎ فعلن، لندن
۶؎ آ کر کے ڈرے، لندن
۷؎ سالم، لندن
۸؎ مفاعیلن، لندن
۹؎ عاقل، لاہور

اگر کچھ ہوش ہے تو چھوڑ مت دنبال دانا کا ۔۔۔ کشودِ عقل ہے بے عقل کو عاقل کی صحبت میں
قدم آ کر پکڑ صاحب کمالوں کے کہ جس تس کو ۔۔۔ جو کچھ حاصل ہوا سو عارفِ کامل کی صحبت میں
جنابِ حضرتِ حق سے نہ ہو کیوں فیض حاتم کو
ہوا ہے تربیت وہ بادلِ عادل کی صحبت میں

زمین طرحی ۱۱۶۰ھ

بحر مجتث مخبوں مقطوع مسبغ[1]۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان[2]

خیالِ چشم ترا آب سا ہے آنکھوں میں ۔۔۔ شراب کا سا ہمارے نشہ ہے آنکھوں میں
نگہ میں تو نے کیا مردماں کا خانہ خراب ۔۔۔ سیاہ چشم تری کیا بلا ہے آنکھوں میں
کوئی مرے کوئی جیوے تو آنکھ اٹھا کے نہ دیکھ ۔۔۔ میاں جو شرم سے تیری حیا ہے آنکھوں میں
نظر میں بند کرے ہے تو ایک عالم[3] کو ۔۔۔ فسوں ہے سحر ہے، جادو ہے، کیا ہے آنکھوں میں
کہیں نہ بیٹھ اگر چاہتا ہے حاتم کو
کہ نورِ چشم ہے تو تیری جا ہے آنکھوں میں

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر[4] مذکور مسطور

تری جو زلف کا آیا خیال آنکھوں میں ۔۔۔ وہیں کھٹکنے لگا بال بال آنکھوں میں
تری جو چشم کے گوشے میں تل ہے ایسا تل ۔۔۔ نظر پڑا ہے کہیں خال خال آنکھوں میں
نشے میں سرخ ہیں ایسی طرح سے تیرے چشم ۔۔۔ گویا کھلا ہے کنول لال لال آنکھوں میں
وہ خوش نگہ تری حاتم نظر پڑا ہے آج
چھپا لے اس کے تئیں حال حال آنکھوں میں

---

۱ لندن میں یہ لفظ نہیں ہے۔ ۲ فعلن، لندن
۳ مجھے بتا کہ تیرے، لندن
۴ زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ فی بحر مجتث مخبوں مقطوع مسطور، لندن۔ ۱۱۶۰، لاہور

شرح[1] ایضاً

نہ دل میں چین ہے میری نہ خواب آنکھوں میں
پھرے ہے جیسے وہ خانہ خراب آنکھوں میں

کسو کے ساتھ تو تھا ہم پیالہ رات کو تو
کہ اب تلک ہے خمارِ شراب آنکھوں میں

دماغ سے کبھو کہتا نہیں وہ ہم سے بات
ہے اس کا سب سے سوال و جواب آنکھوں میں

وہ چار چشم نہ ہوگا کسی سے اے حاتم
ہے بسکہ اس کو حیا سے حجاب آنکھوں میں

زمین[2] طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

دنیا خیال و خواب ہے میری نگاہ میں
آباد سب خراب ہے میری نگاہ میں

بہتی پھرے ہے عمر طلاطم میں دہر کے
انسان جوں حباب ہے میری نگاہ میں

میں بحرِ غم کو دیکھ لیا نا خدا برو
کشتی نہ ہو پہ آب ہے میری نگاہ میں

چھوٹا ہوں جب سے شیخ تعین کی قید سے
ہر ذرّہ آفتاب ہے میری نگاہ میں

تم کیف میں شراب کے کہتے ہو جس کو دل
بھونا ہوا کباب ہے میری نگاہ میں

کیوں کھینچتے ہو تیغ کمر سے چہ فائدہ
مدت سے اس کی آب ہے میری نگاہ میں

حاتم تو اس جہان کی لذات پر نہ بھول
یہ پائے در رکاب ہے میری نگاہ میں

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع مسبغ[3]۔ فاعلاتن مفاعِلُن فعلان[4]

سب سے کرتا ہے سین نظروں میں
ہم کیا اس کو عین نظروں میں

---

[1] لندن میں حاشیہ پر صرف یہ شعر دیے ہیں۔ سرخی یہ ہے: "۱۱۶۰ھ فی بحر مجتبث مسطور"

[2] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ [3] لندن میں یہ لفظ نہیں ہے۔

[4] فعلن، لندن

جس طرف دیکھتا ہوں آفت ہے　　نہیں آتا ہے چین نظروں میں
میں[۱] تجھے دیکھا تو مجھے دیکھا　　مل گئے جان بین نظروں میں
تجھ سے حاتم کہے ہے دیکھ ادھر
چھوڑ دے ہم سے کین نظروں میں

زمین طرحی ۱۱۶۲ھ

بحر رمل مسدس مقصور[۲]۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات[۳]

ایک دن گزرا میں گورستان میں　　دیکھ کر مردوں کو آیا دھیان میں
یہ وہی سب ہیں کہ جن کے واسطے　　حق نے سب پیدا کیا یک آن میں
یہ وہی ہیں صاحبانِ قصر و ملک　　بے وطن اس جنگل ویران میں
کس طرح سے جامہ زیبانِ جہاں　　یوں پڑے ہیں خاک کے دامان میں
کیا کیا اس میں مٹ گئی ہیں صورتیں　　کیا کیا اس میں ہیں بھرے ارمان میں
کون اس میں نیک ہے اور کون بد　　کون خوش ہے کون ہے زندان میں
کچھ نہیں معلوم اس پردے کے بیچ　　کیا کریں ہیں، ہیں گے کس سامان میں
ہے قیامت ہوگا جس دن شورِ حشر　　ہوئے گا کیا ان پر اس طوفان میں
تھا اسی غم میں کہ ناگہ پیرِ غیب　　کہہ گیا آہستہ میرے کان میں
تلخ مت کر زندگی اس فکر بیچ　　مت خلل لا اپنے تو اوسان میں
رحمتِ حق سے نہیں کوئی نا امید　　دیکھ لے لا تقنطوا قرآن میں
سب طرح بخشے گا وہ غفار ہے　　گر ترے نقصاں نہیں ایمان میں
سنتے ہی دل کو تسلی ہوگئی　　پھر کے آئی جان میری جان میں
کچھ بھروسا زیست کا حاتم نہ کر
ہے اگر تو خلقتِ انسان میں

---

۱ میں تجھے تو نے مجھ طرف دیکھا، لندن
۲ محذوف، لندن
۳ فاعلن، لندن

زمین[1] طرحی ۱۱۵۴ھ

بحر رمل مسطور

بزم کو بے خود کریں ہیں یک نگہ کے جام میں
دل ربا کی مست آنکھیں اک ہیں اپنے کام میں

کھول کر زلفوں کو اپنے منہ اوپر صیادِ خلق
کس طرح لایا ہے مجھ وحشی کو اپنے دام میں

آہ اور زاری نہیں کرتے ہیں جو ہیں پختہ مغز
شور سے پانی ٹپکتا ہے کبابِ خام میں

بوالہوس[2] چپ رہ نہ کرنا فاش ہرگز رازِ عشق
دل ربا کی خاص باتیں نئیں ہے کہنا عام میں

دیکھ کر حاتم ہوا تھا زلفِ تابعِ کفر کا
کر نظر محراب ابر[3] و پر ہوا اسلام میں

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر مسطور

بود کو اپنی نپٹ نابود کر بوجھوں ہوں میں
عبد ہو ہر ایک کو معبود کر بوجھوں ہوں میں

گو نہ ہو لقمہ مری قسمت میں اس مطبخ سے آج
آسماں کو خانۂ پردود کر بوجھوں ہوں میں

فقر کے کشور کی حق نے دی ہے مجھ کو سلطنت
صاحبِ دولت کو کب موجود کر بوجھوں ہوں میں

زمین طرحی بیان واقع ۱۱۴۰[4]ھ

بحر رمل مثمن مقصور[5]۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات[6]

آج کیا تھا تم کہ سب مل کر کے آئیں باغ میں
آتے[7] ہی کس چہل سے دھومیں مچائیں باغ میں

وے پری رویاں جنھیں ڈھونڈے تھے ہم جنگل کے بیچ
بعد مدّت کے یکایک آج پائیں باغ میں

ہر قدم پر ان کی چلنے سے ہوا ہے فرشِ گل
نقشِ پا اپنے سے قالینیں بچھائیں باغ میں

---

[1] زمین طرحی ۱۱۴۵ھ فی بحر رمل مثمن محذوف مسطور، لندن
[2] لندن میں اس غزل کے حاشیہ پر یہ شعر اور دیا ہے۔
[3] پھر، لندن
[4] ۱۱۴۹ھ، لندن
[5] محذوف، لندن
[6] فاعلن، لندن
[7] آن کر سب بلبلیں روتی ہنسائیں باغ میں، لندن و کراچی

دیکھ کر ہر عضو اُن کا دل ہو پانی بہہ چلا[1] کھول چھاتی[2] بے تکلف جب نہائیں باغ میں

باغباں کا دشمنِ جاں کیوں نہ ہو حاتم کا دل

یہ بلائیں اُس اوپر جن نے بلائیں باغ میں

زمین[3] طرحی ۱۱۵۰ھ

بحر مضارع مثمن اخرب۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

آ کر بسا ہے جب سے وہ بادہ نوش دل میں مانند مستیٔ مے آتا ہے جوش دل میں

ناصح کی دیکھ صورت یوں پھیرتا ہے آنکھیں ڈرتا ہے محتسب سے جوں مے فروش دل میں

زمین[4] طرحی ۱۱۶۸ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

میکدے میں صاحبِ جام و شراب و شیشہ ہوں محتسب دونوں جہاں کے غم سے بے اندیشہ ہوں

ہم نے توڑا کوہِ غم اس نے بنایا بے ستوں کوہ کن سے عاشقی کے کام میں ہم پیشہ ہوں

کثرتِ آہوں سے میرا دل نیستاں بن گیا عشق کی دولت سے عشاقوں میں شیرِ بیشہ ہوں

مشفقو گر غیر سے ایذا ہو تو کیجیے علاج دل کی چوٹوں سے میں ذرّہ ذرّہ ریشہ ریشہ ہوں

مدح و ذم سے نیک و بد کے کام کیا حاتم مجھے

بندۂ دل ہوں نہ شاعر ہوں نہ شاعر پیشہ ہوں

زمین خواجہ میر درد ۱۱۶۸ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

نے شکوہ مند دل سے نہ از دست دیدہ ہوں اس بختِ نارسا سے اذیت کشیدہ[5] ہوں

کو خندہ کو تبسم و کو فرصتِ سخن اس انجمن میں ہیں لبِ حسرت گزیدہ ہوں

---

[1] دل میرا پانی ہوا، لندن۔ مرا دل ہوا، پانی نکل، کراچی۔

[2] سینے، لندن

[3] ۱۱۴۱ھ، علی گڑھ و لاہور

[4] لندن میں یہ سرخی اس طرح ہے۔

[5] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

نے کام کا کسی کے نہ مجھ کو کسی سے کام
حیران ہوں کس لیے میں یہاں آفریدہ ہوں

ہستی کو نہ ثبات نہ جینے کا اعتماد
کس کی اُمید پر کوئی دم آرمیدہ ہوں

میرا تو کام ایک پلک میں تمام ہے
مانندِ اشک برسرِ مژگاں رسیدہ ہوں

گل چیں عبث نگاہ رکھے ہے مری طرف
میں اس چمن میں جوں گلِ رنگ پریدہ ہوں

سونپوں[1] میں کیوں نہ اپنا گریباں اجل کے ہات
اے عمر زندگی سے میں دامن کشیدہ ہوں

اس[2] واسطے تو قدر مری جانتا نہیں
ہاں ان ترے غلاموں میں بے زرخریدہ ہوں

میرا[3] بھی دل شگفتہ کبھو ہو نسیمِ وصل
بہتوں کا اس چمن میں میں اب خاردیدہ ہوں

پاسِ ادب سے اس کے قدم تک نہیں مجال
ورنہ نہ پا شکستہ نہ دستِ بریدہ ہوں

دشمن سے بھی تواضع میں رکھتا نہیں دریغ
تعظیم کو عدو کی میں تیغِ خمیدہ ہوں

رونے تلک تو کس کو ہے فرصت یہاں سحاب
طوفان ہوا بھی جو ٹک اک آب دیدہ ہوں

یاراں دماغ کو جو کروں تم سے اختلاط
اس دشت میں، میں وحشی از خود رمیدہ ہوں

کیا پوچھتے ہو درد کو حاتم کے دوستاں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع مسبغ۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

نہ کچھ ستم سے ترے آہ آہ کرتا ہوں
میں اپنے دل کی مدد گاہ گاہ کرتا ہوں

نہ آفریں نہ دلاسا نہ دل دہی نہ نگاہ
غرض میں ہی ہوں جو تجھ سے نباہ کرتا ہوں

اسے کہیں ہیں سنا ہوگا شیخ خوف و رجا
ادھر تو توبہ ادھر میں گناہ کرتا ہوں

تو اپنے دل کی سیاہی کرے ہے دھو کے سفید
میں اپنے نامۂ عمل کا سیاہ کرتا ہوں

تو روز سنگ سے مسجد کے سر پٹکتا ہے
میں اُس کا نقشِ قدم سجدہ گاہ کرتا ہوں

---

[1] رنگ رخ گل، لاہور

[2] لاہور میں یہ شعر اور دیا ہے۔

[3] لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔

تجھے ہے اپنی عبادت اوپر نظر کیوں — میں اس کے فضل کے اُوپر نگاہ کرتا ہوں

مثالِ رشتۂ تسبیح روز و شب حاتم
چھپے چھپے میں کسی دل میں راہ کرتا ہوں

زمین[1] طرحی ۱۱۵۴ھ

بحرِ ہزج مثمن مسبغ ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلان

ازل سے بادشاہِ کشورِ کوہ و بیاباں ہوں — پری رویاں کے میں تسخیر کرنے میں سلیماں ہوں

چمن میں عشق کے اس چشم اور رخسار کی دولت — کبھو نرگس سا حیراں ہوں کبھو جوں گل پریشاں ہوں

جنوں جب سے ہوا ہے آشنا اے ناصحِ مشفق — خرد کے ساتھ تب سے رات دن دست و گریباں ہوں

بہار آئی تو آنے دو مجھے کیا کام گلشن سے — کہ سر سے پاؤں تک داغوں سے میں رشکِ گلستاں ہوں

پھٹا ہو آسماں تو کب تلک سیوے کوئی یارو — گریباں چاک میں دستِ جنوں سے تا بہ داماں ہوں

کچھ اب سامان اپنے عاقبت خانے کا کر حاتم
نہ بھول اس پر کہ نور الدولہ کا میں خان ساماں ہوں

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحرِ خفیف مخبون مقطوع مسبغ ۔ فاعِلاتُن مفاعِلُن فِعْلان

اس کی قدرت کی دید کرتا ہوں — روز نو روز عید کرتا ہوں

میرا احوالِ فقر مت پوچھو — زہد مثلِ فرید کرتا ہوں

روز[2] بازارِ ملک ہستی میں — جنسِ عصیاں خرید کرتا ہوں

فتح کرنے کو قلبِ دل کا حصار — تیغِ ہمت کلید کرتا ہوں

بسکہ میں تشنۂ شہادت ہوں — دل کو ہر دم[3] شہید کرتا ہوں

---

۱ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

۲ کب سے، لندن

۳ اپنی، لندن

نہ میں سنّی نہ شیعہ نے کافر　　صوفی ہوں سب کا وید کرتا ہوں
شیخ تو گو کہ پیرزادہ ہے　　رہ تجھے[1] میں مُرید کرتا ہوں
اپنے احسانِ خلق سے حاؔتم
آدمی کو عبید کرتا ہوں

زمین طرحی ۱۱۴۸ھ

بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض مقصور۔ مفعول مفاعلن مفاعیل

میں ذات کا اس کی آشنا ہوں　　اور اس کی صفات پر فدا ہوں
افسوس کہ آپ کو میں اب تک　　معلوم نہیں کیا کہ کیا ہوں
ہے عین زوال میں ترقی　　مجھ کو کہ گلِ دوپہریا ہوں
حیرت ہے مجھے یہی کہ اس بن　　کس طرح سے اب تلک جیا ہوں
کرتا نہیں میں خوشامدِ خلق
حاؔتم ہوں ازل سے بے ریا ہوں

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر رمل مسدس مقطوع مسبغ۔ فاعلاتن فاعلاتن[2] فعلان

دیکھنے سے ترے جی پاتا ہوں　　آنکھ کے پھیرتے مر جاتا ہوں
تیرے ہونٹوں کے تیئں پان سے لال　　دیکھ کر خونِ جگر کھاتا ہوں
آروز میں تری یک مدت سے　　اپنے دل کے تیئں ترساتا ہوں
چاؤ جو دل میں بھرے ہیں پیارے[3]　　تجھ سے کہتا ہوا شرماتا[4] ہوں

---

۱ کئی تجھ سے، لندن

۲ فعلاتن، لندن

۳ مرے۔ علی گڑھ

۴ اسکچاتا۔ علی گڑھ

بھولے بسرے جو کبھی وحشی سا ؛ تیرے کوچے کی طرف آتا ہوں
دیکھ دروازے کی صورت تیرے ؛ نقشِ دیوار سا ہو جاتا ہوں
تو جو نکلے ہے بدلتا آنکھیں ؛ اس گھڑی اپنا کیا پاتا ہوں
دلِ غمگین کے تئیں مردا سا ؛ گود میں اپنے اٹھا لاتا ہوں
آنسو پوچھوں ہوں دلاسا دے دے ؛ منتیں کر کے میں سمجھاتا ہوں
وہ نہیں مانتا جوں جوں حاتم
توں توں جینے سے میں گھبراتا ہوں

زمین کوکہ خان فغاں ۱۱۶۱ھ[1]

فی بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

تیرے[2] ستم کی غیر سے فریاد کیا کروں ؛ گزری[3] سو گزری پھر پھر اسے یاد کیا کروں
حاضر ہوں سر سے زیرِ قدم تیغ کے میاں ؛ ہوتے تمہارے منتِ جلاد کیا کروں
میری بساط شیشۂ دل تھا سو دے چکا[4] ؛ تیری[5] نذر میں پیش اے پری زاد کیا کروں
تو سردِ نونہال وہ ایک چوبِ خشک ہے ؛ قد کے ترے مقابلہ شمشاد کیا کروں
پیری میں حاتم اس دلِ ناشاد[6] کے تئیں
دو دم کی زندگی کے اوپر شاد کیا کروں

زمین طرحی ۱۱۵۴ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

جی میں آتا ہے کہ شہرِ عقل کو ویراں کروں ؛ ہو کے مجنوں خانۂ زنجیر آباداں کروں
گھر گیا ہوں گھیرِ دامن میں ترے اے تنگ پوش ؛ چاہتا ہوں چاک کر سینے کو ترکِ جاں کروں

---

۱ ۱۱۵۹ھ، لندن۔ ۱۱۶۲ھ، لاہور ۲ اس کی جفا کی۔ کراچی
۳ جو۔ کراچی ۴ ہو چکا۔ علی گڑھ
۵ نذر۔ علی گڑھ۔ پیش کش، لاہور ۶ یاد۔ علی گڑھ

صفحۂ دیوان میں لکھتے وصف تیرے حسن کا	گہہ بہارستاں کروں یا گہہ نگارستاں کروں
کیا ہوا گر عشق نے یارو کیا خانہ خراب	مجھ کو لازم ہے کہ پاسِ خاطرِ مہماں کروں
ہو کے حاتمؔ کس سے جا محتاج ہوں چاہوں تو اب
فیض چشموں سے پلک میں دُر سے پُر داماں کروں

زمین ولی[1] ۱۱۴۱ھ

جو چمن میں جا کے میں قامت کا تجھ چرچا کروں	کیا عجب گر قیامت سر و پر برپا کروں
اس لبِ نازک کوں لازم ہے کہ وقتِ مے کشی	غنچۂ دل کوں چمن کے ساغر و مینا کروں
وصف لکھنے میں تمھاری چشم کا اے فتنہ جو	مجھ کوں واجب ہے قلم کو نرگسِ شہلا کروں
تجھ لبِ شیریں کی حسرت میں مثالِ کوہ کن	کب تلک اے گبر میں انصاف سیں ترسا کروں
یاد کر کر تیغِ ابرو کوں تری اے خوش نین	نیم لبسمل طرح کہہ کب تلک پھڑکا کروں
موسمِ برسات گر بھاوے تمھیں اے نو بہار	ابر کے مانند انکھیاں سے سدا برسا کروں
شوخ بے پروا کی واقف ہوں سیہ چشمی سوں میں	یک نظر دیکھے نہیں تن سوں اگر سُرما کروں
غم سیں رو رو کے مثالِ رعد نالاں ہو رقیب	کوچۂ اس برق سیما میں دمے گرجا کروں
جس جبیں کوں دیکھ حاتمؔ مشتری ہووے نثار	ماہ کوں کس طور اس بے مہر کے ہمتا کروں

زمین طرحی ۱۱۵۳ھ

بحر خفیف مخبوں مقصور۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات

پہلے قربان سر کہے تو کروں	تب تجھ اُوپر نظر کہے تو کروں
ترے پا بوس کا مرے دل میں	آرزو ہے اگر کہے تو کروں
دل تو تیرِ نگہ نے چھان دیا	اب نشانہ جگر کہے تو کروں
تجھ دہن کی صفت میں میری زباں	لال ہے مختصر کہے تو کروں
تیرے آنے کی آج حاتمؔ کو
اے مری جاں خبر کہے تو کروں

---

[1] یہ غزل صرف نسخۂ دہلی میں ہے۔

زمین[۱] طرحی ۱۱۹۱ھ

بحر خفیف مسطور

هم کسی سے نہ کام رکھتے ہیں — نہ پیام و سلام رکھتے ہیں
میکدہ میں ہمیشہ سے دن رات — شغلِ شرب مدام رکھتے ہیں
ننگ و ناموس سے گئے ہیں گزر — گو ہمیں لوگ نام رکھتے ہیں
ضعف سے چل کے بیٹھ جاتے ہیں — روز کوچ اور مقام رکھتے ہیں
سرو کا ذکر مت کر اے قمری — ہم بھی اک خوش خرام رکھتے ہیں
زلف و رخ کے ترے تصور میں — ہم عجب صبح و شام رکھتے ہیں
تم سے مدت گزر گئی ہے کہ ہم — آرزوئے کلام رکھتے ہیں
یعنی تم ہم کو لو غلامی میں — یہی مطلب تمام رکھتے ہیں
ناز سے مسکرا کے فرمایا — تجھ سے ہم سو غلام رکھتے ہیں
شیخ دو چار پیر کا ہے مرید — ہم بھی بارہ امام رکھتے ہیں

جائے اسباب دنیوی حاتم
ہم خدا ہی کا نام رکھتے ہیں

زمین[۲] عبدالحیٔ تاباں ۱۱۵۶ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مسبغ لف ونشر مرتب۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلیان

جب سے تمہاری آنکھیں عالم کو بھائیاں ہیں — تب سے جہاں میں تم نے دھومیں مچائیاں ہیں
جور و جفا و محنت مہر و وفا و اُلفت — تم کیوں بڑھائیاں ہیں اور کیوں گھٹائیاں ہیں
مل مل کے روٹھ جانا اور روٹھ روٹھ ملنا — یہ کیا خرابیاں ہیں کیا جگ ہنسائیاں ہیں
ٹک ٹک سرک سرک کر آ بیٹھنا بغل میں — کیا اچپلائیاں ہیں اور کیا ڈھٹائیاں ہیں
زلفوں کا بل بناتے آنکھیں چرا کے چلنا — کیا کج ادائیاں ہیں کیا کم نگاہیاں ہیں

۱۔ صرف لاہور میں یہ غزل ہے۔
۲۔ لندن میں سرخی کی عبارت یہ ہے: "زمین انعام اللہ خاں یقین لف ونشر مرتب در ۱۱۵۶ فی بحر مضارع مثمن اخرب مسبغ۔ مفعول فاعلاتن مفع

آئینہ روبرو رکھ اور اپنی سج بنانا — کیا خود پسندیاں ہیں کیا خود نمائیاں ہیں
آنچل اوٹھا کے تم نے جو ڈھانک لیں یہ چھتیاں — کس کو دکھائیاں ہیں کس سے چھپائیاں ہیں
تم[1] میں جو شوخیاں اور چنچلائیاں ہیں — کن نے سکھائیاں ہیں کن نے بتائیاں ہیں
حاتم کے بن اشارہ سچ کہہ یہ چشم و ابرو
کس سے لڑائیاں ہیں کس پر چڑھائیاں ہیں

زمین[2] طرحی ۱۱۶۲ ہجری

فی بحر ہزج مثمن مسبغ ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلان

رفیق اس دور میں ہم یک دلِ ناشاد رکھتے ہیں — سو اس کے ہاتھ سے بھی رات دن فریاد رکھتے ہیں
چڑھایا آسماں پر ہم کو آخر خاکساری نے — بگولے کی طرح گو خانماں برباد رکھتے ہیں
ہم اپنے سر کو مدت سے لیے پھرتے ہیں ہاتھوں پر — نہ گردن زیرِ بارِ منتِ جلّاد رکھتے ہیں
بجز یک مشت پر کچھ ہاتھ آنے کا نہیں ان کے — عبث مجھ صیدِ لاغر پر نظر صیاد رکھتے ہیں
مثالِ آئینہ جو نیک و بد دل پر گزرتا ہے — بھلا دیتے ہیں خاطر سے نہیں کچھ یاد رکھتے ہیں
پھرانا ہاتھ میں تسبیح ان شیخوں کی شیخی ہے — ہو جس میں بوجھ سو من کا سو کب آزاد رکھتے ہیں
زیارت[3] اہلِ دل کی طوف بیت اللہ ہے حاتم
ہم اپنے پیر و مرشد سے یہی ارشاد رکھتے ہیں

زمین طرحی غزل در غزل ۱۱۸۰ھ

فی بحر رمل مثمن مخبوں مقصور ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات

ہم بھی اس پیری میں ایک راحتِ جاں رکھتے ہیں — شغل میں اس کے دل اپنے کو جواں رکھتے ہیں
بہت دشنام دیے اب تو بھلا چپ رہیے — کب تلک سنتے رہیں ہم بھی زباں رکھتے ہیں
مر گئے خاک ہوئے خاک بھی برباد گئی — تو بھی جینے میں مرے شوخ گماں رکھتے ہیں

---

۱ یہ شعر لندن میں ہے — ۲ ۱۱۶۳، لندن

۳ سدا دل کی زیارت ۔ لندن

تیری خاطر تو ہمیں جان سے زیادہ ہے عزیز
ہم تو کوچہ میں ترے پاسِ سگاں[1] رکھتے ہیں

دل ہمارا ہے کہ تجھ تیغ سے ہے سینہ سپر
بوالہوس یہ جگر و گردہ کہاں رکھتے ہیں

محتسب گو تو برا مان خدا بخشے گا
دخترِ رز کے اُوپر تاک تو ہاں رکھتے ہیں

ہم ملاقات کے محتاج نہیں تادمِ مرگ
زخمِ دل داغِ جگر تیرا نشاں رکھتے ہیں

کعبۂ دل کی خرابی کو مرے مدت سے
خدا آباد رکھے عزمِ بتاں رکھتے ہیں

مختلف قافیہ سے اور غزل میں حاتم
اپنے احوال کا ہم شرح و بیاں رکھتے ہیں

گر[2] بتاں شیوۂ خود جور و جفا رکھتے ہیں
ہم بھی بالعکس سرِ مہر و وفا رکھتے ہیں

فاش کیجیے تو بڑا باعثِ رسوائی ہے
اس سبب عشق کو ہم دل میں چھپا رکھتے ہیں

ان کی نظروں میں ہے تجھ چشم کی سب کیفیت
جو کہ خوش چشموں کے ملنے کا نشا رکھتے ہیں

بزم میں ان کی نہیں شرم سے آئینہ کو رو
بے غبار اپنے جو کوئی دل میں صفا رکھتے ہیں

جس طرح دل میں میاں تو ہے تری دولت سے
دل میں ہر ایک کے ہم اپنی بھی جا رکھتے ہیں

دل و دین لے کے ملاتے نہیں آنکھیں ظالم
نہیں معلوم کہ اب داعیہ کیا رکھتے ہیں

ہم ہوئے ان کے پر حاتم وہ ہمارے نہ ہوئے
گو ہمارے وہ نہ ہوں ہم بھی خدا رکھتے ہیں

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر ہزج مثمن مسبغ مسطور

پلک میں چھین لیں دل عشوہ سازی اس کو کہتے ہیں
نظر میں باندھ لیں جادو طرازی اس کو کہتے ہیں

بجز صبحِ قیامت رات تجھ زلفوں کے عاشق پر
نہیں کوتاہ ہونے کی درازی اس کو کہتے ہیں

ازل سے دل ہے سجدہ میں ترے ابرو کے مسجد میں
اٹھاتا سر نہیں اب تک نمازی اس کو کہتے ہیں

یہاں تک شوق نے میرے اثر پایا کہ آخر کو
ہوا معشوق عاشق عشق بازی اس کو کہتے ہیں

اُٹھا کر خاک سے حاتم چڑھایا آسماں اوپر
مرے اللہ نے بندہ نوازی اس کو کہتے ہیں

---

[1] مکاں۔ علی گڑھ [2] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

زمین[1] طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر ہزج مسطور

گیا ہے جب سے تو مجلس سے سارے یار روتے ہیں
تری[2] صحبت کی اُلفت سے در و دیوار روتے ہیں
خماری[3] انکھڑیاں کو یاد کر مستی کے عالم میں
گلابی توڑ ساغر پھوڑ کر مے خوار روتے ہیں
نہیں دل دیکھنے سے سیر آنکھ اوجھل نہ ہو پیارے
کہ بن دیکھے ترے یہ دیدۂ خوں بار روتے ہیں
مسیحا گر تجھے عالم کہے تو کیا تعجب ہے
چلا تو اور شہر اور شہر کے بیمار روتے ہیں
وہ کیا کچھ ہوگا حاتمؔ جس کے عالمِ انتظاری میں
گھر اپنے چھوڑ بیٹھے کوچہ و بازار روتے ہیں

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر رمل خفیف مخبوں مقطوع مسبغ ـ فاعلاتن مفاعلن فعلان

ہم وہ جب ہم شراب ہوتے ہیں
کئی مرغے کباب ہوتے ہیں
قہر کرتے ہیں مجلسوں میں بتاں
جس گھڑی بے حجاب ہوتے ہیں
کون[4] جانے ہے غیرِ زلفِ صنم
دل میں جو پیچ و تاب ہوتے ہیں
گھر بہ گھر ہے وہ مستِ عشوہ و ناز
در بدر ہم خراب ہوتے ہیں
کون جانے ہے اس کی لذت کو
جس مزے کے عتاب ہوتے ہیں
جو گزرتے ہیں میرے دل میں خیال
آنکھ کھلتے ہی خواب ہوتے ہیں
اس[5] کے دنداں کو دیکھ کر حاتمؔ
موتی حسرت سے آب ہوتے ہیں

---

۱ زمین طرحی، ۱۱۶۱ھ فی بحر ہزج مثمن مسبغ مسطور، لندن

۲ تری صحبت کو کر کر یاد ڈاڑھیں مار روتے ہیں، لندن ـ دے سر مار روتے ہیں، کراچی

۳ خماری انکھڑیوں کو دیکھ مے خانے میں مستی ہے ـ لندن

۴ دل ہی، علی گڑھ

۵ جب تو ہنستا ہے دیکھ کر دنداں، لندن

زمین[1] طرحی فرمائش مہدی قلی خان ۱۱۷۴ھ

بحر خفیف مخبوں مسطور

اس سے جب ہم دوچار ہوتے ہیں — یک نگہ میں شکار ہوتے ہیں
حسرتِ پنجۂ حنائی سے — جیب کے تار تار ہوتے ہیں
عید ہوتی ہے گھر میرے اُس روز — تجھ سے جب ہم کنار ہوتے ہیں
آشتابی[2] کہ تیرے وعدہ پر — دیر سے بے قرار ہوتے ہیں
تیری فرقت کے داغ سینہ پر — باعثِ یادگار ہوتے ہیں
گل رُخاں بے سبب گلی کے مرے — بات کہتے میں ہار ہوتے ہیں
بحرِ غم سے نکال اے ساقی — ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

حاتم ان سے نہ مل کہ یہ محبوب
آفتِ[3] روزگار ہوتے ہیں

زمین[4] طرحی ۱۱۷۱ھ

بحر خیف مسطور

لطف اُس کا ستم سمجھتے ہیں — ایسی باتوں کو ہم سمجھتے ہیں
جس کو ہستی کہے ہے اہلِ جہاں — ہم تو اِس کو عدم سمجھتے ہیں
سب کے دل کی ہمیں خبر دے ہے — دل کو ہم جامِ جم سمجھتے ہیں
درد دل کیا کہوں کسی سے کہ یار — درد کی بات کم سمجھتے ہیں

اس کے مضمونِ خط کا ہم حاتم
بن پڑھے یک قلم سمجھتے ہیں

۱؎ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ لاہور میں سرخی ہے: ''زمین در ۱۱۷۸ھ بحر خفیف مسطور''

۲؎ آشتابی کر تیرے وعدہ پر، لاہور   ۳؎ دشمن دوست دار ہوتے ہیں، لاہور

۴؎ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

زمین[1] طرح ۱۱۵۱ھ

بحر ہزج مثمن مسبغ

اکڑ کر جس گھڑی یہ نوجواں تل تل کے چلتے ہیں قدم کی خاک اون کے عاشق اپنے منہ سے ملتے ہیں
عجب صحبت ہے ان سے کس طرح صحبت برار آوے کبھو نظروں میں چھلتے ہیں کبھو آنکھیں بدلتے ہیں
عرق اس کو نہ کہیے جو تری زلفوں سے ٹپکے ہے یہ کالے ناگ ہیں اور منہ سے اپنے زہر اوگلتے ہیں

زمین طرحی ۱۱۹۰ھ

بحر رمل مسدس مقطوع

ہم فقیروں میں مرے بیٹھے ہیں ترک دنیا کو کرے بیٹھے ہیں
دے کے دل ہاتھ ترے اپنے ہاتھ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں
خانماں اپنا لٹا کر عاشق ترے در پر نہ گھرے بیٹھے ہیں
کوئی اس وقت نہ بولو ان سے آپ غصے میں بھرے بیٹھے ہیں
دل تو تم پاس ہے گو مجلس سے دور بیٹھے ہیں پھرے بیٹھے ہیں
سو ہنر مند ہیں صحبت میں ترے ہم بھی اک بے ہنرے بیٹھے ہیں
کئی صاحب ترے دروازے پر جیسے مل کر نفرے بیٹھے ہیں
اس غضب ناک کی خو سے حاتمؔ
چھپ کے کونے میں ڈرے بیٹھے ہیں

زمین طرحی ۱۱۹۶ھ

بحر خفیف

مرگ سے ہم دوچار بیٹھے ہیں گور کے ہم کنار بیٹھے ہیں
روز و شب یک نفس نہیں فرصت دم کے ہم پاس دار بیٹھے ہیں
دور کر دل سے کار و بارِ جہاں بوجھ سر سے اُتار بیٹھے ہیں
بحر میں ہستی و عدم کے یہاں دونوں مانجھ دھار بیٹھے ہیں

---

[1] لندن میں یہ سرخی دی ہے: ''زمین طرحی ۱۱۵۹ھ، بحر ہزج مثمن مسبغ مسطور''

مرد ہیں جو دنیا کے — سر اس کے لات مار بیٹھے ہیں
طمع کے ہاتھ کو بغل میں دیے — گھر میں پاؤں پسار بیٹھے ہیں
شیخ مسکلوں سے ہم نہیں واقف — مدرسوں میں ہزار بیٹھے ہیں
جبر اور اختیار کے تو جان — ہم تو بے اختیار بیٹھے ہیں
اس جہاں کے قمار خانہ میں — جب سے ہم آ کے یار بیٹھے ہیں
عمر ہشتاد و پنج سالہ کو حیف — کیا دمِ نقد ہار بیٹھے ہیں

زندگی ہو چکی میاں حاتمؔ
وقت کے انتظار بیٹھے ہیں

زمین[1] استقامت خان اسلم ۱۱۶۴ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

تشبیہ دوں جو اس کے لبوں سے زباں کہاں — غنچہ کہاں وہ نامِ خدا وہ دہاں کہاں
دامن تلک بھی اوس کے نہ پہنچا مرا غبار — مشہور ہے زمین کہاں آسماں کہاں
کعبے میں جس کو ڈھونڈنے جاتا ہے شیخ تو — سو تو تری بغل میں ہے اندھے وہاں کہاں
زاہد کو ہم نے دیکھ خرابات میں کہا — مسجد کو اپنی چھوڑ کہو تم یہاں کہاں
کہنے لگا کہ اس کی حقارت تو کیا کروں — پر یہ مزہ و صحبتِ پیرِ مغاں کہاں

دل[2] ایک اور بتاں ہیں ہزاروں جہان میں
حاتمؔ میں ایک دل کو لگاؤں کہاں کہاں

---

۱ زمین طرحی در ۱۱۶۸ھ، لندن

۲ لندن میں یہ شعر اس طرح دیا ہے:

یک دل ہے اور بتاں ہیں ہزاروں جہان میں = حاتمؔ ایک دل کا لگا دے کہاں کہاں

زمین طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

جوش مستی پھر کہاں یارو[1] جوانی پھر کہاں　　میکدے میں جا کے وہ دھومیں مچانی پھر کہاں
کر لے رنگ رلیاں تو اے بلبل کہ جاتی ہے بہار　　چارون کو یہ گل اور گلشن دیوانی پھر کہاں
خاکساری کر کے آخر خاک ہونا ہے تجھے　　یہ اکڑ چلنا ترا یہ سج بنانی پھر کہاں
عدل سے کر سلطنت اے دل تو تن کے ملک میں　　وقتِ فرصت بوجھ لے یہ حکمرانی پھر کہا

کیا[2] ہوا حاتم تجھے جینے سے اوکتایا ہے کیوں
دم غنیمت جان مشفق زندگانی پھر کہاں

زمین[3] طرحی ۱۱۶۸ھ

بحر خفیف مخبوں مقصور۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات

حق سے عاشق کا شیخ راز کہاں　　تیرا روزہ کہاں نماز کہاں
رات بیمار کی بھی ہے تو بڑی　　زلف کی سی شبِ دراز کہاں
سرو اور اوس کے قد سے کیا نسبت　　وہ کہاں اور میرا[4] سروِ ناز کہاں
دشمن[5] عاشق سے کُڑکُڑاوے ہے　　کُڑک مرغی کہاں وہ باز کہاں

حاتم اس[6] شوخ سے ہمیشہ نہ مل
روز ملنے میں امتیاز کہاں

---

۱ مستو، لندن و لاہور

۲ لندن میں یہ شعر اس طرح لکھا ہے:

کیا ہوا تجھ کو تو اب جینے سے اُکتایا ہے کیوں = دم غنیمت جان حاتم زندگانی پھر کہاں

۳ ۱۱۷۰ھ، لندن　　۴ میرا، علی گڑھ

۵ دیکھ عاشق کو کڑکڑا ہے رقیب، لندن　　۶ ہر ایک۔ علی گڑھ

زمین طرحی ۱۱۴۴ھ

بحر ہزج مثمن مسبغ ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلان

دکھاوے مت غضب کی تیوری سے بار بار انکھیاں — کہ میرے دل اوپر کرتی ہیں جوں تروار وار انکھیاں
محبت کی زمیں پر اشک کے دانوں کو بوتی ہیں — تمہارے شوق میں رو رو کے اے گل زار زار انکھیاں
چمن کے بیچ وہ گل باز آیا سیر کو جس دم — نظر کر چشمِ پُر حیراں ہے نرگس ہار ہار انکھیاں
قراول بن کے یہ وحشی کیے تھے رام مدت میں — پھر ہم سے پھیر آنکھیں ہوگئیں اغیار یار انکھیاں
دیکھا حاتمؔ کہ اب کوئی دم کو ناحق جان دیتا ہے
کریں بے درد نے آخر کو ہو لاچار چار انکھیاں

زمین طرحی ۱۱۴۹ھ

بحر[1] ہزج مسطور

بجا ہے گر کروں صدقے تری آنکھوں اوپر آنکھیں — کہ مجھ کو اب تلک ایسی نہیں آئیں نظر آنکھیں
ہمیشہ بحر و بر کی سیر کرتا ہوں میں گھر بیٹھے — فغاں سے خشک ہیں لب اور رونے سے ہیں تر آنکھیں
رہے نہیں ہوش ان میں بات کہنے کا ترے آگے — دکھاوے جا کے میخانہ میں مستوں کو اگر آنکھیں
دغا بازی نہیں دل میں، اگر اس کے تو اے یارو — چراتا کیوں ہے ہم سے مخلصوں[2] سے دیکھ کر آنکھیں
نکل کر تن سے جان اب لب اوپر پہنچا ہے اے حاتمؔ
یہی ہے دل میں، اس کو دیکھ لوں اس وقت بھر آنکھیں

زمین[3] طرحی ۱۱۹۶ھ

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

خلق کیوں کر نہ کہے دیکھ کے دیوانہ ہمیں — چھوڑ کر شہر جو خوش آئے ہے ویرانہ ہمیں

۱؎ فی بحر ہزج مثمن مسبغ مسطور، لندن

۲؎ مفلسوں سے، لندن

۳؎ لاہور میں یہ غزل دی ہے جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔

قدر دل سوختہ دل سوختہ ہی جانے ہے ۔۔۔ دوست رکھتا ہے تبھی بزم میں پروانہ ہمیں
میکشو نشۂ دیدار سے ہم سر خوش ہیں ۔۔۔ بس ہے اس دور میں یک گردشِ پیمانہ ہمیں
شیخ تسبیح و مصلّٰی سے ترے کام نہیں ۔۔۔ دل کے عقدے ہیں یہاں سبحۂ صد دانہ ہمیں
کسے درکار ہے اب خانہ و دیواں خانہ
بس ہے گر رہنے کو حاتمؔ درِ میخانہ ہمیں

زمین طرحی ۱۱۵۹ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات

ترے لبوں کو میں تنگِ نبات کہہ تو کہوں ۔۔۔ دہن کا وصف ترے منہ سے بات کہہ تو کہوں
مجھے امید نہ تھی تس پر آیا وہ مہ رو ۔۔۔ میں ایسی رات کے تئیں چاندرات کہہ تو کہوں
خطِ[۱] سیاہ کی ظلمات میں یہ چاہِ ذقن ۔۔۔ بجائے چشمۂ آبِ حیات کہہ تو کہوں
تمہارے حسن فسوں گر نے ساحراں کا دل ۔۔۔ کیا ہے بند اسے طلسمات کہہ تو کہوں
جفا و ظلم و ستم جور آج حاتمؔ پر
جو کچھ ہوا سو میاں تیرے ہاتھ کہہ تو کہوں

زمین[۲] طرحی ۱۱۸۱ھ

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

ابر میں دیکھ کنارے سے بہارِ دامن ۔۔۔ برق ہوتی ہے ترے آگے نثارِ دامن
ہاتھ سے دشتِ جنوں میں ترے عاجز آیا ۔۔۔ خار پاؤں سے نکالوں میں کہ خارِ دامن
کس طرح چاک کروں جان کے[۳] ہے پاسِ ادب ۔۔۔ ہے گریباں میں نشانی تیرا تارِ دامن
رشتۂ عمر دراز اپنا میں کوتاہ کروں ۔۔۔ آوے یہ تار اگر تیرے بکارِ دامن

۱۔ تمہارے خط کی یہ ظلمات بیچ چاہِ ذقن، لندن
۲۔ ۱۱۶۹ھ، لاہور
۳۔ یار، علی گڑھ

گھیر جامہ کا بہت دیکھ کے گھبراتا ہوں	کہ مبادا ہو کمر پر ترے بارِ دامن
جب سوار ہو کے تو نکلے تو جلو میں دوڑیں	جامہ زیبانِ جہاں لے کے کنارِ دامن
سرمۂ چشم کروں اپنے میں حاتم[1] وہ خاک
ہاتھ آوے جو کبھو اوس کا غبارِ دامن

زمین[2] طرحی ۱۱۷۱ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع مسبغ ۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

کیا ہے محفلِ دل ہم نے جائے درویشاں	فقیر خانہ بنایا برائے درویشاں
نظر کسی کی یہ نعمت اوپر نہیں رکھتے	ہمیشہ خونِ جگر ہے غذائے درویشاں
جو چاہتا ہے بھلا ہو تو ان کی خدمت کر	بلا کو دور کرے ہے دعائے درویشان
شرف رکھے ہے لباسِ حریر و دیبا پر	یہ پارہ پارہ گلیم و ردائے درویشاں
غرور و نخوت و پندار و کبر اے حاتم
نکال سر سے ہوا ب خاکِ پائے درویشاں

زمین[3] طرحی ۱۱۷۱ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع لہ ۔ فاعلاتن[4] فاعلاتن فاعلاتن فعلن

عندلیبو کوئی ہے تم میں خریدارِ چمن	آؤ اس وقت کہ ہے گرمئ بازارِ چمن
آرزو ہے مجھے صیاد اگر دے رخصت	ایک پرواز کروں تا سرِ دیوارِ چمن
اس کے مژگاں کے تصور میں مشبک ہے جگر	گل سے بہتر نظر آتے ہیں ہمیں خارِ چمن
بلبلو[5] سیرِ چمن تم کو مبارک ہووے	ہم سے اب دشت نوردوں کو کہاں بارِ چمن
آج گل گشت کو آتے ہیں یہاں حاتم شاہ
اے نسیم سحری جلد ہو درکارِ چمن

۱؎ بہ منت حاتم، لاہور
۲؎ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۳؎ لندن مین یہ غزل نہیں ہے۔
۴؎ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن، لاہور
۵؎ عندلیبو تمھیں گل گشت، علی گڑھ

زمین طرحی ۱۱۴۵ھ

بحرِ خفیف مخبوں مقصور۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات

منہ سے ٹک دُور کر نقاب کے تئیں — لے غلامی میں آفتاب کے تئیں
تو نے اپنے دکھا کے رخسارے — غرقِ شبنم کیا گلاب کے تئیں
شوق میں جوں کہ دیدۂ تصویر — یوں ترستے ہیں چشم خواب کے تئیں
دیکھ[1] کر تجھ جبیں پہ دانۂ عرق — موتی ڈھونڈھے ہیں جگ میں آب کے تئیں

دلِ سوزاں سے آج حاتم کے
مت مقابل کرو کباب کے تئیں

زمین[2] طرحی ۱۱۶۲ھ

بحرِ خفیف مسطور

سن کے اوس افصح البیاں کی زباں — ہوگئی بند طوطیاں کی زباں
گالیوں میں غریب پرور ہے — میری بد وضع بد زبان کی زباں
کوئی کہتا نہیں اُسے کہ میاں — کس سے سیکھا یہ ہے کہاں کی زباں
کبھو رہتی نہیں ہے چپ ہرگز — میرے شکوہ سے بدگماں کی زباں
ہند کی گفتگو انوکھی ہے — چرب ہے سب اوپر یہاں کی زباں
کوئی بھلا کوئی برا کہو مجھ کو — بند کیونکر کروں جہاں کی زباں

خوب گو سب ہیں لیکن اے حاتم
خوب[3] سے خوب ہے فغاں کی زباں

زمین طرحی ۱۱۵۶ھ

بحرِ رمل مثمن مقصور[4]۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

سر قدم کر لے میں اوس کے سیر کی یکسر زمین — کوئی نہیں خالی رہی ہے ہم سے اب یکسر زمین

---

1. لندن میں یہ شعر ہے۔
2. "زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ فی بحرِ خفیف مخبوں مقصور۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات"، لندن
3. گی، علی گڑھ
4. محذوف، علی گڑھ

خوش خراموں میں نرالی ہے مرے سرکش کی چال
ہر قدم نیچے رکھے ہے اوس کے اپنا سر زمین

جس زمین پر عاشق و معشوق بیٹھیں ایک جا
اس زمین سے کون سی پھر ہو سکے ہم سر زمین

عاشق آ کیونکر نہ تجھ کوچے میں ہوں مرمر کے ڈھیر
کب وہ پاویں گے پھر اس سے گور کو بہتر زمین

خاکساروں کو نہیں ہے مسندِ شاہی سے کام
ان کے گر رہنے کو جائے فرش ہے بستر زمین

پاؤں رکھنے کو نہیں روئے زمین پر ایک جا
ہوگئی ہے اس قدر رونے سے میرے تر زمین

ملکؑ و مِلک عاریت پر اس قدر مت کر غرور
کون لے جائے گا دھر کر گور میں سر پر زمین

اشک کے دانوں کو بوتا ہوں زمینِ دل کے بیچ
تخم ریزی کے نہیں ہوتی ہے قابل[1] ہر زمین

دشت گردی پر تری حاتمؔ وہ کرتی ہے بجا
آہوؤں کے نقشِ پا کی مہر سے محضر زمین

زمین[2] محمدؐ میر سوز ۱۱۶۹ھ

بحر متقارب مثمن مقبوض۔ فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن

ملا دیئے خاک میں خدا نے پلک کے لگتے ہی شاہ لاکھوں
جنھوں کے ادنا غلام رکھتے تھے اپنے چاکر سپاہ لاکھوں

نماز و روزے زکات و حج پر نہیں ہے موقوف کچھ اے زاہد
جدھر کو جاوے اودھر کو ہیں گے خدا کے ملنے کے راہ لاکھوں

سنا ہے میں نے کہ تو نے میرا کیا ہے شکوہ کسی سے ظالم
تیرے ستم اور مری وفا کے جہاں میں ہیں گے گواہ لاکھوں

عجب تماشا ہے کس سے کہیے اثر نہیں سنگ دل کے دل میں
کروں ہوں یارو میں ایک دم میں ہزاروں نالے و آہ لاکھوں

کرے ہے فریاد ایک عالم گلی میں اس کی ہے شورِ محشر
جو ایک ہوئے تو کیجیے انصاف اس کے ہیں دادخواہ لاکھوں

---

[1] لائق، لندن

[2] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

کروڑ باری میں سو طرح سے کہا کہ 'کھا اور کھلا' نہ مانا
کوئی تو لیوے گا چھین تجھ سے تو جوڑ خست پناہ لاکھوں
یہ مصرعِ سوزِ سن کے حاتم کہے ہے ناصح سے اے عزیزو
اُمیدِ بخشش ہے جب سے ہم کو کیے ہیں ہم نے گناہ لاکھوں

زمین[1] رفیع سودا ۱۱۶۷ھ

بحر[2] مضارع مثمن مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

رونے سے میرے دل کو مکدّر نہ کر کہیں
شبنم سے جان گل کو ہوا ہے ضرر کہیں
افسانہ اپنے دل کی مصیبت کا دوستاں
کہتا ہوں تم سے اب جو سنو کان دھر کہیں
اس طفلِ دل کی دل سے کرے تھا میں پرورش
کہتا رہے تھا روز کہ نورِ بصر کہیں
نظروں سے میری دور نہ ہونا کہ جانِ من
ڈرتا ہوں لگ نہ جائے کسو کی نظر کہیں
جانا نہ میرے پاس سے پیارے کسی طرف
پھرنا نہ ایسے وقت میں نادان ہر کہیں
اس شہر میں سنا ہے کہ پھرتے ہیں دن میں چور
دیکھے ہیں جس کسو کے جو دل کو جدھر کہیں
لے جاکے اس طرح سے چھپاتے ہیں گھر کے بیچ
پاتا نہیں ہے اس کا کوئی پھر اثر کہیں
دن رات پاسباں کی طرح جاگتا[3] رہا
سوتا کئی برس سے نہ تھا نیند بھر کہیں
رہتا تھا اس خلل میں کہ میری طرف ہوا
ناگاہ آسماں سے قضا کا گزر کہیں
یک بارگی پلک سے پلک آشنا ہوئی
غفلت سے ایک دم میں ہوا بے خبر کہیں
جن کو کہے تھا چور سو دل کی تلاش میں
ان میں سے ایک آ گیا دل بر اِدھر کہیں
دل کو مری بغل سے لیا اس طرح نکال
لیتے ہیں جس طرح سے صدف سے گہر کہیں
چونکا تو دیکھتا ہوں میرے پاس دل نہیں
جاتا رہا ہے ہاتھ سے ایسا ثمر کہیں
روتا و سر پٹکتا پھرا ڈھونڈتا اُسے
ایسا پھرا نہ ہوگا کوئی در بدر کہیں
رونے سے اپنے مجھ کو یہاں تک ہوا ہے خوف
نکلے نہ جائے اشک کے لختِ جگر کہیں

---

۱ زمین مرزا رفیع سودا، لاہور   ۲ فی بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف، لاہور
۳ جاگتا تھا میں، لندن

جتنا خیال کرتا ہوں سارے جہان[1] میں — آتا نہیں ہے کوئی نظر داد گر کہیں
ڈرتا ہوں آہ و نالہ و شور فغاں سے آج — ہو جائے یہ جہان نہ زیر و زبر کہیں
پاوے کوئی کہاں سے جو جاتا رہا ہو دل — جس کا نہ ہوئے ٹھور و ٹھکانہ و گھر کہیں
حاتم گیا[2] ہوا نہیں آتا ہے ہاتھ دل
باز آ تو اس تلاش سے آ صبر کر کہیں

زمین[3] طرحی ۱۱۷۹ھ

ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیل مفاعیلن مفاعیل

کروں دل کھول کر سیرِ بیاباں — جو فرصت دے کوئی دم مجھ کو دوراں
قیامت تک جدا ہووے نہ یارب — جنوں کے دست سے میرا گریباں
خیالِ زلفِ محبوباں نے اس رات — کیا مجھ جمع خاطر کو پریشاں
ہمارے اشکِ خوں آلودہ سے آج — ہوئی ہے آستیں رشکِ گلستاں
ہمیں تو رنج و راحت شادی و غم — تصور میں ترے گزرے ہے یکساں
ہے لازم تجھ کو میری پاسِ خاطر — کہ ہوں اس بزم میں یک دم کا مہماں
وہی ہوگا جواں مردی میں نامی — کسی پر جو کرے اس وقت احساں
تجھے مرہوں کیا احساں سے حاتم
ہے فیاضِ زماں یعقوب علی خاں

زمین طرحی ۱۱۷۲ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقصور۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات

کیا بیاں کیجیے نیرنگیٔ اوضاعِ جہاں — کہ بہ یک چشم زدن ہوگیا عالم ویراں
جن کے ہاتھی تھے سواری کو سواب ننگے پاؤں — پھریں ہیں روٹی کو محتاج پڑے سرگرداں

---

[1] جہاں کے بیچ، لندن — [2] کیا ہوا، علی گڑھ

[3] لاہور میں یہ غزل ہے۔

نعمتیں جن کو میسر تھیں ہمیشہ ہر وقت
صبح سے شام تلک قوت کو ہیں گے حیراں

جن کے پوشاک سے معمور تھے توشک خانے
سو ہیں پیوند کے مشتاق سراپا عریاں

پرچۂ[1] نان کے تئیں ہاتھ میں رکھ[2] کھاتے ہیں
خوان الوان کہاں اور وہ کہاں دسترخواں

رتبہ شیروں کا ہوا ہے گا شغالوں کو نصیب
جائے بلبل سے چمن بیچ غزل خواں زاغاں

وہ جو ٹھارے کو ترستے تھے سواس دور میں آج
ہوئے ہیں صاحب مال ومحل و فیل نشاں

اے خدا[3] وقت کے موقع ہے کسی کا مصرع
یعنی نعمت بہ سگاں بخشی و دولت بہ خراں[4]

پوچھتا کوئی نہیں حال کسی کا افسوس
ہے عدم دہر کی آنکھوں سے مروت کا نشاں

زن و بچہ سے چھپا کھاتا ہے روٹی عالم
غضب آوے جو کوئی جائے کسی کے مہماں

جس کو دیکھوں ہوں سو ہے فکر میں غلطاں پیچاں
یعنی چہ میر و چہ میرزا و چہ نواب چہ خاں

وہ جو بیکار ہیں ان کا تو خدا حافظ ہے
وے جو ہیں نام کو نوکر انھیں تنخواہ کہاں

جہاں سنتے تھے شب و روز طنبورا ڈھولک
تہاں اب مرد ہیں مانند زنان نوحہ کناں

کان دھر بات کسی کی نہیں سنتا کوئی
آنکھ سے آنکھ ملانا تو یہاں کیا امکاں

کیا زمانے کی ہوا پھر گئی سبحان اللہ
زندگانی ہوئی ہر ایک کی اب دشمنِ جاں

گرم ہے ظلم کا بازار خدا خیر کرے
کہیں مظلوموں کے رونے سے نہ آوے طوفاں

چشم عبرت سے نظر کیجو اولی الابصار
راست کہتا ہوں نہیں جھوٹ عیاں را چہ بیاں

مرض[5] ہے بھوک کا عالم کو کرے کون علاج
مگر اس درد کو ہو فضلِ خدا کا داماں

حاتم اس بحرِ مروت کی علیؑ دیوے مراد
جس کا اس وقت ہوا ہے تو عبید الاحساں

---

۱ پرچہ کو رکھ ہاتھ میں کھاتے ہیں امیر، لندن

۲ دھر، لاہور

۳ اے خدا خوب کہا ہے یہ کسو نے مصرع، لندن

۴ سگاں، علی گڑھ، رام پور ولکھنؤ

۵ یہ شعر لندن میں ہے۔

زمین طرحی ۱۱۵۲ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

میں پیمائش کیا مجنوں صفت یکسر بیاباں کو
نہ پہنچا دامنِ صحرا مرے چاکِ گریباں کو

مسخر کیوں نہ آہو چشم ہوں میرے کہ دامی ہیں
کیا ہے رام مدہ بن میں مرے رم نے غزلاں کو

میں غم سے[1] لٹ گیا مانندِ موسودا سے جل بل کر
نہ چھوڑا تو بھی زلفوں نے تری مجھ سے پریشاں کو

مرادل اس دلیری سے طرف مژگاں کے دوڑے ہے
کہ جیسے شیر جاتا ہے چلا بن بن نیستاں کو

عبث بخشے ہے غم کے روزہ داروں سے تو اے زاہد
کہ تیری صبح پہنچے گی نہیں شامِ غریباں کو

تو ان کے آونے سے باغباں ڈریو کہ یہ لڑکے
بغل مارے لیے جاتے ہیں مکتب میں گلستاں کو

غلامِ عشق سے دیر و حرم کی راہ مت پوچھو
جو ہو دیوانہ کیا جانے طریقِ کفر و ایماں کو

برس میں وہ کبھو برسے ہے یہ برسوں سے برسے ہے
مقابل مت کرو باراں سے میری چشمِ گریاں کو

چمن میں داستانِ عشق میری سن کے اے حاتم
کیا اوستاد آخر بلبلوں نے مجھ غزل خواں کو

زمین طرحی ۱۱۷۱ھ

بحر مسطور

جہاں میں عشق کے برعکس دیکھا رسم و آئیں کو
کرے ہے صید اوس کے دشت کی کنجشک شاہیں کو

نہ لو فرہاد کی تربت کے اوپر نام خسرو کا
کرو مت تلخ اوس آفت[2] زدہ پر خواب شیریں کو

شگفتن وار بھی فرصت نہ دی غنچہ کو ہے ظالم
کبھو احوالِ بلبل پر نہ آیا رحم گل چیں کو

بسنتی یک تہی گل نار پھینٹہ شالِ عباسی
نہ چاہے کون موزوں طبع اس مضمونِ رنگیں کو

فلک کے ہاتھ سے عاجز ہیں حاتم صاحبِ جوہر
خدا ناخن نہ دے اس سفلہ پرور ناتواں بیں کو

ممسکانِ[3] جہاں خزانے کو جمع کرتے ہیں چھوڑ جانے کو
زورِ قسمت نہیں تو سر پیٹو نام رکھتے ہو کیوں زمانے کو

---

[1] کٹ، رام پور [2] مقتول، علی گڑھ [3] لاہور میں اس کے بعد یہ رباعی ہے۔

واردات[1] ۱۱۴۶ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف

ہے یاد دشمنوں میں لگا ہم نے گھات کو
کیا کیا مزے لیے تھے جہاں چھپ کے رات کو

سب جان و تن ملا تھا نہ تھا کچھ خلل مگر
دونوں کے دل اس آن ترستے تھے بات کو

وہ رمزِ دل فریب ترے اب تلک ہیں یاد
بیڑا بنا کے پھینکنا بیڑے کے پات کو

اس وقت دل مرا ترے پنجے کے بیچ تھا
جس وقت تو نے ہات لگایا تھا ہات کو

حاتم کو کیا کہوں کہ خضر[2] بھی گیا ہے بھول
ترے لبوں کی چاہ میں آبِ حیات کو

زمین[3] طرحی ۱۱۷۰ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تری گلی میں جو گر رہنے کی مجھے جا ہو
جہنمی ہوں جو جنت کی پھر تمنا ہو

ستم شعار کی وضعوں سے دل دھڑکتا ہے
اُدھر غرور ادھر عجز دیکھئے کیا ہو

تو اس کی طرح سے ہنستا تو ہے بھلا اے گل
ابھی جو دیکھ لے ظالم تو کیا تماشا ہو

حباب کی سی طرح قطرہ چھوڑ کر ہستی
جو آنکھ کھول کے دیکھے تو عین دریا ہو

ہے صید[4] دل میرا پا بستہ تارِ الفت سے
جو دل میں تیرے رہا کرنا اوس کا آتا ہو

تو شاخ شاخ چمن دشمن اوس کی ہے صیاد
وہ صیدِ خاک اوڑے جس کے رشتہ بر پا ہو

اگر نگاہ کرے اس کی زلف کو حاتم
عجب نہیں ہے جو سارے جہاں کو سودا ہو

---

[1] بیان واقع، رام پور و علی گڑھ
[2] سکندر
[3] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[4] عبد۔ علی گڑھ

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

تم[1] تو بیٹھے ہوئے پر آفت ہو اوٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو
دل[2] تو چاہِ ذقن میں ڈوب گیا آشنا تھا غریقِ رحمت ہو
نزع[3] کے وقت بھی نگاہ نہ کی کیا سیہ چشم بے مروّت ہو
وہی جانے ہے عافیت کی قدر جس کسو پر کہیں[4] مصیبت ہو
مفلسی اور دماغ اے حاتمؔ
کیا قیامت کرے جو دولت ہو

زمین[5] طرحی ۱۱۸۱ھ

بحر خفیف مسطور

باغ میں تم جو کار فرما ہو تو خزاں میں بہار پیدا ہو
مطرب ہو عندلیب و ساقی ابر گلِ پیالہ ہو غنچہ مینا ہو
سب مہیا ہو عیش کا اسباب تم جو مجلس میں رونق افزا ہو
جس طرف لطف سے نگاہ کرو اُس طرف اور ہی تماشا ہو
یہ فقیروں کی ہے دُعا حاتمؔ
محسن الملک ہوئے دنیا ہو

---

۱ خم خانۂ جاوید، جلد اول میں یہ شعر میاں محمد اسماعیل بیتاب شاگرد یک رنگؔ کے کلام میں صفحہ ۶۳۰ پر شامل ہے، جو غلط ہے، اسے سرقہ کہیں یا الحاق۔

۲ چہ زنخداں میں دل تو ڈوب گیا، لندن

۳ لندن میں اس جگہ یہ متن ہے: ''آشنا جان کر کیا ہے ذبح''

۴ کبھی، علی گڑھ

۵ لاہور میں یہ غزل دی ہے۔

زمین[1] طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر مضارع مسدس اخرب مقبوض محذوف۔ مفعول مفاعلن فعولن

رسوا و خراب کو بہ کو ہو   تب عشق سے جا کے دو بدو ہو
آئینۂ مثال دل کر اپنا   اس وجہ سے اوس کے روبرو ہو
جوں شانہ کرے تو سینہ صد چاک   تب محرمِ زلف مو بہ مو ہو
لیلیٰ منشاں ملیں تب حاتمؔ
جب قیس صفت تو ہو بہو ہو

زمین طرحی ۱۱۶۶ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

دل چاہتا ہے سیرِ بیابان ہو سو ہو   پھاڑوں ہوں اب تو اپنا گریبان ہو سو ہو
اب کے بہار ہو تو اجارے میں لوں جنوں   مدت سے میرے دل میں ہے ارمان ہو سو ہو
چاہے ہے دل گلے سے ملوں گو کرے تو ذبح   ہے روزِ عید میں ترے قربان ہو سو ہو
ہنستے نکل گیا تھا مرے منہ سے[2] ایک روز   یہ سر نظر کروں گا مری جان ہو سو ہو
کہتے تو میں کہا و لے حاتمؔ اب اس کے تئیں
ایسی چڑھی ہے ضد کہ اسی آن ہو سو ہو

زمین خواجہ میر درد ۱۱۶۵ھ

بحر[3] مضارع مسطور

بندا بتوں کا شیخ کہے ہے کہ تو نہ ہو   اور جو کہے سو ہوئے یہ ہم سے کبھو نہ ہو
زیبندہ مو بمو ہیں بدن پر مرے یہ زخم   کس کام کا وہ جامہ کہ جس پر اُتو نہ ہو

---

۱ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔   ۲ منہ سے ایک دن، لندن
۳ بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف، لندن

ایسا کروں گا اب کی گریباں کو تارتار — جو پھر کسی طرح سے کسی سے رفو نہ ہو
تیرے خیالِ قد کا مرے چشم تر میں ہے — ممکن نہیں کہ سرو لبِ آب جو نہ ہو
لذت سے زندگی کی بڑا بے نصیب ہے — جس دل میں دیکھنے کی ترے آرزو نہ ہو
ڈرتا ہوں مست و شیخ کی صحبت یہاں ہے گرم — آپس میں آج ان میں کہیں گفتگو نہ ہو
بے اس کے حاتم اب کسو مجلس میں تو نہ جا
بے نور ہے وہ بزم جہاں شمع رو نہ ہو

زمین[1] طرحی ۱۱۷۰ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

مے ہو ابر و ہوا نہیں تو نہ ہو — درد ہو گر[2] دوا نہیں تو نہ ہو
ہم تو ہیں آشنا تیرے ظالم — تو اگر آشنا نہیں تو نہ ہو
دل ہے وابستہ تیرے دامن سے — دست میرا رسا نہیں تو نہ ہو
ہم تو تیری جفا کے بندے ہیں — تجھ میں رسمِ وفا نہیں تو نہ ہو
آستاں پر تو گر رہے ہیں اگر — تیری مجلس میں جا نہیں تو نہ ہو
ہم تو ہیں صاف، بدگماں میرے — تیرے دل میں صفا نہیں تو نہ ہو
دل کو اکسیر ہے گی تیری نگاہ — ہوسِ کیمیا نہیں تو نہ ہو
ہم تو حاشا نہیں کسی سے برے — کوئی ہم سے بھلا نہیں تو نہ ہو
طالبِ وصل کب تلک رہیے — ہو تو ہو جائے یا نہیں تو نہ ہو
حاتم اب کس کی مجھ کو پروا ہے
کوئی مرا جز خدا نہیں تو نہ ہو

---

۱ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

۲ گو، لاہور

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ[1]

بحر رجز مثمن مطوی مخبون۔ مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

ہم کو کب انتظار ہے فصلِ بہار ہو نہ ہو
داغِ جگر شگفتہ بادِ گل بہ کنار ہو نہ ہو

درد تو میرے پاس سے مرتے تلک نہ جائیو
طاقتِ صبر ہو نہ ہو تاب و قرار ہو نہ ہو

صبح تو ہوئی ہے دیر کیا تیری بلا سے ساقیا
جامِ شراب تُو تو دے ہم کو خمار ہو نہ ہو

تیرِ نگہ لگا کے تم کہتے ہو پھر لگا نہ خوب
میرا تو کام ہوگیا سینہ کے پار ہو نہ ہو

طالبِ یک نظارہ ہوں اتنا بھی مجھ سے بیر کیا
منہ تو مری طرف کو ہو گو کہ دوچار ہو نہ ہو

حلقۂ در ہے حلقہ زن کوئی بھلا خبر تو لو
دل مرا شادیِ مرگ ہے ہے وہی یار ہو نہ ہو

حاتم اگر گناہ کرے شکوہ نہ کر خدا سے ڈر
فدوی جاں نثار ہے تو بھی ہزار ہو نہ ہو

زمین طرحی ۱۱۶۵ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

صحنِ چمن میں بیٹھ کے مے نوش مت کرو
گل کو نگہ کے جام سے بے ہوش مت کرو

اس بات کو ہماری رکھو جان کان میں
گر دشمنوں کا ڈر ہو سخن گوش مت کرو

جائے جواب نامہ دکھانے دو داغِ عشق
لاشے کو دل جلے کے کفن پوش مت کرو

اس کے قدِ بلند کا شہرہ بلند ہے
گلشن میں اس سے سرو کو ہم دوش مت کرو

فدوی ہے جانفشاں ہے غلامِ قدیم ہے
حاتم کی بندگی کو فراموش مت کرو

زمین طرحی ۱۱۳۴ھ

بحر مضارع مسطور

عاشق[2] اوپر نہ جور و ستم اس قدر کرو
عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو

---

[1] ۱۱۶۹ھ، لندن و لاہور
[2] مت عاشقوں پہ، کراچی

جو کچھ کیا ہے ہم نے سو دیوانہ بوجھ کر — بخشو خدا کے واسطے آدر گزر کرو
دل کے نگیں پر اسم تمہارے کا نقش ہے — نام اپنے کے سبب تم اسے نامور کرو
دل لے گئے ہو تو بھی جفا چھوڑتے نہیں — ہم دل جلوں کی آہِ سحر سے حذر کرو
آسان نہیں ہے شوخ ستم گر کو دیکھنا — جی کو نذر[۱] کرو تب اوس اوپر نظر کرو
حاتم کہے ہے تم کو میاں[۲] ایک جا تو رہ
آنکھوں میں آ بسو یا مرے دل میں گھر کرو

زمین طرحی ۱۱۵۷ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

میکشو[۳] چاہو ہو گر آباد میخانہ کرو — گردشِ چشمِ پری رویاں سے پیمانہ کرو
زلفِ خوباں میں جو چاہو ہونگہ کی دسترس — پنجۂ مژگاں کے تئیں اپنی بنا شانہ کرو
شمع رویاں کی لگن میں جل کے خاکستر ہوا — عشق کے کشور کا میرے نام پروانہ کرو
پیر[۴] چاہو ہو تو آ کر رشتۂ اخلاص میں — چھوڑ دو تسبیح اپنے من کے تئیں دانہ کرو
سن لو حاتم سے اگر ہے سنگِ طفلاں کی ہوس
جان کر اپنے تئیں عالم میں دیوانہ کرو

زمین طرحی ۱۱۵۲ھ

بحر خفیف

ہوئی تقصیر اب معاف کرو — بغض و کینہ سے سینہ صاف کرو
ہاں جی جانا سپاہی زادے ہو — اب تو شمشیر کو غلاف کرو
منہ لگانا بدوں کا خوب نہیں — ایسی صحبت سے انحراف کرو
دل کے آزار کا نہ دو فتویٰ — مذہبوں میں مت اختلاف کرو
چلو بیٹھے رہو بندھی مٹھی
سینہ حاتم کا مت شگاف کرو

---

۱ جی نذر کر چکو، لاہور ۲ سجن، دہلی۔ دیوان زادہ کی ترتیب کے وقت یہ شعر حذف کر دیا گیا:
یاراں جگت کے سیمبر اں سب ہیں لالچی = عاشق ہو تب کہ جا کے فکرِ سیم وزر کرد
۳ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۴ لندن میں یہ شعر زائد ہے۔

زمین[1] طرحی ۱۱۵۱[2]ھ

بحر مسطور

اپنے عاشق کو جی سے[3] پیار کرو ظلم کو تم مت اختیار کرو

حسن آئینہ فاش کرتا ہے ایسے دشمن کو سنگسار کرو

عمر جاتی ہے انتظاری میں ٹک ادھر بھی کبھو گزار کرو

مت[4] اپس کے بھواں کماناں سوں تیرِ مژگاں کا دل کے پار کرو

آج حاتم کے حال کو دیکھو

آ اس کے تئیں دو چار کرو

زمین[5] استقامت خاں اسلم ۱۱۶۳ھ

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

بہت سے باغ میں دیکھیں ہیں ہم سرو ولے تجھ سا نظر آیا ہے کم سرو

اگر گلشن میں تو آ کر رکھے پاؤں تو ہو قرباں[6] ترے پہلے قدم سرو

کوئی تجھ سا نہیں ہے راست قامت ترے قامت کی کھاتے میں قسم سرو

نکالے منہ سے کیا طاقت ہے حاتم

جو اس کے باغ کی قمری سے دم سرو

زمین طرحی ۱۱۶۴ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات[7]

ترے اے سرو خراماں روبرو گر آئے سرو دیکھ کر چلنے کی خوبی خاک میں گڑ جائے سرو

قدر آزادوں کی تو نے باغ میں جانی نہ حیف ہے بجا گر آہ اس گلشن میں اب ہو جائے سرو

---

1. لندن میں یہ سرخی ہے: ''طرحی در ۱۱۳۶ھ فی بحر خفیف مخبوں محذوف۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن''

2. ۱۱۵۲ھ، لاہور 3. جان، لندن 4. آخری دونوں اشعار لندن میں ہیں۔

5. زمین میر محمد اسلم، لاہور و لندن 6. صدقے، لندن 7. ۱۱۵۳ھ، لاہور و لندن

گو کہ ہے بالفرض والتقدیر بالاو بلند — پر یہ اسلوب اور یہ چھب تختی کہاں سے لائے سرو
کس طرح آوے جلو تیرے میں وہ معذور ہے — پاؤں چلنے کو کہاں سے دوسرا اب پائے سرو
تیری قامت کے تصور سے میں دیکھوں ہوں اسے — تو جو ہو بر میں تو کس کافر کو ہو پروائے سرو
یک دم آسائش نہ کی اور اوڑ گیا رنگِ بہار — حیف گل، افسوس بلبل ہائے قمری وائے سرو
سیرِ گلشن کو وہ سرکش آوے اے حاتم کبھو
دیکھتے مجرے کے تئیں جھک جائے اور خم کھائے سرو

زمین[1] طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

آتا ہے اب نشے کی طرف جی کبھو کبھو — ساقی نگاہِ مست ادھر بھی کبھو کبھو
دل کو کرے ہے ذبح پپیہا نشے کے بیچ — برسات میں کہے ہے جو پی پی کبھو کبھو

زمین[2] طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر خفیف

دردِ[3] دل میری آہ سے پوچھو — سبب اوس کی نگاہ سے پوچھو
معنیٔ بے مروّتیِ بتاں — اس تغافل پناہ سے پوچھو
باعثِ تیرہ بختیِ عالم — اُس کی زلفِ سیاہ سے پوچھو
اوس کی تیغِ ستم کا شرح و بیاں — جا کسی بے گناہ سے پوچھو
اوس کے مکھڑے کی روشنی کی صفت — مجھ سے کیا مہر و ماہ سے پوچھو
گریۂ[4] و نالہ و فغاں کیوں ہے — یہ مرے دل کی چاہ سے پوچھو
محضر حسن[5] و عشق کا قضیہ — حق ہے شاہد گواہ سے پوچھو
کیا کہیں اوس کا گھر ہے کتنی[6] دور — تھک گئے ہم تو راہ سے پوچھو

---

[1] لندن میں یہ اشعار زائد ہیں۔
[2] لندن میں یہ وزن فاعلاتن مفاعلن فعلن بھی دیا ہے۔
[3] میرا، علی گڑھ و رام پور
[4] گریہ و نالہ کیوں کروں ہوں عبث، لندن
[5] حسن سے کیوں ہے عشق کا دعویٰ، علی گڑھ
[6] کون سے ملک، علی گڑھ و رام پور

قبلہ حاتم کدھر ہے راست بتا
جا کے اس کج کلاہ سے پوچھو

زمین طرحی ۱۱۳۱ھ

بحر رجز مثمن سالم۔ مفتعلن[1] مفتعلن مفتعلن مفتعلن

رکھتا ہوں میں حق پر نظر کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو
ہشیار ہوں یا بے خبر کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو

قسمت مقدر بوجھ کر، غفلت میں آ کر حرص سے
پھر کیا ہے پھرنا در بدر کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو

جز معصیت کے کچھ نہیں ہے کام مجھ عاصی کے تئیں
ہر روز و ہر شام و سحر[2] کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو

کچھ نیک و بد کہنے کا اب خطرہ نہیں ہے خلق کا
یکساں کیا نفع و ضرر کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو

ہے چارون کی زندگی خوش رہ کے آخر کے تئیں
دنیا سے جانا ہے گزر کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو

حاتمؔ توقع چھوڑ کر عالم میں تا شاہ و گدا
آ کر لگا حیدرؓ کے در کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو

زمین[3] طرحی ۱۱۳۹ھ

بحر خفیف

اس میاں کی کمر کہو نہ کہو
مو سے باریک تر کہو نہ کہو

پار گزرا ہے دل سے تیرِ نگاہ
کوئی اسے کارگر کہو نہ کہو

صندلی رنگ یار بن[4] جینا
درد سر ہے اگر کہو نہ کہو

جو رقیبوں سے مصلحت کی ہے
ہم کو سب ہے خبر کہو نہ کہو

لال[5] کے لب کوں ہم کہا یاقوت
اور سخن کو گہر کہو نہ کہو

رنگِ رخسار پر خجل ہے کنول
خال تس پر بھنور کہو نہ کہو

نونہالوں کا عشق ہے حاتمؔ
زندگی کا ثمر کہو نہ کہو

---

[1] مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن، لندن۔ قدیم دیوان کا ایک شعر حذف کر دیا گیا ہے۔ [2] ہر شب تا سحر، علی گڑھ

[3] زمین طرحی در ۱۱۳۹ھ فی بحر خفیف مخبوں محذوف، فاعلاتن مفاعلن فعلن، لندن

[4] جب نہ ہو جینا، لندن [5] یہ دو شعر لندن میں درج ہیں۔

زمین طرحی ۱۱۴۱ھ

بحر ہزج مثمن سالم[1]۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کھڑا ہوں منتظر در پر تمہارے یک نظر دیکھو سحر سے شام تک اور شام سے لے تا سحر دیکھو
مسیحا ہے ہمارا لعلِ لب اے دوستاں مانو اگر باور نہیں کرتے تو تم یک بار مر دیکھو
مسخر اس پری رو کو کیا ہم شیشۂ دل میں ہماری عاشقی کے نقش کا یارو اثر دیکھو
سنا[2] کر تلخ باتیں مت کرو پھیکا مرے دل کو کبھو تو ترش روئی چھوڑ کر اے لب شکر دیکھو
مقابل عشق کی شمشیر سے ہوتا ہے یہ جاہل کوئی اس خاک کے پتلے کا دل گردہ جگر دیکھو
اڑیں ہیں دیکھنے کے شوق میں اے شمع رو تیرے لگا کر چشم پروانہ صفت مژگاں کے پر دیکھو

اگر خواہش ہے تم کو سیرِ دریا کی مرے صاحب
تو حاتم[3] پاس آؤ جوئبارِ چشم تر دیکھو

زمین[4] طرحی ۱۱۴۰ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع مسبغ۔ فاعلاتن مفاعلن فعولن

عشق ہے یا نہنگ ہے یارو دشمنِ نام و ننگ ہے یارو
صبر بن اور کچھ نہ لو ہمراہ کوچۂ عشق تنگ ہے یارو
زلف کی دل ربا کا آج خیال دل کو قیدِ فرنگ ہے یارو
شمع رو[5] پر نہ ہوئے کیونکر ڈور دل ہمارا پتنگ ہے یارو

اُس پری رو سے اور حاتم سے
رات دن صلح و جنگ ہے یارو

---

۱ لندن میں اس کے بعد "مفاعیلن ہ بار" کے الفاظ زیادہ ہیں۔ قدیم دیوان کے دو اشعار حذف کر دیے گئے ہیں، ملاحظہ ہو دیوانِ حاتم

۲ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۳ لندن میں اس جگہ دو مصرع دیے ہیں:

تو آ کر عاشقوں کی جو غبار چشم تر دیکھو تو، حاتم پاس آکر جوئبار چشم تر دیکھو

۴ زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ فی بحر خفیف مخبوں مقطوع مسبغ۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن، لندن۔ اس غزل کے بھی دو اشعار حذف شدہ ہیں، ملاحظہ ہو، دیوانِ حاتم۔

۵ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

زمین طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

الٰہی بامراد ایسی چلے باؤ
کہ پار اترے مرے مقصود کی ناؤ

ترے قلموں کی میں لکھتا تھا تعریف
قلم دل چاک ہو کھانے لگے تاؤ

کنول سے دیکھ کر چشموں کو تیرے
ہوئی ہے آج نرگس کو کنول باؤ

تری تیغِ زباں کا دل پر ہے زخم
کبھی چنگا نہیں ہونے کا یہ گھاؤ

عجب گوسالہ ہے مجلس میں تو شیخ
کہ مطرب کو کہے ہے ہر گھڑی گاؤ

وہ آہو چشم سوتا ہے اکیلا
بہت مدت میں ہم پایا ہے یہ داؤ

تری خدمت میں اب حاضر ہے حاؔتم
اسے جو کچھ کہ فرمانا ہے فرماؤ

زمین طرحی ۱۱۴۴ھ۔ مطلع الفجر علی الصدر مع التجنیس

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

رو رو کے ہم نے جان دیا اوس کے روبرو
رودے کے تو بھی ہنس کے نہ بولا کہ تو نہ رو

آیا تھا فاتحہ کو دکھا اپنا خطِ سبز
میرے مزار پر وہ گیا تخمِ ناز بو

جوں پٹہ باز پیچ سے چوگاں میں زلف کی
دل مجھ سے لے گیا ہے وہ اور دلبروں سے گو

کھلتا نہیں یہ عقدہ نہایت گو تنگ ہو
تیرے دہن کو کہتے ہیں سب سِرّ گو مگو

پانی نہ مانگ وقتِ نزع بھی کسی سے تو
حاؔتم جو چاہتا ہے جہاں بیچ آبرو

زمین شاہ مبارک آبرو ۱۱۴۰ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

دماغ اتنا جواب کرتے ہیں گل رو
یہ ان کے مغز میں کس کی گئی بو[1]

---

[1] سوان کے مغز میں پہنچی ہے کیا بو، کراچی

جدہر جاتا ہے وہ بینائی چشم[1] چلا جاتا ہے جی آنکھوں سے آنسو
ہمارے دل پر اے ظالم فسوں کار نگہ تیری کرے ہے کارِ جادو
تری محراب میں ابرو کی یہ خال کدھر سے آگیا مسجد میں ہندو
کمر تیری نہیں آتی نظر میں تفاوت سے نہیں کہتا ہوں یک مو
دہن کو دیکھ تھا خاموش حاتم
ہوا تجھ[2] لب کی باتیں سن سخن گو

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع مسبغ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

کس ستم گر کا گنہ گار ہوں اللہ اللہ کس کے تیروں سے دل افگار ہوں اللہ اللہ
اس کے ہاتھوں سے نہ جیتا ہوں نہ میں مرتا ہوں میں کس مصیبت میں گرفتار ہوں اللہ اللہ
خضر اب دور کر آگے سے مرے آبِ حیات کس کے بوسے کا طلب گار ہوں اللہ اللہ
کیوں نہ آنکھوں میں رکھے مجھ کو زلیخا بھی عزیز کیسے یوسف کا خریدار ہوں اللہ اللہ
نمکِ حسن سے اُس لب کے مزے لوٹوں ہوں کس نمک داں کا نمک خوار ہوں اللہ اللہ
نرگس اب ہم سے نہ کر دعویِ ہم چشمی تو کس کی نرگس کا میں بیمار ہوں اللہ اللہ
اتنا کہتا بھی نہیں کون یہ چلاّتا ہے کب سے نالاں پسِ دیوار ہوں اللہ اللہ
خواب میں یار نے آ مجھ کو جگایا حاتم
کس قدر طالعِ بیدار ہوں اللہ اللہ

زمین[3]

بحر مسطور

مئے وحدت کا طلب گار ہوں سبحان اللہ کس خرابات کا مے خوار ہوں سبحان اللہ

---

[1] وہ نور نین آج، کراچی [2] ہوا باتیں تری سن سن، لندن

[3] لندن میں یہ شعر نئی سرخی کے ساتھ درج ہیں۔

زمین[1] طرحی ۱۱۸۲ھ

بحر رمل مسطور

هر سحر[2] اوٹھتے ہی کرتا ہے طلب آئینہ — لیے پھرتے ہیں تب ہی ہاتھ میں سب آئینہ
گھر سے نکلے جو کبھو سیر کے تئیں وہ بتِ چین — ہر قدم فرش کروں تا بہ حلب آئینہ
نقش صورت کا پری روکا رہے ہے شب و روز — دل بھی ہے صاف ضمیروں کا عجب آئینہ
صبح سے شام تک ایک دم نہیں ہوتا ہے جدا — اوس کے زانو سے ہے گستاخ غضب آئینہ
عکسِ عارض سے وہ ہو جائے ہے صد رشکِ چمن — روبرو آئے ہے اوس شوخ کے جب آئینہ
سامنے اوس کے تفاوت سے رہے ہے حاضر — کس مؤدب سے یہ سیکھا ہے ادب آئینہ
ہے حسب اوس کا تو ظاہر ولے پہنچاوے ہے — اپنی یک پشت بہ سیماب نسب آئینہ
اپنی چھب تختی جو دیکھے تو کرے کیوں نہ گھمنڈ — خود نمائی کا ہے خوباں کے سبب آئینہ

وہ ہے پُر زنگ یہ ہے صاف نظر کر حاتم
ہو سکے دل کے برابر مرے کب آئینہ

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع[3]

روبرو تیرے یار آئینہ — کر رہا ہے بہار آئینہ
ترے سنگِ جفا سے سنگیں دل — ہو گیا دل ہزار آئینہ
خط کے آنے سے اب ترے رو پر — لایا دل میں غبار آئینہ
شیشہ خالی میں آ پڑے دل کے — دیکھ ہے انتظار آئینہ
گر پڑا دیکھتے تری صورت — ہم سے بے اختیار آئینہ
عکس رکھتا ہے دل میں کیا جانے — دل روشن کی سار آئینہ

---

۱ زمین طرحی در ۱۱۸۲ھ بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع مسبغ، لاہور

۲ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

۳ اس کے بعد یہ وزن اور دیا ہے: ''فاعلاتن مفاعلن فعلن''

حاتم اس شوخ چار ابرو سے
ہو سکے کب دوچار آئینہ

زمین طرحی ۱۱۹۷ھ

بادشاہوں[1] کو ہے گر تخت و چتر کا تکیہ　　ہے فقیروں کے تئیں پیر کے در کا تکیہ
زور و زر چاہیے ہے ان کو جو ہیں دنیا دار　　ہم ہیں آزاد نہیں زور نہ زر کا تکیہ
چاہیے تجھ سے گل اندام کا اب بسترِ خواب　　سیج پھولوں کی ہو اور پریوں کے پر کا تکیہ
عشق نے دیکھ کے دل کو مرے بیمار و نحیف　　سر تلے لا کے رکھا لختِ جگر کا تکیہ
خاکساروں کو زمیں فرشِ خدا داد ہے یار　　بستر اب دور کر ہم پاس سے سر کا تکیہ
ضعفِ پیری سے ہم آ بیٹھے ہیں تیرے در پر　　بس ہمیں پشت بہ دیوار کمر کا تکیہ

آسرا غیرِ خدا ڈھونڈھیے کس کا حاتم
کیجیے چھوڑ اُسے اور کدھر کا تکیہ

زمین[2] طرحی ۱۱۸۲ھ

بحر رمل مثمن محذوف

ماہرو ہو صبح دم جب آفتابِ آئینہ　　عکس سے اوس کے دو چند ہو آب و تابِ آئینہ
اس پری کی بزم میں شاید ہوا تھا باریاب　　تب[3] تو بخشا اوس نے روشن دل خطابِ آئینہ
رات کو دیکھا تھا ہم نے خواب میں آئینہ رو　　کس کا منہ دکھلائے گا تعبیر خوابِ آئینہ
سینہ صافوں کے کہاں وہ ہو سکے ہے روبرو　　زنگ کا پردا ہے دل اوپر حجابِ آئینہ

کل جو حاتم ہم نے کی آئینہ خانہ میں نگاہ
تھا مقابل آئینہ باہم جوابِ آئینہ

زمین[4] طرحی ۱۱۶۲ھ

بحر رمل مثمن محذوف

کیا ہوا تو نے بنایا گر سکندر آئینہ　　آئینہ دل کو بنانا تھا تجھے ہر آئینہ

---

۱ لاہور میں یہ غزل ہے۔　　۲ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۳ تب تو عالم میں ہے روشن دل خطاب آئینہ، لاہور　　۴ ۱۱۶۲ھ لندن میں اس کے بعد وزن ''فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن'' موجود ہے۔

صحبت روشن دلوں[1] میں چاہیے پاسِ نفس
ایک دم کے بیچ ہوتا ہے مکدر آئینہ

عکس کا بہتان اوس بے عکس پر برعکس ہے
عکس اپنا ہی نظر آتا ہے یہ در[2] آئینہ

روبرو ہر ایک کے از بسکہ رکھتا ہے صفا
سب ہنر اور عیب کہہ دیتا ہے منہ پر آئینہ

شاید[3] اپنے حسن پر آپ ہی ہوا ہے مبتلا
ان دنوں کچھ دیکھتا ہے یار اکثر آئینہ

آب خجلت میں سراپا غرق ہو حیرت سے جان
گر تری صورت طرف دیکھے نظر بھر آئینہ

عیب ہے حاتم جو کوئی ظاہر کرے اپنا ہنر
اس سبب اپنے چھپے رکھتا ہے جوہر آئینہ

زمین[4] طرحی ۱۱۵۲ھ

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

کیا بلا لاوے گا ہم پر نالۂ شب گیر آہ
ہو نہیں سکتی کچھ اس کی ہم سے اب تدبیر آہ

اس ارادے پر اگر سارے مصور جمع ہوں
کھینچ[5] سکنے کے نہیں مجھ آہ کی تصویر آہ

اک کماں ابرو سے کاہے کو ہوا تھا چار چشم
لگ گیا دل پر پلک لگتے نگہ کا تیر آہ

بیڑیوں کا غل یہ زنداں بیچ بے معنی نہیں
شور دیوانوں کا سن کھینچے ہے یہ زنجیر آہ

کون سے دشمن نے بھڑکایا اس آہو چشم کو
گھات پر چڑھ کر مرے جاتا رہا نخچیر آہ

جن نے دیکھا لاش کو حاتم کی یہ کہتا گیا
اس جواں کو کس نے مارا حیف بے تقصیر آہ

زمین مرزا جان جاناں مظہر ۱۱۳۷ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

اے دل نہ کر تو فکر پری کا بلا[6] کے ہاتھ
آئینہ ہو کے جا کے لگے دل ربا کے ہاتھ

---

[1] دلاں میں، لندن
[2] اندر، لندن
[3] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
[4] ۱۱۵۸ھ، لندن۔ ۱۱۵۴ھ، لاہور
[5] کھینچ کب سکتے ہیں میری آہ کی تصویر آہ، لندن
[6] ملا کے، لندن

بیگانے سے گلہ کوئی عالم میں کیا کرے — جینا ہوا محال مجھے آشنا[1] کے ہاتھ
پیغام درد دل کا مرے غنچہ لب کے پاس[2] — پہنچا سکے گا کون مگر دوں صبا کے ہاتھ
آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سے — مینا لگا ہے جب سے کہ مجھ بے نوا کے ہاتھ
تابع رضا کا اس کی ازل سے کیا مجھے — چلتا نہیں ہے زور کسو کا قضا کے ہاتھ
دنیا[3] نہیں ہے شیشۂ دل سنگ دل کے تئیں — دیجے اگرچہ دل تو کسی میرزا کے ہاتھ

حاتم اُمید حق سے نہ رکھے تو کیا کرے
موقوف ہے ملاپ صنم[4] کا خدا کے ہاتھ

زمین[5] طرحی ۱۱۷۱ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مسبغ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

زور چلتا نہیں اس شوخ ستم گار کے ساتھ — ماریئے سر کو کہیں جا کسی دیوار کے ساتھ
دشت میں جان کے رکھتا ہوں قدم کانٹوں پر — آشنائی ہے کفِ پا کو مری خار کے ساتھ

نقش پا اس کا مری سیر کو ہے رشکِ چمن
مجھ کو اب کام نہیں ہے کسی گلزار کے ساتھ

زمین[6] میر تقی میر ۱۱۶۴[7]ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع۔ فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

تو جو کہتا ہے بغل[8] میں کہ نہاں ہے شیشہ — محتسب یہ تو مرا دل ہے کہاں ہے شیشہ
جس کو پہنچے نہ کبھو سنگِ حوادث سے شکست — کوئی ایسا بھی یہاں شیشہ گراں ہے شیشہ
سب لگے کہنے یہاں کیا وہاں کیا مت پوچھ — ساتھ ہے سنگِ قضا اس کے جہاں ہے شیشہ

---

۱ دل ربا، علی گڑھ
۲ غنچہ لب سے آج، لندن
۳ یہ شعر لندن اور دہلی میں ہے۔
۴ سجن، دہلی
۵ لاہور میں یہ غزل ہے۔
۶ زمین رفیع سودا، لندن
۷ ۱۱۶۲ھ، رام پور و لاہور
۸ بغل بیچ، لندن

نشہ بازوں[1] کو چلو دور کرو مجلس سے
آج مستی سے یہاں رقص کناں ہے شیشہ

مے کشو دخترِ رز سے نہ کرو بدمستی
چشمِ ساغر سے جو دیکھو نگراں ہے شیشہ

اے مریدانِ خرابات مبارک ہو تمھیں[2]
جام کا دور ہے اور پیرِ مغاں ہے شیشہ

اس کے لب پر ہے ہر اک سجدے[3] میں قلقل کی صدا
مت زباں سے یہ کہو پنبہ دہاں ہے شیشہ

چرخ بد بیں نے کیا پھوڑ کے دونوں میں نفاق
ورنہ تحقیق کرو سنگ کی جاں ہے شیشہ

صحبت اس کی سے نہ پرہیز تو فرما ناصح[4]
داروئے دردِ دل درد کشاں ہے شیشہ

طاق ابرو میں تری چشم گلابی کو دیکھ
رشک[5] سے بزم میں اب اشک فشاں ہے شیشہ

دلِ نازک مرا ہاتھوں میں سنبھالے رکھیو
کہے دیتا ہوں یہ اے سنگ دلاں ہے شیشہ

دل کو حاتم نے کیا میکدہ تیری خاطر
تو کدھر جائے ہے یہ دیکھ یہاں ہے شیشہ

زمین طرحی[6] ۱۱۵۶ھ

بحر رمل مسطور

جان کر بھیجتا ہوں خط کو میں بے سرنامہ
جانتا ہے گا مرے خط کو وہ بے سرنامہ

اس نے دھودھو کے مٹایا تو اوسے خوب کیا
کہ سیہ تھا مرے عملوں سے سرا سرنامہ

حالتِ دیدۂ گریاں میں رقم کرتا ہوں
کیوں نہ ہو جائے مرا بھیگ کے ابتر نامہ

دیکھئے آج بھی دیتا ہے مرے خط کا جواب
لے چلا ہے گا مرا باز کبوتر نامہ

یا جواب ہی نہیں دیتا ہے یا دیتا ہے جواب
بھیج دیکھا ہے اوسے ہم نے مکرر نامہ

راہ[7] اوس شہر کی جانے تو ابھی قاصدِ شوق
پر لگا کر کے اوڑے باندھ کے سر پر نامہ

دیکھ[8] نامے کی عبارت کو کہا غصہ سے
نامہ بھیجا ہے یا بھیجا ہے محضر نامہ

للہ الحمد کہ آیا مجھے اوس خوش خط سے
صفحۂ کافوری و مشکیں رقم عنبر نامہ

---

[1] شیشہ بازوں کو چلو، رام پور ولاہور۔ شیشہ بازوں کے تئیں، لندن
[2] تمھیں کہ آج، علی گڑھ
[3] سدا بزم میں، علی گڑھ
[4] صحبتِ مے سے تو پرہیز نہ فرمائے طبیب، کراچی
[5] ہچکیاں لے لے کے روتا ہے جہاں ہے شیشہ، کراچی
[6] فی بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع "فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن"
[7] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
[8] دیکھ کر اس کی، لندن

شاہِ مرداں کی شجاعت میں یقین سے حاتم
حملۂ حیدریؓ اور دیکھ لے خیبر نامہ

زمین طرحی ۱۱۵۹ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

یوں ہے صنم کی زلفِ سیہ فام پر نگاہ
رہتی ہے روزہ دار کو جوں شام پر نگاہ

آنکھوں کو چھوڑ تیری نظر کس طرف کروں
ہوتی ہے مے کشوں کی سدا جام پر نگاہ

پرزے کرے چمن میں گریباں کو پھاڑ پھاڑ
گل کی پڑے جو تجھ سے گل اندام پر نگاہ

ننگوں سے تم کو ملنے کا آتا نہیں ہے ننگ
کچھ بھی تمھیں ہے اپنی میاں، نام پر نگاہ

بلبل کو سب گلوں سے ہوا ہے عزیز چشم
اس کی ہوئی تھی کیا گلِ بادام پر نگاہ

لازم ہر ایک کو ہے ہر ایک کام بیچ یوں
آغاز تب کرے کہ ہو انجام پر نگاہ

مجھ کو مخالفوں[1] کی بدی سے نہیں ہے خوف
جو ہو سو ہوئے اپنے مجھے کام پر نگاہ

کہتا ہے صاف و شستہ سخن بسکہ بے تلاش
حاتم کو اس سبب نہیں ایہام پر نگاہ

زمین[2] طرحی مرزا رفیع سودا ۱۱۷۱ھ

بحر ہزج مثمن مسطوی مقصور۔ مفتعلن فاعلات مفتعلن فاعلات

صبح تری ہے کہاں اے شبِ غم واہ واہ
رحم بھی کچھ ہے تجھے اتنا ستم واہ واہ

آنکھ نہ کھولی کبھو ابر کی مانند تم
خوب برسنے لگے دیدۂ نم واہ واہ

سب کو تو بہلا دیا وعدہ خلافی سے جان
ہم سے بھی کھانے لگے جھوٹی قسم واہ واہ

ساری ولایت کے بیچ ایسی نہ ہوئے گی تیغ
دیکھ کے کہتے ہیں سب ابرو کا خم واہ واہ

---

[1] مخالفاں، علی گڑھ
[2] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

عمر[۱] چلی جائے ہے دم کا بھروسہ نہیں صحبت یاروں کے بیچ گزرے جو دم واہ واہ
جاتے بھی دیکھا کہیں راہ میں حاتم اسے
جس کے تئیں دیکھ کر کہتے ہیں ہم واہ واہ

زمین[۲] عمادالملک ۱۱۷۲ھ

بحر ہزج مثمن اخرب۔ مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن

طوبیٰ کو تو کہتے ہیں ہے یار بہت تحفہ ہم کو ہے ترا سایۂ دیوار بہت تحفہ
ابرو کو تری ظالم کہتے ہیں مبصر سب ہے گی یہ اصیلوں میں تروار بہت تحفہ
گلشن کی جو خواہش ہے تو دیکھ مرا سینہ پھولا ہے یہ داغوں سے گلزار بہت تحفہ
عاشق کو کھجاتا ہے پھر چھاتی لگاتا ہے اس شوخ ستم گر کا ہے پیار بہت تحفہ
ہے قول عمادالملک حاتم کے مناسب حال
''پایا ہے یہاں ہم نے غم خوار بہت تحفہ''

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

چلا ہے کس طرف تو آج شمشیر[۳] و سپر بستہ میں سر دینے کو بیٹھا ہوں یہاں قاتل کمر بستہ
کدھر جاتا ہے اے دل رات کو ظلمات کے اندر کہاں ہے راہ اوس کی زلف کا کوچہ ہے سر بستہ
خبر دیتا ہے جیسے مشک نافہ آہوئے چیں سے مرے سینہ سے[۴] یوں دیتا ہے بو خونِ جگر بستہ
ہمارے دل کے باز و رشتۂ الفت سے باندھے ہیں کرے پرواز کیونکر جو کہ ہووے صید پر بستہ
اگرچہ سرو کو تشبیہ تو دیتے ہیں قامت سے ولیکن تجھ سا کب ہوگا قدِ موزوں و بر بستہ
سُنے[۵] جو فصلِ گل کا نام میرا آج دیوانہ دکھاوے پاؤں اپنے ہوئے زنجیروں میں گر بستہ

---

۱ لاہور میں یہ شعر بھی دیا ہے۔
۲ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۳ آج نہ لے شمشیر سر بستہ، کراچی
۴ میں، علی گڑھ
۵ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

سخن کے جوہری سے کام ہے حاتم کو اے یارو
کہ لایا ہے یہ بحرِ طبع سے سلکِ گہر بستہ

زمین[1] میر تقی میر ۱۱۶۴ھ

بحر ہزج مثمن سالم مسطور

کھلا کر شہر کے سب کوچہ و بازار اور رستہ
اکیلا کلبۂ احزاں میں ہو بیٹھا ہوں در بستہ

تجھے درکار کیا ہے پھول رکھنا ہاتھ میں گل رو
سر انگشتِ حنائی ہیں تیرے یک دست گل دستہ

ترے لب نے کیا ہے بھاؤ پھیکا قند و مصری کا
اور آنکھوں سے ہے اے پستہ دہن بادام دل خستہ

بتاں نے گردنیں اپنی دھریں فرمان کے نیچے
کہ ہے مشہور تیری ذوالفقار ابروئے پیوستہ

عبید احساں ہوں صیاد کا جس نے قفس کا در
کیا ہے جب سے وابستہ ہوا ہوں تب سے وابستہ

چمن میں ہو رہی تھی بیت بحثی سرو قمری سے
ترے قد کو کہیں تھے مصرع دلچسپ و برجستہ

ہوا ہوں تربیت حاتم میں آزادوں کی صحبت میں
پھروں ہوں تب تو ایسا بے غم و اندوہ وارستہ

زمین[2] طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع[3] ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

اشک[4] نکلے ہے کبھو لعل و کبھو دردانہ
ہے نہاں چشم کے پردے میں جواہر خانہ

قبض اور بسط سے دل غنچہ و گل کی مانند
دونوں صورت ہے گہے شیشہ و گہ پیمانہ

ترے اے عشق تماچے سے خدا ہی حافظ
دونوں مجبور ہیں کیا عاقل و کیا دیوانہ

ترے ہاتھوں سے نہ عاشق کو نہ معشوق کو چین
دونوں جلتے ہیں ادھر شمع ادھر پروانہ

حسن اور عشق کے ہم فیضِ قدم کے صدقے
دونوں آباد ہیں ہم گلشن و ہم ویرانہ

کعبہ و دیر میں اے شیخ تفاوت کیا ہے
دونوں ان گھر کا وہی ایک ہے صاحب خانہ

---

[1] زمین میر تقی میر در ۱۱۶۴ھ فی بحر ہزج مثمن سالم مسطور، لندن۔ ۱۱۶۷ھ، لاہور

[2] ۱۱۷۰ھ، لندن [3] محذوف، لندن

[4] لعل نکلے ہی کبھو اس سے کبھو دُردانہ، لندن

قیس[1] و فرہاد ابھی خوابِ عدم سے چونکیں
دونوں اے حاتم اگر میرا سنیں افسانہ

زمین[2] طرحی ۱۱۵۰ھ

بحر خفیف

تیری انکھیوں[3] کا دیکھ مے خانہ　　ہوگیا سب جہان مستانہ
شمع رو پاس مہر داغ کے تئیں　　التماسی تھا رات پروانہ
شوخ کے کثرتِ تصور سے　　شیشۂ دل ہوا پری خانہ
مو بہ مو زلف کے خیالوں میں　　میری مژگاں بنی ہیں جوں شانہ
حیف حاتم کو تو نہ جانا جان
آشنا ہو ہوا ہے بے گانہ

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

ہماری خاک سے ایسا رمیدہ　　چلا جاتا ہے کیوں دامن کشیدہ
پناہِ سایۂ مژگاں میں تیرے　　ہے صیدِ دل ہمارا آرمیدہ
قدم بوسی کو تیری زیبِ گلشن　　ہوئی حسرت سے شاخِ گل خمیدہ
چمن میں کون آتا[4] ہے کہ اس وقت　　ہے ایسا رنگ روئے گل پریدہ
اڑے کیونکر سر دیوار تک آہ　　ہے دل مانند صید پر بریدہ
ہمارے[5] اس دلِ بے قدر کی قدر　　وہی جانے جو ہو آفت رسیدہ
کبھو[6] تو جان حاتم کی طرف دیکھ　　کہ بندہ ہے ترا بے زر خریدہ
نہ تنہا آرزو ہے اوس کی دل میں　　تری صورت کا ہے عالم نہ دیدہ

۱۔ گور سے مجنوں و فرہاد، لندن　　۲۔ فی بحر خفیف مخبوں مقطوع۔ ''فاعلاتن مفاعلن فعلن''، لندن
۳۔ دیکھ کر تجھ نگاہ کا، کراچی　　۴۔ چمن میں کیا سبب بے وجہ کچھ آج، لندن
۵۔ دلِ صد پارہ، لندن　　۶۔ کبھو تو پیار سے حاتم طرف دیکھ، لندن

ازل سے تا ابد خوباں کی صف میں　　کیا ہے حق نے تجھ کو برگزیدہ
ہوئی ہے ختم تجھ پر حسن کی شان　　نہیں ہے تجھ سا کوئی آفریدہ
پڑھوں ہوں تیرے آگے شعرِ اُستاد　　سن اے قاتل نگہ دزدیدہ دیدہ
''ترا دیدیم و یوسف را شنیدیم
شنیدہ کے بود مانند دیدہ''

زمین طرحی ۱۱۶۲ھ

بحر مضارع مثمن اخرب۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

دل کو کیا ہے حق نے اسرار کا خزینہ　　پایا نہیں کسی نے جو اس میں ہے دفینہ
تیرا دہن ہے گویا انگشتری کا حلقہ　　اور ہونٹ رنگِ پاں سے ہے لعل کا نگینہ
مستوں کا دل ہے شیشہ اور سنگ دل ہے ساقی　　اچرج ہے جو نہ ٹوٹے پتھر سے آبگینہ
عاشق سے گر بخیلی گردوں کرے بجا ہے　　کینہ رکھے ہے دل میں اشراف سے کمینہ
حاتم کا آج دیواں دریا سے کم نہیں ہے
سب بحر ہیں گے اس میں ایسا ہے یہ سفینہ

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقصور۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات

دیکھتے سجدے میں آتا ہے جو کرتا ہے نگاہ　　تیرے ابرو کی ہے محراب مگر بیت اللہ
یک پلک میں وہ کرے پیس کے فوجیں سرمہ　　جس طرف کو پھرے ظالم تری مژگاں کی سپاہ
بیت بحثی نہ کر اے فاختہ گلشن میں کہ آج　　مصرعِ سرو سے موزوں ہے مرا مصرعِ آہ
کشورِ عشق کی شاہی ہے مگر مجنوں کو　　کہ زمیں تخت ہے سر پر ہے بگولے کی کلاہ
کیونکر ان کالی بلاؤں سے بچے گا عاشق　　خط سیہ، خال سیہ، زلف سیہ، چشم سیاہ
چاہتا ہے شبِ زلفاں کی تری عمر دراز　　کہ مرے عشق کا ہوئے نہیں قصہ کوتاہ
کیا کہے کیونکہ کہے تجھ سے یہ حاتم غمِ دل
کہ وہ ہے شرم سے محجوب و تو ہے بے پرواہ

زمین طرحی لزوم مالا یلزم[1] ۱۱۴۶ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

کہیں وہ صورتِ خوباں ہوا ہے	کہیں وہ عاشقِ حیراں ہوا ہے
کہیں گل ہے کہیں بلبل کہیں باغ[2]	کہیں درد و کہیں درماں ہوا ہے
کہیں مست و کہیں ہشیار ہے وہ	کہیں دانا کہیں ناداں ہوا ہے
کہیں خاک و کہیں باد و کہیں آب	کہیں وہ[3] آتشِ سوزاں ہوا ہے
کہیں لفظ[4] و کہیں معنی کہیں حرف	کہیں پوتھی کہیں قرآں ہوا ہے
کہیں نور و کہیں ایمن کہیں طور	کہیں موسیٰ کہیں عمراں ہوا ہے
کہیں مسجد کہیں بت خانہ ہے وہ	کہیں کفر و کہیں ایماں ہوا ہے
کہیں خلق و کہیں خلاقِ[5] عالم	کہیں ظاہر کہیں پنہاں ہوا ہے

کہیں حاتم کہیں جان[6] بخش حاتم
کہیں حاتم کا جا مہماں ہوا ہے

زمین طرحی ۱۱۴۳[7]ھ

بحر ہزج[8] مسدس مقبوض محذوف۔ مفعول مفاعلن فعولن

کیا اس کی صفت میں گفتگو ہے	جیسا تھا وہی ہے جو تھا[9] سو ہے
آنکھیں ہیں تو دیکھ لے کہوں کیا	حاضر[10] ناظر ہے روبرو ہے
یک بین کی نظر میں ایک ہے گا[11]	احول کی نگہ میں گو کہ دو ہے
تو سیر کرے ہے جس چمن کی	ہر گل میں صبا اسی کی بو ہے

---

۱ الملزوم، لندن	۲ ہے آ دیکھ، لندن۔ کہیں داغ، علی گڑھ	۳ جا، لندن
۴ کہیں معنی کہیں لفظ و کہیں حرف، لندن	۵ کہیں ہے خالقِ خلق، لندن	۶ نان، لندن
۷ ۱۱۶۴ھ، لندن ولاہور	۸ مضارع، لاہور	۹ ہے، لندن وکراچی
۱۰ حاضر ہے کھڑا ہے، لندن	۱۱ ایک سا ہے، لندن

وہ تجھ میں ہے تو ہے اسی[1] میں ہر دم — کیا اس کا سراغ و جستجو ہے
اے شیخ تو اس کی کچھ حقیقت — مت پوچھ یہ سرِ گو مگو ہے
اپنی اپنی سی سب کہیں ہیں — کب عقدہ یہ حل کسو سے ہو ہے
یہ مسئلہ لا جواب ہے گا — چپ رہنا یہاں ہماری خو ہے
چالیس[2] برس ہوئے کہ حاتم
مشاق قدیم و کہنہ گو ہے

زمین[3] طرحی ۱۱۴۵ھ

بحر خفیف مخبون مقطوع[4]

دیکھ بنیاد رب کی آدم ہے — جان لے گا اگر تو محرم ہے
سب صفت اوس کی دیکھ لے ان میں[5] — کہہ تو بندہ خدا سے کیا کم ہے
ہر نفس کیوں[6] کہیں ہیں صاحب دم[7] — کہ جہاں بیچ عمر دو دم ہے
پاس ہے اور نظر نہیں آتا — میرے وحشی میں اس قدر رم ہے
تیرے بندے[8] ہیں سب ولے سب میں
بندۂ کمترین حاتم ہے

زمین[9] طرحی ۱۱۹۷ھ

بحر مضارع مسدس

جو کوئی کہ یار و آشنا ہے — رخصت کی مری اسے دُعا ہے
کیا بیٹھا ہے راہ میں مسافر — چلنا ہی یہاں سے پیش پا ہے
امروز جو ہو سکے سو کر لے — فردا کی خبر نہیں کہ کیا ہے
معشوق تو بے وفا ہیں پر عمر — ان سے بھی زیادہ بے وفا ہے
دنیا میں تو خوب گزری حاتم
عقبیٰ میں بھی دیکھیے خدا ہے

---

۱ اس، لندن و لاہور و رامپور
۲ اڑتیس، لندن
۳ ۱۱۴۴ھ، لاہور و لندن
۴ لندن میں فاعلاتن مفاعلن فعلن دیا ہے۔
۵ اس میں، لاہور و رام پور
۶ یوں، لاہور و رام پور
۷ صاحب دل، لاہور و رام پور
۸ عاشق، لاہور و رام پور
۹ لاہور میں یہ غزل ہے۔

زمین[1] طرحی حسب الفرمایش عبداللہ خاں پسر علی محمد خاں ۱۱۷۵ھ

بحر خفیف مخبون مقطوع

تو جو کہتا ہے بولتا کیا ہے — اَمرِ رَبّی ہے روحِ مولا ہے
جب تلک ہے جدا تو ہے قطرہ — بحر میں مل گیا تو دریا ہے
فی الحقیقت کوئی نہیں مرتا — موت حکمت کا ایک پردا ہے
اور شریعت کی پوچھتا ہے تو یار — وحدہ لا شریک یکتا ہے
ہے گا وہم و قیاس سے باہر — وہ[2] نہ تجھ سا ہے اور نہ مجھ سا ہے
جہاں ہو، جو کہو، سمیع و بصیر — سب کو دیکھے ہے سب کی سنتا ہے
نظر آتا نہیں وُہ اعمیٰ کو — ورنہ اس کا ظہور سب جا ہے
ور طریقت کا تو کرے ہے سوال — سو تو کہتا ہوں گر سمجھتا ہے
غیر حق کے نہ دیکھ غیر طرف — دیدۂ دل جو تیرا بینا ہے
بات سنتا ہے تو اسی کی سن — گر طریقت سے تجھ کو بہرا ہے
اس کے تو ذکر بن نہ کر کچھ ذکر — گر دہاں میں زبان گویا ہے
ہاتھ سے کام بھی اسی کا کر — پاؤں سے چل جو راہ اس کا ہے
کام اس میں بڑا[3] ہے نفس کشی — ہو سکے تو عجب تماشا ہے
معرفت[4] پوچھ کیا ہے عارف سے — جس کو عرفان ہے سو تو گونگا ہے
جس نے پایا اُسے سو ہے خاموش — جس نے پایا نہیں سو بکتا ہے
آپ ہی آپ ہے جہاں دیکھو — کُلُّ شَیٍٔ محیط پیدا ہے
عشق کا مرتبہ ہے سب سے بلند — سر سے پہلے قدم گزرتا ہے
جو ہوا سرِ عشق سے آگاہ — آگے مرنے سے آپ مرتا ہے
جو فنا ہو ہوا بقا باللہ — کب اوسے زندگی کی پروا ہے

---

[1] لندن میں یہ غزل نہیں ہے، ۱۱۷۸ھ، لاہور
[2] وہ مجھ سا ہے اور نہ تجھ سا ہے، لاہور و رام پور
[3] پڑا، علی گڑھ
[4] حاتم، علی گڑھ

اس کو ہر آن ہر قدم ہر دم   از ثریٰ سیر تا ثریا ہے
رمزِ توحید کو سمجھ کر بول   گر تو صاحب شعور و دانا ہے
وہ نہ سمجھے گا یہ سخن حاتم
جس کو جہل اور خیالِ سودا ہے۔

زمین طرحی ۱۱۴۴ھ

بحر خفیف مسطور

دل کی اس بات پر گواہی ہے   ہر طرف مظہرِ الٰہی ہے
جن نے بوجھا ہے اس سخن کو یقین   اس کو عرفاں کی بادشاہی ہے
اس کو روشن ہو کس طرح یہ حرف   جس کے دل کے اوپر سیاہی ہے
جو کہ آیا رباطِ دُنیا میں   سو مسافر مثالِ راہی ہے
اے قدر داں کمالِ حاتم دیکھ
عاشق و شاعر و سپاہی ہے

زمین طرحی ۱۱۴۳ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

ترا دل یار اگر مائل کرے ہے   تو جان اب تجھ کو صاحب دل کرے ہے
تجلی کو نہیں تکرار ہرگز   یہاں تکرار اب جاہل کرے ہے
رعایت بوجھ تو معشوق کا جور   کہ تجھ کو عشق میں کامل کرے ہے
تو کھو مت[1] دین کو دنیا کے پیچھے   کوئی یہ کام بھی عاقل کرے ہے
بڑی دشمن تری غفلت ہے ہر دم   کہ تجھ[2] کو موت سے غافل کرے ہے
کوئی دن کو چلے اور قاصدِ عمر   یہ رات اور دن میں دو منزل کرے ہے
کسی کو کام میں تیرے نہیں درک
عبث حاتم کو تو شامل کرے ہے

---

[1] تو دنیا کی طلب میں مت دین کھو، علی گڑھ ولاہور   [2] مجھ کو، علی گڑھ

زمین[1] طرحی ۱۱۷۱ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع

فکر میں مفت عمر کھونا ہے ہو چکا ہے جو کچھ کہ ہونا ہے
کھیل سب چھوڑ کھیل اپنا کھیل آپ قدرت کا تو کھلونا ہے
آنکھ ٹک کھول دید قدرت کر پھر تو پاؤں پسار سونا ہے
چپ[2] رہا کر بڑوں کی مجلس میں یہ بھی[3] ایک عافیت کا کونا ہے
میرا معشوق ہے مزوں میں بھرا کبھو میٹھا کبھو سلونا ہے
چھل[4] بل اس کی نگاہ کا مت پوچھ سحر ہے ٹوٹکا ہے ٹونا ہے
رو تو حاتم حسینؓ کے غم میں
اور رونا تو رانڈ رونا ہے

زمین[5] طرحی ۱۱۷۶ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

دیکھنا اوس کی تجلی کا جسے منظور ہے سنگ ریزہ بھی نظر میں اس کی کوہِ طور ہے
ہم سے ہم چشمی انا الحق کو کہاں مقدور[6] ہے اشک ہر یک دار مژگاں پر مرے منصور ہے
نحن اقرب کی نہیں ہے رمز سے تو آشنا ورنہ وہ نزدیک ہے تو آپ اس سے دُور ہے
ہجر کی شب کو اگر کاٹے تو پھر ہے روزِ وصل نیش کے پردے میں دیکھا نوش بھی مستور ہے
کیا ہوا واعظ کرے ہے شور جوں طبلِ تہی وہ سرِ بے مغز گویا کاسۂ طنبور ہے
آج ہمیں اور ہی نظر آتا ہے کچھ صحبت کا رنگ بزم ہے مخمور اور ساقی نشے میں چور ہے
روز و شب رہتا ہے تری یاد میں عاشق کا دل گو مقصر ہے تری خدمت سے گو معذور ہے

۱؎ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

۲؎ لاہور میں یہ مصرع کٹا ہوا ہے اور اس کے بجائے حاشیہ پر یہ مصرع دیا ہے: جینے مرنے میں مرگ ہے پردا

۳؎ گور، لاہور

۴؎ لاہور میں حاشیہ پر اسی غزل کا یہ شعر دیا ہے۔

۵؎ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

۶؎ منظور، علی گڑھ

آرزو ہے رات اندھیری میں کہ آوے ماہ رَو
جس کے آگے روشنائی شمع کی بے نور ہے

خاکساروں کو کبھو لاتا نہیں خاطر میں وہ
حسن کی دولت پر اپنے اس قدر مغرور ہے

عشق ہے دار الشفا اور درد ہے اس کا طبیب
جو نہیں اس مرض کا طالب سدا رنجور ہے

اب تلک حاتم سے تو واقف نہیں افسوس یار
شاعری کے فن میں وہ آفاق میں مشہور ہے

زمین[۱] طرحی میر حسین کلیم ۱۱۶۵ھ

بحر رمل مثمن محذوف مسطور

تو جو موسیٰ ہو تو اُس کا ہر طرف دیدار ہے
سب عیاں ہے کیا تجلی کو یہاں تکرار ہے

دل نہیں ہوتا نظر کرنے کو طوبیٰ کی طرف
جب سے مرے سر پر اُس کا سایۂ دیوار ہے

ہر قدم پر جی نکلتا ہے مرا نامِ خدا
کیا ادا کیا ناز کیا انداز کیا رفتار ہے

غنچۂ دل کو ہوئی مدت کہ اے رشکِ چمن
آرزو مندِ بہار گوشۂ دستار[۲] ہے

ایک دن پوچھا نہ حاتم کو کبھو اس نے[۳] کہ دوست
کب سے تو بیمار ہے اور کیا تجھے آزار ہے

زمین[۴] سراج الدین علی خاں آرزو ۱۱۴۲ھ[۵]

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

گزک کی اس قدر اے مست تجھ کو کیا شتابی ہے
ہمارا بھی دل صد لخت دوکانِ کبابی ہے

نہیں جز قرص مہر و ماہ کچھ گردوں کے مطبخ میں
سو وہ بھی ایک نان سوختہ[۶] اور ایک آبی ہے

چھڑا مشاطہ زلفِ یار کو شانے کے نیچے سے
کہ اس کی کشمکش سے دل کو میرے پیچ و تابی ہے

بدن پر کچھ مرے ظاہر نہیں اور دل میں سوزش ہے
خدا جانے یہ کس نے راکھ اندر آگ دابی ہے

شکست آتی ہے اس میں موج مے سے دیکھیو ساقی
بچانا ٹھیس سے شیشا مرے دل کا حبابی ہے

---

۱ لندن میں مسطور کی بجائے غزل کا وزن ''فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن'' لکھا ہے۔

۲ رفتار، علی گڑھ

۳ اُن نے، لندن

۴ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

۵ ۱۱۴۴ھ، لاہور

۶ گرداسوختہ، لاہور

رہے ہے کام ہم کو روز و شب قرآن و مسجد سے　　　کہ ابرو اس کی ہے محراب اور چہرا کتابی ہے

کسو کے ابلقِ ایام چڑھنے کا نہیں راضی
ازل سے حاتم اس توسن میں عیبِ بدرکابی ہے

زمین خواجہ میر درد ۱۱۶۷ھ

بحر رجز مثمن مسطوی مخبوں۔ مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

گو کہ شمیم گل سے آج عطر فروش باغ ہے　　　دل ہی نہ ہو تو اے نسیم کس کو یہاں دماغ ہے
دل کی شگفتگی یہاں رشکِ ہزار باغ ہے　　　سیرِ چمن کا عندلیب ہم کو کہاں دماغ ہے
عارض و چشم و زلف و خط تیرا ہے چار باغ ہے　　　گل کی طرف جو رو کریں کب یہ دل و دماغ ہے
نشہ فزائے مے کشاں طرفہ ہوائے باغ ہے　　　ساغرِ گل سے عندلیب سر خوش و تر دماغ ہے
کب یہ دل و دماغ ہے منتِ شمع کھینچئے　　　خانہ دل جلوں کے بیچ داغِ جگر چراغ ہے
حسن کی آب و تاب کا تیری ہے شہرہ تا فلک　　　مہر جلے ہے رشک سے ماہ کے دل میں داغ ہے
دل تھا بغل میں مدعی خوب ہوا جو گم ہوا　　　جانے سے اس کی ان دنوں ہم کو بڑا فراغ ہے

جامِ شراب سے ہمیں کام نہیں ہے حاتم اب
چشمِ پُر آب ہی یہاں غم سے بھرا ایاغ ہے

زمین طرحی ۱۱۶۶ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

وحشت سے ہر سخن مرا گویا غزالہ ہے　　　بو سے نشہ ہو یہ وہ مئے دیر سالہ ہے
اس آن پر نثار کروں بزم جامِ جم　　　وہ مستِ ناز آج مرا ہم پیالہ ہے
بیگانہ دیکھتا ہوں میں ہر گل کا رنگ و بو　　　ہم داغ اس چمن میں اگر ہے تو لالہ ہے
آئے ہو اب تو دخترِ رز دیکھتے ہو کیا　　　مشرب میں میکشو یہ تمہاری حلالہ ہے

تنہا نہیں چلا ہوں میں حاتم بتاں کے شہر
ہمراہ اس سفر میں میرا آہ و نالہ ہے

زمین طرحی ۱۱۷۳ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

گل کی اور بلبل کی صحبت کو چمن کاشانہ ہے
سرو ہے جوں شمع تس پر[1] فاختہ پروانہ ہے

روز و شب یا نوحہ یا زاری ہے یا آہ و فغاں
یا الٰہی یہ کوئی دل ہے کہ ماتم خانہ ہے

تن[2] کر اس کی تیغ کے آگے ہوا ہے سر بکف
ہے قیامت ہے غضب یہ دل ہے یا دیوانہ ہے

بلبل تصویر کی مانند صیدِ دل کے تئیں
نے ہوا اڑنے کی نے پروائے آب و دانہ ہے

ایک[3] حالت پر نہ دیکھا اس کو ہم نے ایک آن
گہ گل و گہ بلبل و گہ شمع و گہ پروانہ ہے

معتکف ہو شیخ اپنے دل میں مسجد سے نکل
صاحبِ دل کی بغل میں دل عبادت خانہ ہے

میکشو[4] مجھ کو تمہاری بزم کی حسرت نہیں
پاس میرے دیدۂ و دل شیشہ و پیمانہ ہے

خواب میں تھے جب تلک تھا دل میں دنیا کا خیال
کھل[5] گئیں آنکھیں تو دیکھا ہم نے سب افسانہ ہے

شعر[6] استادانہ و حاتم ہے بے باکانہ وضع
طبع آزادانہ و اوقات درویشانہ ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع۔ مفاعلن[7] فعلاتن مفاعلن فعلن

کبھو جو گھر سے وہ حشمت[8] پناہ نکلے ہے
تو[9] جیسے عید کے دن بادشاہ نکلے ہے

میں ناتوان ہوا اس قدر کہ مدت سے
نہ لب سے نالہ نہ سینے سے آہ نکلے ہے

گلی میں اس کی نہ دیکھا کبھو کسی کو مگر
اجل گرفتہ کوئی گاہ گاہ نکلے ہے

کسی کی زلف کے سودا میں آج چشموں[10] سے
جگہ[11] سرشک کے خونِ سیاہ نکلے ہے

---

1. مانند شمع و فاختہ، لندن
2. لندن میں یہ شعر دیا ہے جو دوسرے نسخوں میں موجود نہیں ہے۔
3. لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔
4. لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
5. کھل گئی تب آنکھ تو دیکھا تو سب افسانہ ہے، لاہور
6. شعر اُستادانہ و حاتم ہے مرزایانہ وضع، لندن
7. مفاعلن فعلاتن فعلن، لاہور
8. حشمت پناہ، رامپور و لاہور۔ قاتل نگاہ، لندن۔ وحشت پناہ، علی گڑھ
9. تو کاٹنے کو سرِ بے گناہ نکلے ہے، لندن و کراچی
10. آنکھوں سے
11. بجائے اشک، لندن

طلب میں حق کی جو کعبہ کو جائے ہے اے شیخ   تو اپنے گھر سے عبث خواہ نہ خواہ نکلے ہے
جو جی[1] میں آوے تو ٹک جھانک اپنے[2] دل کی طرف   کہ اس طرف کو ادھر سے بھی راہ نکلے ہے

زبان خلق سے حاتم عجب[3] تماشا ہے
جدھر وہ نکلے ادھر واہ واہ نکلے ہے

زمین طرحی ۱۱۵۰ھ[4]

بحر مضارع مثمن اخرب۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

غنچے سے کیا ہے نسبت ایسا لب و دہاں ہے   جس کی صفت میں گل رَو ہر برگِ گل زباں ہے
کچھ ان دنوں میں ہم سے تیرا بھی دل پھرا ہے   ورنہ وہی زمین ہے اور وہ ہی آسماں ہے
حاجت چراغ کی ہے کب انجمن میں دل کے   مانندِ شمع روشن ہر ایک استخواں ہے
ان دشمنوں[5] کے ڈر سے دل میں تری محبت   مخفی رکھوں ہوں جیسے غنچے میں بو نہاں ہے
دل[6] کی مرے حقیقت کیا پوچھتے ہو یارو   یا حسرتِ بتاں ہے یا یادِ رفتگاں

ممتاز[7] کیوں نہ ہووے وہ اپنے ہم سروں میں
حاتم کا قدرداں، اب نواب امیر خاں ہے

زمین طرحی ۱۱۵۲ھ[8]

بحر مضارع مسطور

اب کی چمن میں گل کا نے نام و نے نشاں ہے   فریادِ بلبلاں ہے یا شہرۂ خزاں ہے
ہم سیر کر جو دیکھا روئے زمیں[9] کے اُوپر   آسودگی کہاں ہے جب تک یہ آسماں ہے
ہم کیا کہیں زباں سے آپ ہی تو سن رہے گا   شکوہ ترے ستم کا ظالم جہاں تہاں ہے

---

۱ دل، لندن   ۲ دیکھ، لندن
۳ عبث، علی گڑھ   ۴ ۱۱۴۸ھ، لاہور۔ ۱۱۶۸ھ، لندن
۵ لاہور میں یہ شعر اس طرح ہے: ''ڈر سے مخالفوں کے دل میں تری محبت = مخفی کہوں ہوں جیسے غنچے میں بُو نہاں ہے''
۶ حاتم کے رات دن کی اوقات کو نہ پوچھو، لندن   ۷ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۸ ۱۱۴۸ھ، لاہور و رام پور   ۹ جس سرزمین، لندن

مدت ہوئی کہ مر کر میں خاک ہوگیا ہوں
جینے کا بدگماں کو اب تک مرے گماں ہے

ہولی کے اب بہانے چھڑکا ہے رنگ کس نے
نامِ خدا تجھ اوپر اس آن عجب سماں ہے

مکرے[1] سے فائدہ کیا رندوں سے کب چھپی ہے
کیا حاجتِ بیاں ہے جو کچھ ہے سب عیاں ہے

رنگِ گلال مونہہ پر ایسا بہار دے ہے
جوں آفتابِ تاباں زیرِ شفق نہاں ہے

کیسر میں اس طرح سے آلودہ ہے سراپا
سنتے تھے ہم سو دیکھا تو شاخِ زعفراں ہے

آپ ہی میں دیکھ حاتم وحدت کے بیچ کثرت
تو ایک و ایک جا ہے اور دل کہاں کہاں ہے

زمین ولی[2] ۱۱۳۳[3] ھ

بحر رمل مثمن محذوف

کاملوں کا یہ سخن مدت سے مجھ کو یاد ہے
یعنی بے معشوق جینا[4] زندگی برباد ہے

بندگی سے سرو قد کی یک قدم باہر نہیں
کیا ہو اگر سرو کہنے[5] میں اگر آزاد ہے

بے مدد زلفوں کی اس کے حسن نے قیدی کیا
صیدِ دل بے دام کرنا صنعتِ صیاد ہے

رخ[6] کو تیرے دیکھ کر کہتا ہوں میں شمس الضحیٰ
خط تس اوپر سورۂ والشمس کی اسناد ہے

دل نہاں پھرتا ہے حاتم کا نجف کے گرد گرد[7]
گر وطن ظاہر میں اس کا شہ جہاں آباد ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

نہ تن میں استخوان نے رگ رہی ہے
لبوں پر کیونکہ جان اب لگ رہی ہے

ہمیں پوچھو تو ہستی سے عدم تک
مسافت کیا ہے ہاں یک ڈگ رہی ہے

تمہاری یاد میں اے شعلہ خوباں
زبانِ شمع پر لَو لگ رہی ہے

---

[1] نظروں، لندن
[2] لندن، زمین ولی در ۱۱۳۶ھ فی بحر رمل مثمن محذوف مسطور
[3] ۱۱۳۲ھ، لاہور
[4] جگ میں بے محبوب، کراچی و دہلی
[5] کر سرو کہنے کے تئیں، لندن
[6] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
[7] اشرف کے گرد، لندن

ہمیں یک عمر سے کوچے میں اس کے　　تلاشِ پائے بوسِ سگ رہی ہے
نہ جا اس کی طرف تو آج حاتم
وہاں شمشیرِ[1] ابرو بگ رہی ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر مسطور

مجھے کیا دیکھ کر تو تک رہا ہے　　تیرے ہاتھوں کلیجہ پک رہا ہے
جہاں کیونکر نہ ہو نظروں میں تاریک　　تیرا منہ زلف نیچے ڈھک رہا ہے
تمہاری[2] ناقدر دانی کا افسوس　　ہمارے جی میں مرتے تک رہا ہے
خدا کے واسطے اُس سے نہ بولو　　نشے کی لہر میں کچھ بک رہا ہے
پھرا اب تک نہیں حاتم[3] کا قاصد
خدایا راہ میں کیا تھک[4] رہا ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر ایضاً

غم و اندوہ میں دل گھِر رہا ہے　　فلک کچھ ہم سے شاید پھر رہا ہے
دل[5] و جاں دین و ایماں کچھ نہ چھوڑا　　ہمارے پاس کیا اب سر رہا ہے
ہماری[6] جان کے دشمن مر گئے سب　　یہ[7] جی لینے کو اک کافر رہا ہے
فقیروں کی طرح مدت سے حاتم
تمہارے در کے اوپر گر رہا ہے

---

۱ ترو ارابرو، لندن　　۲ تری اس، لندن
۳ قاصد کا حاتم، لندن　　۴ کہیں کیا راہ میں وہ، لندن
۵ لندن میں اس کی جگہ یہ مصرع دیا ہے:
کیا تھا ذبح پھر آتا ہے قاتل
۶ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔　　۷ یہ دکھ دینے کو، علی گڑھ و رام پور

زمین[۱] طرحی ۱۱۶۳ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

جان اس وقت روبرو تو ہے آئینہ کو یہاں کہاں رو ہے
سرکشی سے تری اے سروِ رواں[۲] دلِ قمری کباب گو گو ہے
آ بغل[۳] میں مری کبھو تو کہ جان ایک مدت سے دردِ پہلو ہے
دور ہو دُر کہ میری نظروں میں گوہرِ آبدار آنسو ہے
اس کو زنجیر کی نہ دو تکلیف دل گرفتارِ تارِ گیسو ہے
شیخ اُم الخبائث اس کو نہ جان یہ میرے دردِ دل کی دارو ہے
وہی جانے ہے قدر حاتم کی
جو سخن فہم اور سخن گو ہے

زمین طرحی ۱۱۶۲ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

ہر قدم صحرا میں اُس کا خار دامن گیر ہے باغ میں جاوے تو موجِ رنگ گل زنجیر ہے
شہر میں ہر کوچہ و بازار میں لڑکوں کے ہاتھ یک طرف ہے سنگِ باراں یک طرف تشہیر ہے
پا برہنہ سر کھلے واہی تباہی خستہ حال سر سے پاؤں تک عجب حیرت زدہ تصویر ہے
تِس اوپر باندھے لیے جاتے ہیں گردن[۴] مارنے کوئی نہیں کہتا کہ یہ دیوانہ بے تقصیر ہے
اے فلک پروا نہیں سامانِ عشرت گو نہ ہو ہم ہیں اور کنجِ قفس اور نالۂ شب گیر[۵] ہے
اب تلک پاتا نہیں ہے راہ اس کے دل میں حیف[۶] نالہ میرا اس قدر اے آہ بے تاثیر ہے
کیوں عبث میرے دلِ لاغر اوپر رکھتا ہے دانت استخواں جس کی نہ سونگھے سگ یہ وہ نخچیر ہے
تھا ابھی ہم پاس ابھی جاتا رہا غیروں[۷] کے پاس آشنائی میں وہ گویا[۸] گنجفے کا میر ہے

۱۔ ۱۱۶۹ھ، لندن ۲۔ سرو بلند، لندن ۳۔ آ میری بر میں تو کبھوا ے میاں، لندن
۴۔ اب کرنے کو قتل، لندن ۵۔ خاطر دل گیر، لندن ۶۔ دل کے بیچ، لندن
۷۔ اوروں کے، لندن ۸۔ ناداں، لڑکا، لاہور

مرشدِ کامل سے یہ ارشاد ہے حاتم کے تئیں
بے ادب ہو جو کہ پیر استاد سے بے پیر ہے

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

بحر رمل مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

بزم میں کس کے تئیں فرصتِ مے نوشی ہے — نگہِ مست تری داروئے بے ہوشی ہے
سرو[1] گل رنگ میرا سیر چمن کرتا ہے — بلبل و قمری میں اس وہم[2] سے سرگوشی ہے
لٹ پٹی چال تری دیکھ کے اے سروِ رواں — شاخِ گل باغ میں مشتاق ہم آغوشی ہے
دل[3] کے تئیں صاف تو آئینہ کی مانند بنا — تجھ کو درویش اگر شوقِ نمد پوشی ہے
سازِ درویشی و سامانِ فقیری حاتم
میری فہمید میں تنہائی و خاموشی ہے

زمین[4] طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

اوقاتِ شیخ گو کہ سجود و قیام ہے — میرے کنے[5] تو ایک خدا ہی کا نام ہے
ہر صبح اٹھ بتوں سے مجھے رام رام ہے — زاہد تیری نماز کو میرا سلام ہے
تیری نگہ کے دور میں ایسا[6] ہوا ہوں مست — ساغر سے مجھ کو آنکھ ملانا[7] حرام ہے
ہم اور تیری شکایتیں ظالم خدا سے ڈر — بہتان ہے غلط ہے یہ محض اتہام ہے
دن کو نہ بھوک ہے نہ مجھے رات کو ہے نیند — اس روزگار میں یہ مری صبح و شام ہے
مرتا[8] ہوں آ کے دیکھ تیرے انتظار میں — ورنہ سنے گا اب کوئی دم کو تمام ہے

۱۔ سرو گل رو میرا چاہے ہے کروں سیر چمن، لندن — ۲۔ فکر، لندن و کراچی
۳۔ لندن میں یہ شعر اس طرح ہے: ''جب ہے صاف اپنے کیا دل کو میں آئینہ مثال = تب سے اس کے تئیں بس شوق نمد پوشی ہے
۴۔ ۱۱۶۵ھ، لاہور و لندن — ۵۔ میرے پاس، لندن
۶۔ آنکھوں کے دور میں ترے ایسا پھروں ہوں مست کراچی و لندن
۷۔ لگانا، لندن — ۸۔ ہے جام کی طرح میری آ دیکھ جاں بلب، لندن

قاصد کہاں چلا ہے مجھے بھی خبر تو دے | یک دم تو بیٹھ جا کہ مجھے تجھ سے کام ہے
تجھ[1] کو قسم خدا کی جو جاتا ہے اس طرف | تو بھولیو نہ اتنا ہی میرا پیام ہے
کہیو میری طرف سے نہ پہنچا[2] مرا جواب | اتنا دماغ کیا تیرا حاتمؔ غلام ہے
قاصد سے اس نے سن کے حقیقت کہا کہ واہ | کیا خوب اس سخن کا کوئی یہ مقام ہے
کہنا اسے یہی تو کہ اے بوالہوس ہنوز | عاشق ہوا تو پر یہ تیرا عشق خام ہے

معشوق کی جناب میں کوئی بھی بے ادب
بولا ہے اس طرح سے جو تیرا کلام ہے

زمین[3] طرحی ۱۱۶۹ھ

صید دل جب سے تیرے دام میں ہے | قید پرواز سے آرام میں ہے
دیکھ کر چشم و دہن کو تیرے | دل مرا پستہ و بادام میں ہے
وصل میں ایسی کہاں ہے لذت | جو مزا نامہ و پیغام میں ہے
گم ہے گو دہر میں عنقا کا نشاں | تو بھی وہ آروزئے نام میں ہے
دیکھ تو خانہ نشیں صبحِ وطن | ہم غریبوں کا وطن شام میں ہے
ہے سفر دور کا اس کو در پیش | اپنے چلنے کے سر انجام میں ہے

ڈھونڈھتے کیوں ہو تم حاتمؔ کے تئیں
اپنے گھر میں وہ کسی کام میں ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر[4] مضارع مسطور

پیری میں آج یار مرے ہم کنار ہے | ساقی بیا بیا کہ خزاں میں بہار ہے
اے فصلِ گل پرے ہو نہیں اب ہمیں دماغ | آنکھوں میں آج ہر رگِ گل نوکِ خار ہے
مدت سے خواب میں بھی نہیں نیند کا خیال | حیرت میں ہوں یہ کس کا مجھے انتظار ہے

۱؎ تجھ کو قسم اسی کی جو جاوے ادھر کبھو، لندن
۲؎ نہ بھیجا، لاہور و لندن
۳؎ ۱۱۹۷ھ، لاہور
۴؎ فی بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف مسطور، لندن

حاتم چلی بہار و تیرے دل میں اب تلک — نے حسرتِ جنوں نہ تمنائے یار ہے
حیرت کی نے ہوس نہ ہوائے برہنگی — نے رنگ زرد ہے نہ تو زار و نزار ہے
نے سوختہ جگر نہ ترا سینہ داغ دار — نے خشک لب نہ دیدہ تیرا اشک بار ہے
نے پیرہن پھٹا نہ گریباں ہے تیرا چاک — زنجیر کی صدا سے نہ تو بے قرار ہے
لڑکوں[1] کے سنگ سے نہ تیرا سر ہے آشنا — دیوانوں[2] کی طرح نہ تو کوچوں میں خوار ہے
نے شوق دشت گردی و نے عزمِ سیرِ باغ — نہ گل[3] ہے دست میں نہ کفِ پا[4] میں خار ہے
نے صبح آہِ سرد ہے نے شام آہِ گرم — نے دن کو نالہ رات نہ تو سوگوار ہے
نے درد کی نہ ہجر کی لذت سے تجھ کو کام — نے وصل کے مزے کا تو امیدوار ہے
پھر عاشقی کے نام کو مرتا ہے بے شعور — اس کام میں غرض کہ تو ناکردہ کار ہے
جو تھے فنونِ عشق سو سب تجھ کو کہہ دیئے — خاطر میں لا نہ لا یہ ترا اختیار ہے
سن کر کہا نہیں تو حقیقت سے آشنا — تیری نصیحتوں سے مجھے ننگ و عار ہے
سب منزلیں مجاز کی میں کر چکا ہوں طے — میرے مقام کا تو یہ لیل و نہار ہے
نے مرگ کا تلاش نہ جینے کی آرزو — نے فکرِ عاقبت نہ غمِ روزگار ہے

کیا جبر ہے کہ مجھ کو کہے تیرا اختیار
کو اختیار بندہ تو بے اختیار ہے

زمین[5] طرحی ۲-۱۱۷ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

اگر[6] حاتم جہاں میں مفلس و بے ساز و ساماں ہے — ولے مسند نشینِ صحبتِ مسند نشیناں ہے

---

۱ لوگوں کے پتھروں سے نہ سر کو تیرے ہے ربط، لندن — ۲ دیوانے، لندن
۳ نے، لندن و لاہور — ۴ ترے، علی گڑھ
۵ لندن میں یہ غزل حاشیہ پر بغیر کسی سرخی کے لکھی ہے۔
۶ لندن کے متن کو ترجیح دی گئی ہے، اگر ہمت سے، لاہور، علی گڑھ

زمین اور آسماں سب کچھ سمایا تو بھی ہے خالی
ہماری وسعتِ دل کے برابر کب بیاباں ہے

کبھو کیا زشت سے کیا خوب سے ملتے نہ منہ پھیرا
صفائی دیکھ کر دل کی مرے آئینہ حیراں ہے

پری رویانِ عالم ہوں مسخر جس کی خدمت میں
اگر ہے مور تو بھی وقت کا اپنے سلیماں ہے

دماغ و دل کہاں جو اس کے کوچہ سے اٹھے یارو
میرا دیوانہ بیٹھا انتظارِ سنگِ طفلاں ہے

کماں ابرو نہیں ہم پاس اور ساون کی جھڑ لاگی
ہمارے حق میں یہ باراں نہیں ہے تیرِ باراں ہے

کروں سو خلعتیں قرباں[1] میں عریانی کے جامے پر
نہ دامن کی اسے حاجت نہ محتاجِ گریباں ہے

ادھر دیکھا ادھر بھولا نہ جانا کون تھا کیا[2] تھا
ہماری لوحِ دل پر مثلِ آئینہ کے نسیاں ہے

مسیحا[3] سے بھی منت کش نہیں ہونے کا مرتے تک
مریضِ عشق کب محتاجِ تشخیصِ طبیباں ہے

بہار آنے کی خبریں ہم سے کیا پوچھو ہو دیوانو
دلِ[4] پر غم کو صبحِ عید بھی شامِ غریباں ہے

خدا تجھ کو رکھے گا سرخرو مردوں کے میداں میں
کہ تو مشہور اے حاتم غلامِ شاہِ مرداں ہے

زمین طرحی ۱۱۶۴ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

شیخ تو تو مریدِ ہستی ہے
مئے غفلت کی تجھ کو مستی ہے

طوفِ دل چھوڑ جائے کعبہ کو
بسکہ فطرت میں تیری پستی ہے

کیوں چڑھے ہے گدھے، گدھے اوپر
تیری داڑھی کو خلق ہنستی ہے

تیری تو جان میرے مذہب میں
دل پرستی خدا پرستی ہے

بے خود اس دور میں ہیں سب حاتم
ان دنوں کیا شراب سستی ہے

---

۱ صدقے میں، لندن

۲ ہے، علی گڑھ

۳ مسیحا ہے تو اُس سے بھی علاج اس کا نہیں ہوتا، لندن

۴ دلِ غمگین، لندن

زمین[۱] کوکہ خاں فغاں ۱۱۶۵ھ

بحر خفیف مسطور

باغ میں تو کبھو جو ہنستا ہے — غنچۂ دل مرا بِکستا ہے
ارے بے مہر مجھ کو روتا چھوڑ — کہاں جاتا ہے مینہ برستا ہے
تیرے ماروں[۲] ہوؤں کی صورت دیکھ — میرا مرنے کو جی ترستا ہے
تیری تروار سے کوئی نہ بچا — اب کمر کس اُپر تو کستا ہے
کیوں مزاحم ہے میرے آنے سے — کوئی ترا گھر نہیں یہ رستا ہے
میری فریاد کوئی نہیں سنتا — کوئی اس شہر میں بھی بستا ہے

حاتم اس زلف کی طرف مت دیکھ
جان کر کیوں بلا میں پھنستا ہے

زمین[۳] طرحی ۱۱۶۵ھ

بحر مسطور

جب وہ عالی دماغ ہنستا ہے — غنچہ کھلتا[۴] ہے باغ ہنستا ہے
ہاتھ میں دیکھ کر ترے مرہم — میرے سینے کا داغ ہنستا ہے
کیا ہوا پھر گئی ہے گلشن کی — صوتِ بلبل کو زاغ ہنستا ہے
شمع ہر شام تیرے رونے پر — صبح دم تک چراغ ہنستا ہے

شیخ کی دیکھ صورتِ تقویٰ
آج حاتم ایاغ ہنستا ہے

زمین ولی[۵] ۱۱۳۵ھ

بحر مسطور

جس کو تیرا[۶] خیال ہوتا ہے — اس کو جینا محال ہوتا ہے
خم ابرو کی یاد سے دل پر — زخمِ ناخن ہلال ہوتا ہے

---

۱ زمین طرحی در ۱۱۶۵ھ فی بحر خفیف مخبوں مقطوع مسطور، لندن
۲ مارے، لندن
۳ زمین طرحی دل ۱۱۶۷ھ فی بحر خفیف مخبوں مقطوع مسطور، لندن
۴ غنچہ پھولے ہے، لندن
۵ فی بحر خفیف مخبوں مقطوع مسطور، لندن
۶ پی کا، کراچی

فیضِ[1] قد سے تیرے چمن میں سرو — ہر قدم پر[2] نہال ہوتا ہے
جب میں[3] روتا ہوں کھول کر دل کو — شہر میں برشگال ہوتا ہے
کون جانے ہے غیرِ حق تجھ بن
جیسا[4] حاتم کا حال ہوتا ہے

زمین[5] طرحی ۱۱۳۶ھ

بحرخفیف مخبوں مقطوع مسطور

جس طرف کو کہ یار جاتا ہے — دل ہو[6] بے اختیار جاتا ہے
چاہ، پر دل کی چاہ کی نہ جتا — دل ربا اس میں خوار جاتا ہے
گھات چڑھ من ہرن لگا رمنے[7] — دوڑیو یہ شکار جاتا ہے
بے وفا[8] وعدہ کر نہ آیا حیف
میرا حاتم قرار[9] جاتا ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ[10]

بحرخفیف مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

ابر ہے اور بہارِ باراں ہے — روزِ عید شراب خواراں ہے
لالہ ہم داغ دل ہے عاشق کا — نرگس ہم چشمِ انتظاراں ہے
ابر مونس ہے اشکباروں سے — برق ہم تاب بے قراراں ہے
درد[11] مندوں کی آہ ہے ہم درد — نالہ دمساز سوگواراں ہے
شامِ ہجراں کا رو سیاہ کرو — صبح وصلِ اُمیدواراں ہے
حق[12] کی رحمت کا گرم ہے بازار — روز عفوِ گناہ گاراں ہے

---

۱ چل چمن میں کہ فیضِ قد سے سرو، لندن — ۲ میں، لندن
۳ لندن میں یہ شعر نہیں ہے، حاشیہ پر یہ شعر دیا ہے: ''زلف کا جو نظر پڑے ہے بال = سو مرے جی کو جال ہوتا ہے''
۴ جو کی، لندن — ۵ فی بحر خفیف مخبوں مقطوع مسطور، لندن
۶ ہو بے، علی گڑھ — ۷ رام نے، لندن
۸ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔ — ۹ کیا کروں اب قرار، کراچی
۱۰ ۱۱۶۸ھ، علی گڑھ و لاہور — ۱۱ آہ ہمدرد دردمنداں ہے، لندن — ۱۲ اس کی، لندن و کراچی

سب مہیا ہے عیش کا اسباب
حاتم اب انتظارِ یاراں ہے

زمین[1] طرحی ۱۱۷۴ھ

بحر خفیف مسطور

خاکساروں کا دل خزینا ہے   اس زمین میں بھی کچھ دفینا ہے
سنگ دل ٹک سنبھل[2] کے ہاتھ لگا   دلِ نازک بھی آبگینا ہے
گر یہی دور ہے تو اے ساقی   مے نہیں ہے یہ خون پینا ہے
دل کی لہروں کا طول و عرض نہ پوچھ   کبھو دریا کبھو سفینا ہے
سینہ صافوں سے دل میں کینہ نہ رکھ   زندگی بے نفاق جینا ہے
کوئی تو مست ہے چمن میں نسیم   کہ ہر ایک سرو رشکِ مینا ہے
اس کے وعدے سبھی ہیں سچ حاتم
دن برس ہے گھڑی مہینا ہے

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

دل سے بوئے کباب آوے ہے   کون مستِ شراب آوے ہے
کس زبان سے کروں ترا شکوہ   جی میں کہتے حجاب آوے ہے
کفِ پا دیکھ تیرے مخمل سے   خوابِ مخمل کو خواب آوے ہے
خود بخود دل خوشی ہے شاید آج   میرے خط کا جواب آوے ہے
خوابِ مستی سے اب اٹھو مستو   صبح ہوئی آفتاب آوے ہے
جس نے ویراں کیا ہے کعبۂ دل   پھر وہ خانہ خراب آوے ہے
نوجوانوں کو دیکھ کر حاتم
یاد عہدِ شباب آوے ہے

---

[1] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔   [2] ادب سے، کان پور

زمین[1] طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع مسطور

ابر میں یاد یار آوے ہے — گریہ بے اختیار آوے ہے
باغ سے گل عذار آوے ہے — بوئے گل پر سوار آوے ہے
اے خزاں بھاگ جا چمن سے شتاب — ورنہ فوجِ بہار آوے ہے
اے صبا کس طرف کو گزری تھی — تجھ سے بوئے نگار آوے ہے
ٹک ادھر بھی گزر کہ اس بُو سے — میرے دل کو قرار آوے ہے
مجھ ہوا خواہ سے گریز سو کیوں — تجھ کو کیا مجھ سے عار آوے ہے
سن کے کہنے لگے کسی کے کوئی — کاہے کو بار بار آوے ہے
اس قدر بس کہ روز ملنے سے — خاطروں میں غبار آوے ہے

میں تو کیا حاؔتم ایسے بد خو سے
کس کو صحبت برآر آوے ہے

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

بحر خفیف

توبہ[2] زاہد کی توبہ تلّی ہے — چلّے بیٹھے تو شیخ چلّی ہے
دل میں ہے مکر و ہاتھ میں تسبیح — یہ عبادت نہیں چبلّی ہے
ریش ہے یہ کہ شاخ شانہ ہے — جس کی رندوں کے بیچ کھلّی ہے
پگڑی اپنی یہاں سنبھال چلو — اور بستی نہ ہو یہ دلّی ہے

سگِ شیرِ خدا ہے تو حاؔتم
خارجی تیرے آگے بلّی ہے

---

[1] فی بحر خفیف مخبوں مقطوع مسطور، لندن

[2] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع مسطور

خونِ[1] عاشق شراب جانے ہے ۔۔۔ لختِ[2] دل کو کباب جانے ہے
وہ ستم پیشہ اپنے مذہب میں ۔۔۔ قتلِ[3] عاشق ثواب جانے ہے
گل رخاں[4] گر نہ ہوں تو سیرِ بہشت ۔۔۔ دل ہمارا عذاب جانے ہے
گر یہ و نالہ بے قراریٔ دل ۔۔۔ رعد و برق و سحاب جانے ہے
جب پکارے ہے وہ ابے اوہوت ۔۔۔ عاشق اپنا خطاب جانے ہے
جو ہے کشتی[5] سوار بحرِ فنا ۔۔۔ ہر نفس موجِ آب جانے ہے
مرد بیدار چشم تا دمِ مرگ ۔۔۔ زندگانی کو خواب جانے ہے
کھل گئی جس کی آنکھ مثلِ حباب[6] ۔۔۔ گھر کو اپنے خراب جانے ہے
یک نفس زندگی ہے باقی ہیچ ۔۔۔ اس کے معنیِ حباب جانے ہے

شاہ بادل کا ہر سخن حاتم
اپنے حق[7] میں کتاب جانے ہے

زمین[8] طرحی ۱۱۸۷ھ

بحر خفیف

در پئے دل وہ آفتِ جاں ہے ۔۔۔ جس کے کوچے میں روز طوفاں ہے
گھر نہیں اس کا خونِ مردم سے ۔۔۔ زور قصاب کی سی دوکاں ہے
دل میں جاگہ نہیں کسی کی کہ آج ۔۔۔ اس کا پیکانِ تیر مہماں ہے
دور میں اس کی چشمِ میگوں کے ۔۔۔ مے کدہ بیخ و بن سے ویراں ہے
رات اور دن فراق میں اس کے ۔۔۔ چشمِ گریاں ہے سینہ بریاں ہے
ہر قدم پر ہمیں ہے سیرِ بہشت ۔۔۔ اس کا ہر نقشِ پا گلستاں ہے

---

[1] میرا، لندن و کراچی
[2] دل کو میرے، لندن
[3] ذبح کرنا، لندن و کراچی
[4] گل رخوں کے بغیر، لندن
[5] بخت، لاہور
[6] سراب، علی گڑھ
[7] مطلب صد، لندن
[8] لاہور میں یہ غزل ہے۔

حاتمؔ اس دور کے امیروں میں
حاتمِ وقت ضابطہ خاں ہے

زمینِ[1] طرحی ۱۱۶۱ھ

بحرِ رمل مثمن مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

سر کو پٹکا[2] ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے ۔۔۔ رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے
جی دھڑکتا ہے کہ اس فصل خدا خیر کرے ۔۔۔ عقل کی قید سے دیوانا مرا چھوٹا ہے
در[3] و دیوارِ چمن آج ہیں خوں سے لبریز ۔۔۔ دستِ گل چیں سے مبادا کوئی دل ٹوٹا ہے
آج ہر خارِ بیاباں ہے صد رشکِ چمن ۔۔۔ آبلہ پاؤں سے شاید مرے کوئی پھوٹا ہے

گلشنِ دہر میں سو رنگ ہیں حاتمؔ اس کے
وہ کہیں گل ہے کہیں بو ہے کہیں بوٹا ہے

زمینِ[4] طرحی ۱۱۶۷ھ

بحرِ رمل مثمن مسطور

جنبشِ دل نہیں بیجا تو کدھر بھولا ہے ۔۔۔ کوئی لڑکا اسے گہوارہ سمجھ جھولا ہے
خون تو نے جو بہایا ہے سیہ بختوں کا ۔۔۔ تیرے کوچے میں عجب شام و شفق پھولا ہے
خوب رندوں نے اڑائے ہیں مزے دنیا کے ۔۔۔ ہیز کو بکر ہے مردوں کی وہ مد خولا ہے
بہتر ہے عشق مجازی تجھے بیکاری سے ۔۔۔ جب تلک عشق حقیقی ہو یہ مشغولا ہے

پائے ہمت تو مرا[5] لنگ نہیں ہے حاتمؔ
گو مرے کام کے تئیں دستِ فلک لولا ہے

۱؎ لندن میں یہ غزل حاشیہ پر درج ہے بغیر کسی سرخی کے۔

۲؎ پیٹا ہے، کراچی و لندن

۳؎ لندن میں یہ شعر اس طرح ہے:

خون سے آلود ہے کیوں دامنِ گل آج مگر ۔۔۔ دستِ گل چیں سے کسی ہم سے کا دل ٹوٹا ہے

۴؎ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ ۔۔۔ ۵؎ ترا، لاہور

زمین[1] طرحی ۱۱۶۶ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعلن مفاعیلن فعولن

تیرا قامت قیامت آفریں ہے — تو گویا فتنۂ روئے زمیں ہے
شبِ ہجراں میں تنہائی کی مت پوچھ — مسلسل اشک ہے یا آستیں ہے
ہجومِ انتظار اس درجہ ہے یار — کہ ہر یک داغ چشمِ دور بیں ہے
تیرے اس خرمنِ حسن و ادا کی — جو دیکھا برق بھی اک خوشہ چیں ہے
پسند آوے تو بہتر ہے مرا دل — کہ تیرے نام کے قابل نگیں ہے
لبِ شیریں سے تیرے تلخ دشنام — یہ زہر آلودہ[2] گویا انگبیں ہے
نظر[3] کر ابلقِ ایام دن رات — دو دم جیسے دو اسپ زیرِ زیں ہے
جو آتا ہے تو آ اس وقت اے جاں — کہ اس دم دم ہمارا واپسیں ہے

کبھو حاتم کی مشہد پر نہ گزرا
تغافل کو تیرے صد آفریں ہے

زمین[4] طرحی ۱۱۷۱ھ

بحر ہزج مسطور

جبین پر چیں تبسم زیرِ لب ہے — طلب گار دل آفت طلب ہے
دعا دیتا ہوں اور سنتا ہوں دشنام — کہوں کیا اب تجھے ترکِ ادب ہے
غرض جو کچھ ہے تو سو خوب کچھ ہے — قیامت ہے بلا ہے یا غضب ہے
جفا جور و ستم خشم و تغافل — میاں جو چاہیے سو تجھ میں سب ہے

گزر[5] آئینہ رو حاتم کے دل میں
مکان حیرت و سیرِ حلب ہے

---

[1] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[2] زہر آلودہ، علی گڑھ
[3] یہ دونوں آخری اشعار لاہور میں ہیں۔
[4] لندن میں یہ غزل حاشیہ پر بغیر کسی عنوان کے درج ہے۔
[5] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

طریقت میں اگر زاہد مجھے گمراہ جانے ہے
مرے دل کی حقیقت کو مرا اللہ جانے ہے

وہ بے پروا مرا کب امتیازِ چاہ جانے ہے
مری حالت کو دل اور دل کی حالت آہ جانے ہے

اسے جو دیکھتا ہے دن کو سو خورشید جانے ہے
جو گھر سے رات کو نکلے تو عالم ماہ جانے ہے

ہماری بات کو وہ عاقبت نافہم کیا مانے
جو بدخواہوں کو اپنے اپنا دولت خواہ جانے ہے

مرا دل بارِ عشق ایسا اٹھانے میں دلاور ہے
جو اس کے کوہ دوں سر پر تو اس کو کاہ جانے ہے

ہمیں دیر و حرم شیخ و برہمن سے نہیں مطلب
ہمارا دل تو اپنے دل کو بیت اللہ جانے ہے

وہ وحشی اس قدر بھڑکا ہے صورت سے میرے یارو
کہ اپنے دیکھ سائے کو مجھے ہمراہ جانے ہے

کہیں[1] ہم بحرِ بے پایانِ غم کی ماہیت کس سے
نہ لہروں سے کوئی واقف نہ کوئی تھاہ جانے ہے

خدا[2] کے واسطے انصاف کچھ کیا تماشہ ہے
میں اس کا خیر خواہ اور وہ مجھے بدخواہ جانے ہے

اگر وہ فتنہ جو[3] تجھ سے ملے حاتم تو کہہ دیجو
کہ منصوبے ترے سب بندۂ درگاہ جانے ہے

زمین[4] طرحی ۱۱۷۲ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

عشق کی خانہ خرابی کو تو کیا جانے ہے
تجھ کو ان باتوں سے کیا تیری بلا جانے ہے

ہجر میں نامہ و پیغام کی حاجت کیا ہے
دل میں غنچے کی جو ہے بادِ صبا جانے ہے

رسم و آئینِ بتاں سے جو کوئی واقف ہے
بے وفائی کو تری عینِ وفا جانے ہے

ایسے بے فائدہ جینے سے تو مرنا بہتر
کیا کہوں منہ سے جو ہے دل میں خدا جانے ہے

جو[5] ہے بیمارِ محبت نہیں محتاجِ مسیح
ہجر کے درد کو وہ اپنی دوا جانے ہے

---

[1] لاہور و رام پور میں یہ شعر ہے۔
[2] یہ شعر لندن میں زائد ہے۔
[3] فتنہ گر، لندن
[4] لندن میں یہ غزل حاشیہ پر بغیر کسی عنوان کے درج ہے۔
[5] لاہور اور لندن میں یہ شعر اور دیا ہے۔

جو ہوا دل سے تمنائے شہادت میں فنا　　آبِ خنجر کو ترے آبِ بقا جانے ہے

اس قدر محو ہے حاتمؔ تری الفت میں کہ جان
جو بُرا تو نے کیا اس کو بھلا جانے ہے

زمین[1] طرحی ۱۱۷۲ھ

بحر ہزج مثمن مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل مفعولن

فریاد ترے کوچے میں گر بے ادبی ہے　　تسکین دہِ دل آہ مری نیم شبی ہے
حاضر مرے رہنے سے تو آزردہ نہ ہونا　　مطلب مرے دل کا تری خدمت طلبی ہے
ٹک خاک سے میری تو شتابی سے گزر کر　　ہے خاک ولے اس کے تلے آگ دبی ہے
رکھتا ہے عبادت کے لیے[2] حسرتِ جنت　　زاہد کی خدا ساتھ محبت سبھی ہے

حاتمؔ کو نہیں دغدغۂ روزِ قیامت
بخشندہ خدا ہے تو شفاعت کو نبیؐ ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

خط کے سبزے سے عجب چہرے کا آب و رنگ ہے　　جو مصور دیکھتا ہے تجھ کو سو چپت بھنگ ہے
مظہرِ حق کب نظر آتا ہے ان شیخوں کے تئیں　　بسکہ آئینے پر ان آہن دلوں کے زنگ ہے
جامہ عریانی کا قامت پر مری آیا ہے راست　　اب مجھے نامِ لباسِ عاریت سے ننگ ہے
ہوگئے ہیں اس قدر دوری[3] سے تیری ناتواں　　یک قدم رکھنا زمین پر ہم کو سو فرسنگ ہے
دوستوں[4] سے دشمنی اور دشمنوں سے دوستی　　بے مروّت بے وفا بے رحم یہ کیا ڈھنگ ہے
مسکراتا گالیاں دیتا اکڑتا مست ناز　　ایسے عالم سے تو آتا ہے کہ عالم دنگ ہے

فیض سے ہمت کے حاتمؔ دل تونگر چاہیے
مفلسی سے ان دنوں گو دست تیرا تنگ ہے

---

[1] لندن میں یہ غزل نہیں ہے، لاہور ۱۱۷۳ھ　　[2] کے عوض، علی گڑھ و رام پور
[3] اب تری دوری سے، لندن　　[4] خیر خواہوں سے تجھے ہے عار و بدخواہوں سے پیار، لندن

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

بحرِ رمل مثمن محذوف مسطور

پھر خبر اس فصل میں یارو بہار آنے کی ہے　　اب بجز زنجیر کیا تدبیر دیوانے کی ہے
خاک کر دیوے جلا کر پہلے پھر ٹسوے بہائے　　شمع مجلس میں بڑی دل سوز[1] پروانے کی ہے
بھید زلفوں کا بیاں کرنے میں ہو جاتا ہے گنگ　　ورنہ کہنے کو جو پوچھو سو زباں شانے کی ہے
شیخ اس کی چشم کے گوشے سے گوشے ہو کہیں　　اس طرف[2] مت جاؤ ناداں راہ مے خانے کی ہے
حوصلہ تنگی کرے ہے شہر کے کوچے ہیں تنگ　　اب ہوس دل میں ہمارے سیر ویرانے کی ہے
چاہیے[3] کیا بات کہتے ہو جہاں میں قتلِ عام　　دیر منہ سے اب[4] تمہارے حکم فرمانے کی ہے

جی میں آتا ہے کہ حاتم آج اس کو چھیڑیئے
مدتوں سے دل میں حسرت گالیاں کھانے کی ہے

زمین[5] طرحی ۱۱۸۰[6]ھ

بحرِ رمل مثمن محذوف مسطور

چاند سے تجھ کو جو دے نسبت سو بے انصاف ہے　　چاند کے منہ پر ہیں چھائیں تیرا مکھڑا صاف ہے
قد ترا ہے سرو آنکھیں نرگس اور رخسار گل　　حسن کا دریاؤ سینے سے لگا تا ناف ہے
بھوں کماں پلکیں تری تیر اور نگاہیں برچھیاں　　لب ہیں جوں یاقوت اور باتوں میں تو حراف ہے
خونِ عاشق نے لیا ہے گھیر تجھ کو جانِ من　　گرد دامن کے ترے یہ سرخ یا سنجاف ہے
اوڑھنی[7] نیچے تری کیا ناگ نے اگلا ہے من　　یا یہ چوٹی میں چمکتا تاش کا موباف ہے

دل سے ہے حاتم تری بانکی اداؤں کا غلام
بھولنا مت بندگی اس کی اگر اشراف ہے

---

۱. بڑی، لندن
۲. کس طرف جاتا ہے احمق، لندن۔ کس طرف جاتا ہے بہکا، لاہور
۳. چاہیے کیا بات کہتے ہو جہاں میں قتلِ عام، لاہور
۴. تک، لاہور
۵. لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۶. لاہور میں اس کے بعد وزن 'فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن' بھی دیا ہے۔
۷. لاہور میں یہ شعر اور دیا ہے۔

زمین[1] طرحی ۱۱۸۱ھ

بحر رمل مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

عشق کے شہر[2] کی کچھ آب و ہوا اور ہی ہے | اُس کے صحرا کو جو دیکھا تو فضا اور ہی ہے
تجھ سے کچھ کام نہیں دور ہو آگے سے نسیم | وا کرے غنچۂ دل کو وہ صبا[3] اور ہی ہے
نبض پر میری عبث ہاتھ تو رکھتا ہے طبیب | یہ مرض اور ہے اور اس کی دوا اور ہی ہے
گل تو گلشن میں ہزاروں نظر آئے لیکن | اس کے چہرے کو جو دیکھا تو صفا اور ہی ہے
زاہدو ورد وظائف سے نہیں حاصل کار | جس کو ہو حسن اجابت وہ دعا اور ہی ہے
اے جرس ہرزہ درا ہو نہ تو اتنا چپ رہ | پہنچے پس ماندہ بہ منزل وہ صدا اور ہی ہے

محتسب ہم سے عبث کینہ رکھے ہے حاتمؔ
جو نشا ہم نے پیا ہے وہ نشا اور ہی ہے

زمین[4] طرحی ۱۱۷۶ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

ہمارے حق میں تو صد فتنہ و بلا تو ہے | زہے نصیب میاں جس کا آشنا تو ہے
مرا جہاں میں اذیت رساں نہیں کوئی | جو امتحان کیا یا یہ دل ہے یا تو ہے
ہمارے طوف کو دیر و حرم بہانہ جان | جدھر گزار کریں دل کا مدعا تو ہے
مریضِ عشق ہوں طالب نہیں مسیحا کا | تو منہ دکھا کہ مرے درد کی دوا تو ہے
مہوسی کی ہوس خواب میں نہیں کہ ہمیں | تری نگاہ ہے اکسیر و کیمیا تو ہے
شگفتہ غنچہ کو کرتی ہے گر چمن میں نسیم | ہو جس سے غنچۂ دل وا سو وہ صبا تو ہے
بتاں کا حسن تو ہے جلوہ گر ازل سے ولے | اے جانِ حسنِ جہاں موجدِ ادا تو ہے
ترے دماغ سے سب پر عیاں ہے شوکتِ حسن | تمام شہر کے خوباں میں میرزا تو ہے
نہ کوئی ہے نہ کوئی تھا نہ کوئی پھر ہوگا | اے زیبِ آئینہ جس درجہ خود نما تو ہے

---

[1] لاہور میں وزن نہیں دیا ہے۔ [2] شہر کی، لندن کی یہ ترمیم مناسب ہے۔
[3] صدا، کان پور [4] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

صنم نظر میں تو حاتم کی سر سے تا بقدم
ظہور جلوۂ حق مظہرِ خدا تو ہے

زمین ولی ۱۱۳۷ھ

بحر رمل مسطور مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

اس پری رو کا مجھے ہر دم تصور کام ہے — جس تصور سے دلِ بے صبر کو آرام ہے
اب شراب و ساغر و ساقی کی کچھ حاجت نہیں — چشم کی گردش تری مجھ کو لبالب جام ہے
شکر للہ[1] بعد مدت کے صنم نے لطف سے — کھول کر زلفیں کہا مجھ کو نہ جا اب شام ہے
پستہ لب کی شوخیٔ مژگاں کی شہرت کیوں نہ ہو — جس کی ہیبت سے مشبک سینۂ بادام ہے

کھب گئی ہے دل میں حاتم کے تری بانکی ادا
جاتے[2] جاتے ٹک بتاتا جا ترا کیا نام ہے

زمین طرحی ۱۱۶۲ھ

بحر رمل مسطور مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

عاشقوں کے سیر کرنے کا جہاں ہی اور ہے — ان کے عالم کا زمین و آسماں ہی اور ہے
پوچھتا پھرتا ہے کیا ہر ایک سے ان کا سراغ — لامکاں ہیں ان کو رہنے کا مکاں ہی اور ہے
آزمائش[3] ان کی وضعوں کا تجھے ہے گا ضرر — یہ وہ فرقہ ہے کہ ان کا امتحاں ہی اور ہے
کیا خریدے گا خراب آباد کے بازار میں — درد کی ہو جنس جس میں وہ دکاں ہی اور ہے
سنگ و گل کا طوف ہو تجھ کو مبارک حاجیو[4] — حضرتِ دل کے حرم کا کارواں ہی اور ہے
بیٹھنے کو شاخِ طوبیٰ پر نہیں کرتیں نگاہ — اس چمن کی بلبلوں کا آشیاں ہی اور ہے

اس کو کیا نسبت کسی افسانہ و قصے کے ساتھ
عشق کے دفتر کی حاتم داستاں ہی اور ہے

---

[1] دہلی میں مصرع یوں ہے: شکر ہے کہ بعد مدت میں سجن نے آج یوں

[2] لندن میں یہ مصرع اس طرح ہے : کیوں نہ بھاوے دل کو ہر دم جس کا بہانا نام ہے۔ دہلی، میرے جس کا دلبر نام ہے۔

[3] محنتوں کی آزمائش ان کی کچھ حاصل نہیں، لندن [4] صاحبو، علی گڑھ

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

دلبری[1] میں تو میرا یار ہنر رکھتا ہے
مل کے ہر ایک کا دل ہاتھ میں کر رکھتا ہے
صبر و آرام خور و خواب تو سب ہم سے لیا
ایک اب جان ہے تس پر بھی نظر رکھتا ہے
اس ترے پیار کی نظروں سے ہے ظاہر شاید
نالۂ زار ہمارا بھی اثر رکھتا ہے
بن ترے رات کو کیا کیا مرے دل پر گزرا
تو تو اس بات کی کاہے کو خبر رکھتا ہے
حق[2] نے ہر اک کو دیا قد کے موافق خلعت
دامنِ دشت ہے تو کوہ کمر رکھتا ہے
میں[3] تو کیا ہوں گا اے جلاّد فلک
تری شمشیر تلے آن کے سر رکھتا ہے
چشم بد دور کہ حاتم بھی تری دولت سے
جگرِ سوختہ و دیدۂ تر رکھتا ہے

زمین شاہ مبارک آبرو ۱۱۵۱ھ

بحر رمل مثمن مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

جوں تری پتلی مری چشم میں آ پھرتی ہے
اسی دم روح تری گرد میں جا پھرتی ہے
کاہلی ہو کے نہ جا اب تو چمن میں بلبل
کہ گلستاں[4] تو ہے بے آب و ہوا پھرتی ہے
اٹھ چلا جوں وہ کہا میں نے میاں ٹک پھر آ
بولا غصے سے کہ اب میری بلا پھرتی ہے
دخترِ رز کو دیکھو مجمعِ رنداں میں مدام
پردۂ شرم اڑا[5] گھر کو جلا پھرتی ہے
اس سبب پھولے سماتے نہیں گل جامے میں
کہ کھلے بند چمن بیچ صبا پھرتی ہے
مری باتوں سے اب آزردہ نہ ہونا ساقی
اس گھڑی عقل مری مجھ سے جدا پھرتی ہے

---

[1] دل کے لینے میں میرا یار ہنر رکھتا ہے، لاہور
[2] حق نے بخشا ہے ہر ایک قد کے موافق خلعت، لاہور
[3] لندن میں یہ شعر مزید ہے۔
[4] کہ گلستاں ہے۔ لندن کراچی، رام پور و علی گڑھ
[5] اٹھا، کراچی

حاتم[1] اُس ماہ کی حسرت میں[2] ہر اک مجلس[3] میں
شمع بھی تن کو گلا سر کو کٹا پھرتی ہے[4]

زمین[5] طرحی ۱۱۵۳ھ

بحر رمل مسطور

قدر جانے ہے سخن گو کی جو کوئی انساں ہے — نطق کا فہم نہیں جس کے تئیں[6] حیواں ہے
خوب اور زشت کی تفریق نہ پوچھو مجھ سے — مظہرِ حق ہے یہاں عقل مری حیراں ہے
جس کو اس وقت میں کچھ سدِ رمق پہنچے ہے — بحر و بر کا وہ سکندر کی طرح[7] سلطاں ہے
زورِ[8] احساں سے کرے زیر زبر دستوں کو — شیوۂ مردمی و کارِ جواں مرداں ہے

دین و دنیا سے گزر[9] سب سے ہوئے ہیں آزاد
حاتم اب معتقدِ ہمتِ درویشاں ہے

زمین طرحی در ۱۱۶۳ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

ایک پر ایک گھٹا دل سے سرس آتی ہے — ہر برس جا کے ترے گھر میں برس آتی ہے
آج بیضے سے نکلتی ہے جو بلبل صیاد — سو تیرے دام میں مشتاقِ قفس آتی ہے
نمکِ حسن کا سنتا ہوں ترے جوں جوں شور — توں توں ملنے کی مرے دل میں ہوس آتی ہے
بوالہوس گو کریں تیرے لبِ شیریں پر ہجوم — تلخ مت ہو کہ مٹھائی سے مگس آتی ہے
کون گزرا ہے چمن بیچ معطر ہو کر — کہ ہر ایک خار سے خوشبوئے خُس آتی ہے

---

۱ حاتم اب اس لگن بیچ سدا محفل میں، لندن و کراچی
۲ الفت میں، علی گڑھ — ۳ محفل، لندن و کراچی
۴ لندن میں اس غزل کے حاشیہ پر یہ شعر لکھا ہے جس کا پہلا مصرع ہے: شیخ نے سجدۂ بتاں کو اب چھوڑ نماز۔ دوسرا مصرع مٹ گیا ہے۔
۵ لندن میں یہ غزل حاشیہ پر لکھی ہے بغیر کسی سرخی کے۔ — ۶ نہ ہو جس کو سو وہ، لندن
۷ سکندر کی طرح، لندن۔ سکندر منش، لاہور و علی گڑھ — ۸ روز، علی گڑھ
۹ گزر کر جو، لندن و لاہور

موسمِ گل کا مگر قافلہ جاتا ہے کہ آج سارے غنچوں سے جوآوازِ[1] جرس آتی ہے
کچھ خبر تجھ کو بھی ہوتی ہے جو دل حاتم کا
ناگنی زلفِ رسا کی تیری ڈس آتی ہے

زمین[2] طرحی ۱۱۸۸ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوب محذوف

اے مرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے عشق کی گرمیٔ بازار کہاں جاتا ہے
کوئی بھی ڈھنگ[3] مروت کا ہے تجھ میں ظالم چھوڑ کر مجھ[4] کو تو بیمار کہاں جاتا ہے
ایک بھی ہاتھ سے تیرے نہ بچا اے قاتل پھر لیے ہاتھ میں تروار کہاں جاتا ہے
خلق بدنام کرے گی تجھے میں ڈرتا ہوں نیم شب کو اے مرے یار کہاں جاتا ہے

زمین[5] طرحی ۱۱۹۰ھ

بحر رمل مسطور

کون یہ سادہ و پرکار چلا جاتا ہے کون اس سج سے طرح دار چلا جاتا ہے
ہم تری راہ میں جوں نقشِ قدم بیٹھے ہیں تو تغافل کیے اے یار چلا جاتا ہے
خانہ جنگی کا تجھے زور پڑا ہے چسکا روز دس بیس سے تروار چلا جاتا ہے
جس طرح موسمِ برسات میں جھڑ لگتی ہے متصل اشک کا یوں تار چلا جاتا ہے
مشفقو دردِ محبت کو مرے مت پوچھو قرن گزرے وہی آزار چلا جاتا ہے
جنسِ دل عشق کے بازار میں ہے سوختنی دیکھتا ہے جو خریدار چلا جاتا ہے
راہ میں غمزدۂ عشق کو کیا ٹوکو ہو اپنی حالت میں گرفتار چلا جاتا ہے
عمر یوں جلد چلی جائے ہے جوں وقتِ غروب دوڑتا سایۂ دیوار چلا جاتا ہے
تو جو کہتا ہے کہ حاتم کو یہاں بار نہیں
وہ تو گھر میں ترے سو بار چلا جاتا ہے

۱؎ اب، لندن ۲؎ لندن میں یہ غزل نہیں ہے، ۱۱۸۳ھ، لاہور
۳؎ رسم، علی گڑھ ۴؎ ہم کو، لاہور
۵؎ لاہور میں یہ غزل اور ہے جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔

حسب الفرمائش نواب علی اصغر خاں بہادر ۱۱۳۸ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع مسطور زمین ولی

خوب رو یوں میں تجھے رتبۂ اُمرائی ہے — فوجِ عشاق ترے حسن[۱] کی مجرائی ہے
دیکھ رخسار ترا گل نے گریباں پھاڑا — اور کلی لب کو ترے دیکھ کے کھلائی ہے
خوش قدوں بیچ تجھے کیوں نہ کہوں سر و بلند — سیر اب دل کو مرے عالمِ بالائی ہے
موج ہے خط پہ ترا حسن کے دریا اوپر — خطِ خوبانِ جہاں جس کے آگے کائی ہے
تیر ہیں پھرتے نگہ ترک کماں ابرو کے — باز[۲] گشتی کا لگانا فنِ مغلائی ہے
ڈوبے رہتے ہیں سدا اشک کے پانی میں مگر — پتلے چشموں[۳] کے لیے مرے مردمِ دریائی ہے
نہ چھپے دخترِ رز پردۂ مینا میں سو کیوں — محتسب تیرے بڑھاپے سے یہ شرمائی ہے
اے ولی مجھ سے تو آزردہ نہ ہو نا کہ مجھے — یہ غزل کہنے کو نواب نے فرمائی ہے
اے دل اب خوش ہو ترے ہجر کے گزرے ایام — یارِ غم خوار کے ملنے کی گھڑی آئی ہے
اس[۴] کو زنجیر کی حاجت نہیں دیوانوں میں — جو تری زلفِ گرہ گیرِ کا سودائی ہے
یعنی فیاض زمانے کا علی اصغر خان — جس کی ہمت کی اب حاتم نے قسم کھائی ہے

زمین طرحی ۱۱۴۷ھ

بحر رمل مسطور

اے پری دل کو ترے عشق میں حیرانی ہے — یک نظر اس کو تری قیدِ سلیمانی ہے
ہائے بے درد سے میں دل کو لگایا تھا کیوں — اب تلک جس کی مرے دل میں پشیمانی ہے
میں نے جس روز سے دیکھے ہیں ترے بال کھلے — مو بہ مو مجھ کو اُسی دن سے پریشانی ہے
جب سے آزاد ہوا ہوں نہیں ہوں بندِ قبا — کہ خدا ساز مرا جامۂ عریانی ہے

قحبہ دنیا کے کبھو حسن پر حاتم مت بھول
نفس کو پھیر کہ یہ خطرۂ شیطانی ہے

---

۱ ہر اک طرف سے، لندن و کراچی
۲ باز گشت تیر چلانا، کراچی
۳ آنکھوں، کراچی
۴ لاہور میں یہ شعر زائد ہے۔

زمین[1] طرحی ۱۱۹۶ھ

بحر رمل مسطور

رات دن یار بغل میں ہو تو گھر بہتر ہے ۔۔۔ ورنہ اس گھر کے تو رہنے سے سفر بہتر ہے
گر لبِ خشک و دلِ گرم نصیبوں میں نہ ہو ۔۔۔ تو دمِ سرد ہی اور دیدۂ تر بہتر ہے
گو نہ ہو فضل و ہنر مرد کو طالع ہیں شرط ۔۔۔ یار طالع بھی نہ ہو تو بھی ہنر بہتر ہے
ہیں جو تجھ لب کے نمک داں کے نمک پروردہ ۔۔۔ کب کہیں گے کہ ترے لب سے شکر بہتر ہے
شوخ ہے بانکہ ہے غنڈا ہے بڑا ہت چھٹ ہے ۔۔۔ پھر کے مت دیکھ اسے اک ہی نظر بہتر ہے
وہ جو تروار کو کھینچے ہوئے آوے سر پر ۔۔۔ سر سپر ہو نہ سکے سینہ سپر بہتر ہے

قول اور فعل میں ہے اس کے تفاوت حاتمؔ
ایسے مکار کی صحبت سے حذر بہتر ہے

زمین[2] طرحی ۱۱۶۳[3]ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

طمع بوسے کی رکھنا لب سے ترے محض بیجا ہے ۔۔۔ توقع گالیوں کی بھی ترے منہ سے اچنبھا ہے
ہوئی یک عمر ہم کو بندگی و جانفشانی میں ۔۔۔ نہ تجھ سے چشمِ شفقت ہے نہ امیدِ دلاسا ہے
گنواروں کی ہنسی ہے موت چڑیا کی سنا ہوگا ۔۔۔ ادھر عاشق کا جی نکلے اُدھر تجھ کو تماشا ہے
حباب آسا اگر قطرہ اٹھاوے وہم کا پردا ۔۔۔ پھر آنکھیں کھول کر دیکھے تو آپ ہی عین دریا ہے
تعین کے تقید کو اٹھا کر دید قدرت کا ۔۔۔ کہ تیری چشم کے آگے ترے خطرے کا پردا ہے

مبارک عشق کے کشور[4] کی تجھ کو سلطنت حاتمؔ
جنوں ہے خانساماں جس کا اور دیوان سودا ہے

---

[1] لاہور میں یہ غزل ہے۔
[2] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[3] ۱۱۶۷ھ، لاہور
[4] اقلیم، علی گڑھ

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ[۱]

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن[۲] مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بتیسی اس طرح ہنسنے میں تیری اب جھمکتی[۳] ہے — کہ سب کہتے ہیں اس کو آج کیا بجلی چمکتی ہے
تیرے رخسار و قد نے دھوم ڈالی ہے گلستاں میں — ادھر بلبل سسکتی ہے ادھر قمری بلکتی ہے
دوچار اب کس طرح تجھ سے ہو ہم چشمی کے دعوے سے — کہ نرگس کی چمن میں دیکھ کر گردن ڈھلکتی ہے
جو پیاسے ہیں شہادت کے انھیں شربت سے میٹھا ہے — کہ اس[۴] دم آب تیری تیغ کی ایسی چپکتی ہے
پری ہم جان کر اس کو چھپایا شیشہ خانے میں — یہ تو بھی دخترِ رز پردۂ مینا سے تکتی ہے

جگر کی آگ اوپر اشک کے پانی کو اے حاتمؔ
میں[۵] جتنا ہی چھڑکتا ہوں وہ اتنا ہی بھڑکتی ہے

زمین طرحی ۱۱۴۸ھ

بحر[۶] ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ کالی زلف ترے مونہہ اوپر ایسی لٹکتی ہے — کہ دل میں پیچ کھا کھا ناگن اپنا سر پٹکتی ہے
یہ تیری اچپلائی دیکھ کر دل رقص کرتا ہے — کبھو آنکھ اور کبھو چہرے کے اوپر بھوں مٹکتی ہے
کبھو[۷] تو رو تو اس کو خاک اوپر جا کے اے لیلیٰ — کہ بن پانی جنگل میں روح مجنوں کی بھٹکتی ہے
جنوں نے اس قدر ہلکا کیا ہر یک کی نظروں میں — کہ میرے ہاتھ سے اپنا خرد دامن جھٹکتی ہے

مزا جینے کو کچھ ہم کو نہیں بن اس کے اے حاتمؔ
ہماری سانس جی میں پھانس سی ہر دم کھٹکتی ہے

---

۱ ۱۱۴۹ھ، لندن۔ ۱۱۶۳ھ، لاہور
۲ ''مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن''، لندن — ۳ چمکتی، علی گڑھ
۴ کہ اب اس تیغِ مصری کی تری ایسی چمکتی ہے۔ لاہور۔ لندن، کراچی، رام پور و علی گڑھ کا متن درج کیا گیا ہے۔
۵ میں جوں جوں آب چھڑکتا ہوں وہ توں توں اب دہکتی ہے، لندن
۶ بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن، لندن — ۷ چاہ سے، لندن

زمین[1] طرحی ۱۱۶۵ھ

بحر ہزج مسطور

کدھر جاتا ہے میرے ہاتھ تیری اب تو چوٹی ہے
بتا تو زلف تیری کس نے یہ نوچی کھسوٹی ہے

شرابِ ناز سے مجلس[2] میں خوباں مست ہیں باہم
کبابِ دل میرا ان سب کے ہاتھوں تِکّہ بوٹی ہے

گدا کو گر قناعت ہو تو پھاٹا چیتھڑا بس ہے
وگرنہ حرص آگے تھان سو گز کا لنگوٹی ہے

یہ مسئلا شیخ سے پوچھو کہ ہم اس جھگڑے سے فارغ ہیں
کہ ڈاڑھی شہر میں کس کی بڑی اور کس کی چھوٹی ہے

اگر تو کیمیا چاہے تو مر کر خاک ہو پہلے
کہ خالص زر نہیں ہونے کا جس کی عقل کھوٹی ہے

بچاوے حق عذابِ جوع سے اس دور میں حاتمؔ
جدھر سنتا ہوں اب سب کی زباں پر روٹی روٹی ہے

زمین[3] طرحی ۱۱۶۴ھ

بحر ہزج مسطور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ہماری عقلِ بے تدبیر پر تدبیر ہنستی ہے
اگر تدبیر ہم کرتے ہیں تو تقدیر ہنستی ہے

اسیروں کا نہیں کچھ شور و غل[4] یہ آج زنداں میں
مرے دیوانہ پن کو دیکھ کر زنجیر ہنستی ہے

کبھو پہنچی نہ اس کے دل تلک رہ ہی میں تھک بیٹھی
بجا اس آہِ بے تاثیر پر تاثیر ہنستی ہے[5]

تو صورت اس کی کیا کھینچے گا اپنی دیکھ تو صورت
مصور اس تری تصویر پر تصویر ہنستی ہے

وہی ہے مرد جو ہو رو برو تروار کے حاتمؔ
کہ منہ کے پھیرتے نامرد پر شمشیر ہنستی ہے

زمین[6] طرحی ۱۱۶۳ھ

بحر مسطور

لڑکپن سے نکل جب آپ کو تم نے سنبھالا ہے
کہوں کیا اور ہی نامِ خدا جو بن نکالا ہے

---

۱ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۲ اس وقت، علی گڑھ
۳ ۱۱۶۲ھ، لندن
۴ غل یہ جو تم سنتے ہو، لندن
۵ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۶ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ ۱۱۶۴ھ، لاہور

کریں تھیں قمریاں تعریف سرو اور ہم ترے قد کے
جو آیا تو چمن میں تو ہمارا بول بالا ہے

مگر وہ شمع رو آتا ہے اس کوچے میں اے یارو
کوئی تو دوڑ کر ٹک دیکھنا یہ کیا اُجالا ہے

نظر میں اس کی جو چڑھتا ہے سو جیتا نہیں بچتا
ہمارا سانولا اس شہر کے گوروں میں کالا ہے

چلا جا محتسب مسجد میں حاتم سے نہ بحثا کر
کہ طاعت اس کے مشرب میں صراحی اور پیالا ہے

زمین طرحی ۱۱۴۳ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

وہی ہے مرد اس عالم میں جس کے بیچ ہمت ہے
کہ ہمت سے جہاں میں نام کو حاتم کے عزت ہے

گدا ہوں پر طمع رکھتا نہیں میں بادشاہوں سے
کہ دنیا دار ہے درویش کو دولت قناعت ہے

بلاوے قول پر وہ تو اسی دم جاں سے حاضر ہو
وفائے وعدہ کرنا صادقوں کو عینِ راحت ہے

وہ تجھ میں چھپ رہا تو ڈھونڈھتا ہے جا بجا اس کو
غلط[1] سمجھا ہے تو تنکے کے اوجھل دیکھ پربت ہے

دو[2] عالم چھوڑ کر مانگے ہے تجھ سے تجھ کو اے پیارے
گدا ہونا تری درگاہ کا حاتم کو حرمت ہے

عرضی[3] بخدمت عمدۃ الملک نواب امیر خاں بہادر[4] ۱۱۵۶ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تمہارا عمدۃ الملک اس قدر سے خوانِ نعمت ہے
کہ جس پر رات دن شاہ و گدا مہمانِ نعمت ہے

جسے دیکھوں ہوں تیری بندگی میں ہیں نہ یک تنہا
تری دولت سے ہر اک صاحبِ الوانِ نعمت ہے

کہیں ہیں مہر و مہ جس کے تئیں روشن ہے عالم پر
سو دستر خوان کا تیرے دو قرصِ نانِ نعمت ہے

سحر[5] سے شام تک اور شام سے تا صبح برسوں سے
ہمارا کام تیری بزم میں سامانِ نعمت ہے

---

۱ غلط فہمید چھوڑ اور، علی گڑھ، کراچی
۲ دو عالم چھوڑ کر آ مانگتا ہے تجھ سے تجھ کو، لندن و کراچی
۳ لندن میں یہ عبارت اس طرح ہے:
'عرضی بہ جناب نواب عمدۃ الملک در استیفائے خدمت'
۴ ۱۱۴۵ھ، لندن، ۱۱۵۸ھ، لاہور
۵ مدت تک، لندن

ہوا ہوں سیر ایسا چاشنی سے چشک کی تیرے
خدا شاہد ہے کس کافر[1] کو پھر ارمانِ نعمت ہے

جیوں گا جب تلک حقِ نمک تیرا نہ بھولوں گا
رہے گا یاد سب جو کچھ ترا[2] احسانِ نعمت ہے

ہوا ہوں جب سے داروغہ تیرے باوچی خانے کا
اگر شکوہ کروں اس کا تو یہ کفرانِ نعمت ہے

و لے قیدی ہوا ہوں بسکہ رات اور دن کی محنت سے
ہے مطبخ کانِ نعمت پر مجھے زندانِ نعمت ہے

یہی ہے عرض خدمت میں تری حاتم بکاول کی
یہ خدمت[3] بخش اس کو جو کوئی خواہانِ نعمت ہے

زمین[4] طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

وہ شوخ دل پسند بڑا خود پسند ہے
جس کو اثر کسو کی نصیحت نہ پند ہے

آئینہ دیکھتا ہے مبارک ہو ماہِ من
اس وقت تیرے حسن کا عالم دو چند ہے

رخسارِ آتشیں کی تری کیا صفت کروں
مدت ہوئی کہ اس کا مرا دل سپند ہے

دل بند ہو رہا ہے محبت کے تار میں
زنجیر کی ہوس نہ ہوائے کمند ہے

کہیو میری[5] طرف سے تغافل شعار کو
کس عمر سے قفس میں ترا صید بند ہے

کس سے کہوں میں حالِ دل اپنا کہ تا سنے
اس شہر میں رہا بھی کوئی درد مند ہے

حاتم کو ایک بوسہ عطا کر کہ جانِ من
دونوں جہاں کے بیچ سخی سر بلند ہے

زمین[6] طرحی

طبع تیری عجب تماشا ہے
گاہ تولا ہے گاہ ماشا ہے

خوب بگڑا تھا خوب سنبھلا ہے
خوب اپنے تئیں تراشا ہے

---

[1] کافر کے تئیں، لندن
[2] مجھے سب یاد ہے جو جو
[3] یہ خدمت کر عنایت، علی گڑھ
[4] ۱۱۶۸ھ، لندن
[5] کوئی ادب سے، لندن
[6] لندن میں اس کے بعد یہ دو شعر اور دیے ہیں۔

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر مضارع مثمن اخرب محذوف مکفوف۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

ٹک کھول زلف اپنی زنجیر ہے تو یہ ہے
دیوانہ پن کی میرے تدبیر ہے تو یہ ہے

میں راستی کہوں ہوں تم بخشو یا نہ بخشو
دل چاہتا ہے تم کو تقصیر ہے تو یہ ہے

یک تارِ زلف تیرا ہے لاکھ دام مجھ کو
منصب کے عاشقوں کے جاگیر ہے تو یہ ہے

کچھ غم نہیں جو مجھ پر ترکش تہی کرے تو
ڈر ہے مجھے نگہ کا گر تیر ہے تو یہ ہے

کس کام کی ہمارے یہ کیمیائے ہستی
محتاج یک نظر ہوں اکسیر ہے تو یہ ہے

سبِ[2] قتل کا ہمارے اسباب ہے مہیا
باقی ہے یک اشارت تاخیر ہے تو یہ ہے

عالم کا ہم مرقع سب سیر کر کے دیکھا
اس صفحۂ زمیں پر تصویر ہے تو یہ ہے

حاتمؔ بنائے مسجد ہے کام عابدوں[3] کا
کر راست کعبۂ دل تعمیر ہے تو یہ ہے

زمین[4] طرحی ۱۱۸۲ھ

بحر مضارع اخرب مکفوف محذوف

اس جنگجو سے ایسا موافق زمانہ ہے
بندوق تک بھی اس کی جو دیکھا خزانہ ہے

دیکھے ہے کیا مرے دل صد چاک کی طرف
مشاطہ زلفِ یار نہ محتاجِ شانہ ہے

آتا ہے خواب اس کو مرا سن کے دردِ دل
بے درد کے خیال میں یہ بھی فسانہ ہے

بارش رہے ہے تیرِ ملامت کی روز و شب
ناصح کے ہاتھ سے دلِ عاشق نشانہ ہے

اس درجہ مغ بچوں کے تصور کا ہے ہجوم
حاتمؔ کا دل ہے یا یہ خرابات خانہ ہے

زمین[5] ولی ۱۱۳۸ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مسطور

الفت کی مجھ کو پیارے تیری نگاہ بس ہے
گر پے بہ پے نہ ہووے تو گاہ گاہ بس ہے

---

۱ وہ، لندن
۲ یہ شعر نسخۂ لاہور میں زائد ہے۔
۳ زاہدوں کا، لندن
۴ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ لاہور میں ۱۱۸۱ھ ہے۔
۵ لندن میں 'مسطور' کے بجائے 'مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن' وزن دیا ہے۔

تیرے غبار خط کے سبزے کا دل ہے پیاسا درویش کے نشے کو چٹکی گیاہ بس ہے
نکلے سے جس کے حاتم شہروں میں عید ہووے سارے برس میں مجھ کو وہ ایک ماہ بس ہے

زمین طرحی ۱۱۸۲ھ

بحر مضارع مسطور

کہیو[1] زباں سے بات سمجھ کر جو ہوش ہے دیوار کے بھی ہم نے سنا ہے کہ گوش ہے
دنیا کی چال ہم کو انوکھی نظر پڑی دیکھا تو ہر قدم میں یہاں نیش و نوش ہے
میری برہنگی کا سبب شیخ کچھ نہ پوچھ دستار و جامے تک گروِ مے فروش ہے
مانند زلف کے تری عاشق تمام عمر جوں شام تیرہ بخت ہے خانہ بدوش ہے
درپے ہے عیب جو تیرے حاتم تو غم نہ کھا
دشمن ہے عیب جو تو خدا عیب پوش ہے

زمین ولی[2] ۱۱۳۹[3]ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع ۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

نگہِ لطف[4] دل ربا بس ہے مجھ سے مس کو یہ کیمیا بس ہے
ناتوانوں کو وقتِ پیری کے ہر قدم آہ کا عصا بس ہے
سفرِ عاشقی[5] میں عاشق کو زادِ رہ دل کا مدعا بس ہے
قتل کرنے کو ایک عالم کے تیری تروار سی ادا بس ہے
بلبلِ دل کو گل سے کام نہیں جائے گل تیرا نقشِ پا بس ہے
تیرے[6] در پر گدا ہوا عالم بے نوا کی یہی صدا بس ہے
کچھ نہیں چاہتا میں حاتم ہوں
مجھ کو ہر آن میں خدا بس ہے

۱۔ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ ۲۔ ولی، لندن
۳۔ ۱۱۳۷ھ، لندن و لاہور ۴۔ زلف، علی گڑھ
۵۔ عشق پیچ، لندن و کراچی ۶۔ لندن میں اس غزل کے حاشیہ پر یہ شعر دیا ہے۔

زمین[1] طرحی ۱۱۷۲ھ

بحرِ ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

پھرتا ہے کدھر اے دل ناشاد کہاں ہے | دنیا میں جو چاہے تو دلِ شاد کہاں ہے
کیا آہ کے تیشے میں لگاتا ہوں جگر پر | آ دیکھے تماشا مرا فرہاد کہاں ہے
نالے کو رسائی نہیں ہے گوش تک اس کے | ہے وقت مدد طاقتِ فریاد کہاں ہے
بخشی[2] ہے مجھے بے پر و بالی نے اسیری | آ پہنچ شتابی مرے صیاد کہاں ہے
کس کو ہے توقع کہ ہو آزاد قفس ہے | احوال اسیروں کا اسے یاد کہاں ہے
گردن زدنی جمع ہیں اس وقت تو لیکن | وہ خون کا پیاسا مرا جلاد کہاں ہے

حاتم جسے دیکھوں ہوں سو بندا ہے خدا کا
کہنے کو ہے آزاد پر آزاد کہاں ہے

زمین[3] طرحی ۱۱۷۲ھ

بحرِ مسطور

پیری میں جوانی کا سا اب ہوش کہاں ہے | پھر تازہ کرے عشق کو وہ جوش کہاں ہے
اس کے قدِ موزوں سے نہ دو سرو[4] کو تشبیہ | ہے راست پر اس کا سا بردوش کہاں ہے
لبریز مئے سرخ سے ہیں گل کے پیالے | گلشن میں وہ اس وقت قدح نوش کہاں ہے
تنہائی سے آتی نہیں دن رات مجھے نیند | یارب مرا ہم خواب و ہم آغوش کہاں ہے

حاتم کا تو ہر مو ہے زباں وصفِ بتاں میں
اس دُر کو جو لے کان میں وہ گوش کہاں ہے

زمین طرحی ۱۱۸۹ھ

بحرِ رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

کیا ہوا گر شیخ یار و حاجی الحرمین ہے | طوفِ دل کا حق[5] میں اس کے دین فرضِ عین ہے

---

[1] ۱۱۷۳ھ، لاہور [2] بخشے ہے، علی گڑھ
[3] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ [4] سے، علی گڑھ [5] سر پر، لاہور

رات دن جاری ہیں کچھ پیدا نہیں ان کا کنار — میرے چشموں کا دو آبہ مجمع البحرین ہے
غیر جاوے اس کے گھر اور وہ نہ آوے گھر مرے — دونوں باتیں دوستاں حق میں میرے خبرین ہے
وقت فرصت دے تو مل بیٹھیں کہیں باہم دو دم — ایک مدت سے دلوں میں حسرتِ طرفین ہے
آؤ اے ساقی شتابی آ کے شمع بزم ہو — ساری مجلس انتظاری میں تری بے چین ہے

دو قرن گزرے اسی فکرِ سخن میں روز و شب
ریختے کے فن میں حاتم آج ذو القرنین ہے

زمین[1] طرحی ۱۱۷۰ھ

بحر ہزج مثمن مسطور

دل عشق کے سودا[2] میں ترے پیر ہوا ہے — تب شہر میں جا قابلِ تشہیر ہوا ہے
جس راہ[3] سے گزرا ہوں مرے فیضِ جنوں[4] سے — ہر نقشِ قدم حلقۂ زنجیر ہوا ہے
جلتا ہے مرا زخمِ دل اب شمع کی مانند — شاید پرِ پروانہ پُر تیر ہوا ہے
آتی ہیں پسینے میں مرے عطر کی لپٹیں — جب سے وہ گل اندام[5] بغل گیر ہوا ہے
جو اشک تصور میں ترے چشم سے ٹپکا[6] — سو صورتِ حیرت زدہ تصویر ہوا ہے

ہوتا ہے وہی ہوگا وہی روزِ ازل سے
حاتم تیری قسمت میں جو تقدیر ہوا ہے

زمین[7] طرحی ۱۱۸۷ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

نے کعبہ کی ہوس نہ ہوائے کنشت ہے — دیکھا تو دونوں جائے وہی سنگ و خشت ہے
آئینہ کی نظر میں تو دونوں ہیں ایک سے — میری تری نگہ میں اگر خوب و زشت ہے
جوہر نہیں جو دیکھو ہو شمشیر یار پر — اس کے شہیدوں کا یہ خطِ سرنوشت ہے

---

۱ لندن میں یہ غزل حاشیہ پر بغیر کسی سرخی کے درج ہے۔
۲ دعوے، علی گڑھ
۳ راہ سے جاتا ہوں، علی گڑھ، لندن
۴ فیض قدم سے، لندن
۵ تو میری جان، لندن
۶ لاہور میں یہ شعر اضافہ ہے۔
۷ لاہور میں یہ غزل ہے جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔

رونا مثالِ شبنم و جلنا مثالِ شمع　　صبح و مسا ازل سے ہماری سرشت ہے
گر زاہدوں کو وعدۂ جنت ہوا تو ہو
مستوں کو کوئے مے کدہ حاتمؔ بہشت ہے

زمین[1] طرحی ۱۱۶۹ھ[2]

بحر متقارب مثمن سالم۔ فعولن فعولن فعولن فعولن

مرے قتل پر تو جو فتوا دیا ہے　　گنہ کیا کیا میں ترا کیا لیا ہے
سلامت رہیں ہاتھ میرے اے ناصح　　ہوا کیا جو تو نے گریباں سیا ہے
ہویدا ہے ہونٹوں کی سرخی سے ظالم　　کسی کا تو اِس دم لہو تو پیا ہے
تیرے ہاتھ سے دل تو بس جاں بلب تھا　　تعجب ہے اب تک یہ کیونکر جیا ہے
ہدایت علی خاں بہادر نے حاتمؔ
مجھے لطف و احساں سے مرہوں کیا ہے

زمین سودا ۱۱۶۹ھ

بحر مجتث مخبوں مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تو اس گلی سے جو ہوتا دوچار گزرے ہے　　تری[3] خدنگِ نگہ دل کے پار گزرے ہے
چپ ہی بھلی ہے مرے حال کی خبر مت پوچھ　　میں کیا کہوں تجھے جو کچھ کہ یار گزرے ہے
کسی کے وصل کے وعدوں میں بسکہ آٹھ پہر　　گھڑی گھڑی ہمیں کرتے شمار گزرے ہے
نہ شب کو خواب نہ آرام دن کو یا قسمت　　عجب طرح سے یہ لیل و نہار گزرے ہے
خدا[4] نخواستہ کچھ کھا کے گھر میں مر رہیے　　کبھو کبھو یہ میرے دل میں یار گزرے ہے
تو رنگِ گل[5] کے اوپر بھول مت کہ اے بلبل　　پلک[6] کے مارتے فصلِ بہار گزرے ہے
کبھو[7] جو جاؤں ہوں وحشت سے دشت گردی کو　　تو ہر قدم میں میرے سر سے خار گزرے ہے

۱۔ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۲۔ ۱۱۶۵ھ، رام پور۔ ۱۱۶۳ھ، لاہور
۳۔ نگہ کا تیر میرے، لندن
۴۔ لندن میں یہ شعر زائد ہے۔
۵۔ تو آشنائی پر اب گل کی پھول مت بلبل، لندن
۶۔ کوئی گھڑی کو یہ، لندن
۷۔ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

خرابی عمر کی کیا پوچھے ہو حاتم سے
ترے[1] فراق میں بے اختیار گزرے ہے

زمین[2] طرحی ۱۱۷۹ھ

بحر رمل مسدس محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

گرم بازاری تری یاروں سے ہے — جنس کی قیمت خریداروں سے ہے
کون اٹھاوے ناز جب تک ہم نہ ہوں — غمزہ تیرا ناز برداروں سے ہے
شغل میرا روز و شب تجھ شوق میں — سر پٹکنا گھر کی دیواروں سے ہے
اس کی اے صیاد خاطر ہے ضرور — طائرِ دل نو گرفتاروں سے ہے
دشت گردی کا نہیں کچھ مجھ کو باک — کفش میخی پاؤں میں خاروں سے ہے
دل ہو ویراں گر نہ ہوں بر جا ہواس — بندوبستِ ملک سرداروں سے ہے
نام سن حاتم کا فرمایا کہ ہاں
وہ بھی اپنے کفش برداروں سے ہے

زمین[3] طرحی ۱۱۷۸ھ

بحر ہزج اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

ہر شاخِ گل اس آن یہاں لال پری ہے — یا ہاتھ میں گلشن کے یہ پھولوں کی چھڑی ہے
اس ابر میں ساقی مے شبنم یہ ہوا نے — کس کے لیے اب گل کے کٹوروں میں بھری ہے
تم صحنِ چمن میں لبِ جو سرو نہ جانو — شاید کسی عاشق کی یہ آہِ سحری ہے
دھوتی ہے عبث داغ کو لالہ کے تو شبنم — زنہار نہ جاوے گا یہ داغِ جگری ہے
آتی ہے صدائے جرسِ غنچہ بہر سو — اس فصل گویا با قافلۂ گل سفری ہے
وے آہ فغاں پر مری کرتا ہے تبسم — اس درجہ مرے نالہ میں اب بے اثری ہے

---

[1] نہ اختیار ہے، علی گڑھ ولاہور لندن کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔ [2] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[3] ۱۱۷۹ھ، لندن ولاہور

آئی ہے بہار آج لیے عیش کا ساماں
حاتم ہو مبارک یہ تجھے خوش خبری ہے

زمین[1] طرحی ۱۱۵۸ھ

بحر مجتث مثمن مخبون محذوف۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

سفر سے آج مرا مہربان آیا ہے — گویا بدن میں مرے پھر کے جان آیا ہے
خدا جہاں میں سلامت رکھے ہمیشہ اسے — شکستِ غم کو ظفر[2] کا نشان آیا ہے
بجا کے سازِ طرب سب کہو مبارک باد — کہ آج گھر میں مرا قدر دان آیا ہے
اگر ہے چاہ تو چل دیکھ اپنے یوسف کو — کہ مصرِ عیش سے یہ کاروان آیا ہے
نہیں ہے دل مرا یارو علاج کا محتاج — مرے مرض کو مسیح الزمان آیا ہے
زباں سے نام نہ لے مفلسی کا اے حاتم
ترے نصیب سے ہمت کی کان آیا ہے

زمین[3] طرحی ۱۱۸۷ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

تو ہم سے جس طرح مل جانتا ہے — زباں سے کیا کہیں دل جانتا ہے
چھپاتا کیا ہے منہ کب تک چھپے گا — تجھے سب شہر قاتل جانتا ہے
جو پاتا ہے تڑپنے میں مزا دل — وہ لذت صیدِ بسمل جانتا ہے
نظر آ جائے ہے مجنوں کو جو کوہ — اسے لیلیٰ کا محمل جانتا ہے
مرے کیونکر نہ تجھ غم میں کہ عاشق — یہی جینے کا حاصل جانتا ہے
سوادِ خال کے نقطے کی خوبی — جو عاشق ہے سو تل تل جانتا ہے
اسی میں ہے کشودِ کار حاتم
جسے تو سخت مشکل جانتا ہے

---

[1] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[2] کہ کر کے فتح وظفر، کراچی
[3] ۱۱۷۸ھ، لاہور

زمین[1] طرحی ۱۱۳۴ھ

بحر خفیف

یار کا مجھ کو اس سبب[2] ڈر ہے — شوخ ہے ظالم ہے[3] ستم گر ہے
دیکھ سرو چمن ترے قد کو — خجل ہے پا بگل ہے بے بر ہے
حق میں عاشق کے ترے لب کا سخن — قند ہے نیشکر ہے شکّر ہے
کیونکہ سب سے تجھے چھپا نہ رکھوں — جان ہے دل ہے دل کا انتر ہے
مارنے کو رقیب کے حاتم
شیر ہے ببر ہے دھنتر ہے

زمین طرحی ۱۱۴۵ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کروں قربان جی کو اس گھڑی اس وقت اس پل کے — کہ جس دم ناز سے وہ یار[4] آوے گھر مرے چل کے
جہاں کے خوبصورت دیکھ اس مورت[5] کو مجلس میں — ہوئے خاموش حیرت سے گویا پتلے تھے سب کل کے
ہمیں کیونکر نہ آوے خوابِ راحت[6] بسترِ غم پر — کفِ پا کا تصور اس کے گل تکیے[7] ہیں مخمل کے
یہ طوریں ہم سے اب بد زیب گل رو یاد رکھنا تم — کسو دن جھانجھ میں آہار ہو جاویں گے ہم گل کے
تصدق[8] ہوں میں اپنے رات دن اوقات کے اوپر — اس آہِ متصل کے اور اس اشکِ مسلسل کے
تجھ[9] اوپر ساحروں کا سحر کچھ چلتا نہیں پیارے — ترے تعویذ بازو کے سبب اور گل کے ہیکل کے
دیکھو حاتم سجن[10] کے حال پر قربان جاتا ہے
تری سج کے اکڑ کی چال کے اور زلف کے بل کے

---

۱ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۲ رات دن، علی گڑھ، رام پور
۳ بانکا ہے، کراچی
۴ دلدار، لندن
۵ تیری مورت دیکھ، لندن
۶ حیرت، لندن
۷ تیری، لندن
۸ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۹ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۱۰ میاں، لندن۔ سجن، دہلی

زمین[1] میر شاکر ناجی ۱۱۴۹[2]ھ

بحر ہزج مسطور

ہمیں یاد آوتی ہیں باتیں اس گل رو کی رہ رہ کے ۔۔۔ نہیں ہیں باغ میں مشتاق ہم بلبل کی چہ چہ کے
کرے گا قتل کس کو دیکھیے وہ تیغ زن یارو ۔۔۔ چلا آتا ہے اپنے ہاتھ میں قبضے کو گہ گہ کے
نشا ایسا ہوا اس کی نگہ کا جو نہیں تھمتے ۔۔۔ ہمارے اشک جاتے ہیں چلے چشموں سے بہہ بہہ کے
ہم اس کا مسکرانا یاد کر رو رو کے ہنستے ہیں ۔۔۔ نہیں مشتاق اب بازار کے خندوں کے قہہ قہہ کے

سخن[3] میں فخر اپنا بن کیے رہتا نہیں ناجی
اسے سمجھائے حاتم کس طرح اشعار کہہ کہہ کے

زمین[4] طرحی ۱۱۳۲ھ

بحر ہزج مسطور

جو عاشق ہیں تمہارے سیر ہیں دنیا سے من ان کے ۔۔۔ نہیں رکھتے گرہ میں دام ہے ہمت کا دھن ان کے
لبِ شیریں سے تیرے کام لینا کام ہے جن کا ۔۔۔ تصدق ہر قدم ہوتی ہے روحِ کوہ کن ان کے
نہ کر روشن دلوں کی بزم میں تو شمع کو روشن ۔۔۔ کہ داغِ عشق سے روشن رہیں ہیں انجمن ان کے
کہاں فرصت دلِ ویراں[5] کو سیرِ گلستاں کرنا ۔۔۔ چبھے ہے خار سا آنکھوں میں کیا گل کیا چمن ان کے
جو کوئی مرتا ہے عالم میں سیہ چشموں کی حسرت میں ۔۔۔ دفن کے وقت لازم ہے سیہ کرنا کفن ان کے
جو ہیں خاموش لب سو نیک و بد کہنے سے فارغ ہیں ۔۔۔ برنگِ غنچۂ تصویر ہیں دایم دہن ان کے

جو ہیں اہلِ سخن حاتم انھیں مرنے سے کیا دہشت
مسیحا کی طرح جیویں گے تا محشر سخن ان کے

زمین طرحی ۱۱۵۶ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

نظر کرتے طرف اس کے دہن کے ۔۔۔ گئے غنچوں کے ڈھل گردن کے من کے

۱؎ فی بحر ہزج مثمن سالم مسطور، لندن

۲؎ ۱۱۴۲ھ، لاہور۔ ۱۱۴۹ھ، لندن، رام پور، علی گڑھ

۳؎ غرور اپنا کیے بن ناجی رہتا نہیں ہرگز، کراچی

۴؎ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

۵؎ ہے عشاقوں کو، لاہور

تمہاری دیکھ سج اے تنگ پوشو ہوئے ڈھیلے مرے کپڑے بدن کے
جو جل مرتے ہیں پروانے کی مانند نہیں محتاج وہ گور و کفن کے
کہاں ہیں کون ہیں آ روبرو ہوں جو ہیں گے نکتہ چیں صاحب سخن کے
ہمارا شانہ جوں ہر مو زباں ہے کہ ہم ہیں گے سخن گو بال پن کے
ہماری گفتگو سب سے جدا ہے ہمارے سب سخن ہیں بانکپن کے
اگر کچھ ہوش ہے تو بوجھ جاویں کہ پھر بخشیں گے ہم دیوانہ بن کے
وگرنہ[1] کام کیا ہے ہم کو ان سے پڑے پھوڑیں پھپھولے اپنے من کے
وہی ہیں ریختے کے فن میں استا
جو ہیں گے آشنا حاتم کے فن کے

زمین طرحی ۱۱۸۵ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

کس طرح[2] سے دن کٹا اور کس طرح سے رات کی بے خبر کچھ ہے خبر تجھ کو مرے اوقات کی
اس جھمکے سے تو آیا رات کو اے رشکِ ماہ روشنائی شمع کی جلوے نے تیرے مات کی
چشم و مژگاں کی صفت لکھنے میں تیرے خوش نگہ نیزۂ مژگاں قلم اور مردمک داوات کی
کیا کیا[3] ہم نے جو تیرے ساتھ کے کھاتے ہیں بل راہ میں جاتے ہوئے جو تجھ سے ایک دو بات کی
ابر میں تیرا تصور آ گیا تھا دل میں جان اس قدر روئے کہ بے موسم میں ہم برسات کی
ہم سفر کرتے ہیں کیا احساں ہو گر انگشتری نام کو اپنی نشانی دو جو اپنے ہات کی
ایک بوسہ[4] مانگتا ہے تم سے حاتم سا گدا
جانیو[5] راہِ خدا میں یہ بھی اک خیرات کی

۱؎ لندن میں یہ شعر زائد ہے۔
۲؎ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۳؎ ایسا جو، لاہور
۴؎ مچھی، لاہور۔ بوسہ کان پور، رام پور، علی گڑھ
۵؎ باٹیو، علی گڑھ

حسب[1] الفرمایش نواب سیّد ہدایت علی خاں ۱۱۶۲ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

اس[2] معرکے میں کس کو ہے جرأت جو مر سکے
اے دل غضب کرے جو یہاں[3] تو یہ کر سکے

ہم ہاتھ مارتے ہیں سدا بحرِ عشق میں
مجنوں کو کیا سکت جو یہاں پاؤں دھر سکے

دل کا کبوتر ڈر ہے نامہ بر کیا
جو اس کا راہ میں نہ کوئی پر کتر سکے

کاکل کا حلقہ حلقہ نظر کر اے بحرِ حسن
دل کا بھنور بھنور میں پھنسا جا کدھر سکے

دعوا کر آسمان سے آوے اگر پری
ممکن نہیں جو اس کی نظر سے گزر سکے

مشہور انکھڑیاں ہیں تری بانکپن کے بیچ
بانکا نگہ کے آگے ترے کب ٹھہر سکے

اس طفل خو کو میری نصیحت سے ننگ ہے
بگڑا ہے لڑکپن سے کہاں تک سنور سکے

گو نعمتوں سے پُر ہے سدا مطبخِ فلک
یک کاسۂ گدا کو نہ دیکھا کہ بھر سکے

حاتم قسم ہے ایسی غزل اس زمین میں فکر
روشن[4] ضمیر بن کوئی شاعر نہ کر سکے

زمین حسین علی شوق ۱۱۸۱ھ

بحر ہزج مثمن مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

خاطر میں تو لاتا نہیں تو چاہ کسی کی
ظالم تجھے لگ جائے کہیں آہ کسی کی

عاشق[5] تو تیرے ہجر میں مرتے ہیں ہزاروں
گو دل میں نہ ہوئے تجھے پرواہ کسی کی

یک بار تو قاتل میرے مشہد سے گزر کر
تا جانے کوئی ہے یہاں درگاہ کسی کی

کہتے ہیں سبھی مہرِ بتاں خوب نہیں ہے
سنتا ہے کہاں یہ دلِ بدخواہ کسی کی

پابوس کی حسرت میں یہ دل خاک ہوا ہے
جانے ہے کہ اس کوچے میں ہے راہ کسی کی

---

۱ زمین سید ہدات علی خان بہادر ضمیر حسب الفرمایش در ۱۱۶۲ھ فی بحر... لندن، علی گڑھ میں تاریخ نہیں ہے۔

۲ جرأت ہے کس کو عشق کے میداں میں مر سکے، لاہور ۳ اگر، لندن

۴ روشن ضمیر جز کوئی شاعر نہ کر سکے، لاہور۔ جز حضرتِ ضمیر کے کوئی نہ کر سکے، لندن

۵ لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔

ہر قدم میں دیوانوں کا دھڑکے ہے کلیجا اس دشت میں شاید ہے کمیں گاہ کسی کی

حاتم کی تمنا ہے کہ ایسا تو سماوے
جاگہ نہ رہے دل میں پھر اللہ کسی کی

زمین مرزا سودا ۱۱۶۳ھ

بحر مضارع

آئے تھے ہم جو دور سے کچھ کام کے لیے بیٹھے ہیں تھک کے ایک دم آرام کے لیے
ہستی سے تا عدم ہے سفر دو قدم کی راہ کیا چاہیے ہم کو سر انجام کے لیے
دل کا کباب صبح تو ہم ناشتہ کیا لختِ جگر کو بھون رکھا شام کے لیے
مستِ ازل ہوں بزم میں ساقی کسے دماغ منت کش ہوں تو تجھ سے میں اک جام کے لیے
ہے دل کے مدعا سے مرے اس کو سب خبر درکار نامہ بر نہیں پیغام کے لیے
کل تو اٹھا دیا تھا جھڑک کر ولیک آج اُمید وار بیٹھا ہوں دشنام کے لیے
کنجِ عدم سے گوشۂ ہستی تلک جو صید بیضے سے نکلے ہے سو ترے دام کے لیے
گمنام ہو کے رہ تو جہاں میں نہ جوں نگیں عالم میں رو سیاہ کرے نام کے لیے
ملتے ہی ہم بتوں سے رکھا کفر میں قدم دھن باندھ کر چلے تھے جا اسلام کے لیے
رہن شراب خانہ کیا شیخ حیف ہے جو پیرہن بنایا تھا احرام کے لیے
فرشِ حصیر بس ہے ہمیں لیک چاہیے پھولوں کی سیج تجھ سے گل اندام کے لیے

سودا کہے ہے حضرتِ حاتم جہاں میں تم
کیا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لیے

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

بحر ہزج سالم مثمن۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ دل صحرا نشیں میرا بجز ویرانہ کیا جانے سلیقہ خانہ داری کا جو ہو دیوانہ کیا جانے
نہیں ہے اس زمانہ میں توقع آشناؤں سے تو میرے دردِ دل کا اور کوئی بیگانہ کیا جانے
مزا لے کے جلنے کی طرح سے شمع واقف ہے جلے تو ہے پر اس لذت کے تئیں پروانہ کیا جانے
دلِ صد چاک میرا زلف کے کوچے کے پیچوں سے ہے واقف مو بمو اس جستجو کو شانہ کیا جانے

خدا شاہد ہے حاتم دل کا جو اس پر گزرتا ہے
کسو کے گھر کی باتیں غیر صاحب خانہ کیا جانے

زمین طرحی ۱۱۶۳ھ

بحر ہزج مسطور

وفا دشمن ہمارے تو وفا کی قدر کیا جانے
جو ہو ناآشنا وہ آشنا کی قدر کیا جانے
ہمارا توڑ کر دل آئینہ دیکھو ہو ہاں سچ ہے
کدر ہو جس کے دل میں وہ صفا کی قدر کیا جانے
جفا معشوق کی عاشق کے حق میں عینِ راحت ہے
بجز ایوبؑ کوئی صبر و بلا کی قدر کیا جانے
نہ کر اظہار جوہر اپنا تو ہر بے ہنر آگے
کہ جس نے مس نہ دیکھا ہو طلا کی قدر کیا جانے
تمنا دل کے وا ہونے کی پوچھ اب دل سے غنچہ کے
گلِ تصویر اے حاتم صبا کی قدر کیا جانے

زمین طرحی ۱۱۵۹ھ

بحر مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ہوا ہے گا کہاں جا کر یہ دل بسمل خدا جانے
نہ پایا کھوج اس کا کون تھا قاتل خدا جانے
میں جتنا ڈھونڈھتا ہوں اس کو اتنا ہی نہیں پاتا
کدھر ہے کس طرف ہے اور کہاں ہے دل خدا جانے
مسلمانو مجھے کافر کیا تس پر بھی در پے ہیں
اب ہم سے چاہتے ہیں کیا بتاں مل مل خدا جانے
تو زاہد کعبہ جاوے ہے میں صاحب کعبہ چاہوں ہوں
یہاں اب کون ہے دیوانہ و عاقل خدا جانے
جگر تو بھون ڈالا جوں کباب آتش سے عارض کی
کرے گا کس کا دل تل میں یہ تیرا تل خدا جانے
سمجھتے[1] ہم نہیں جو تم اشاروں پیچ کہتے ہو
مفصل کو تو ہم جانے ہیں یہ مجمل خدا جانے
خیالِ مرگ میں ہم بے اجل اس غم سے مرتے ہیں
کہاں ہوگا ہمارا گور اور منزل خدا جانے
جہاں میں زندگی اور موت اس کے ہاتھ ہے سب کی
تعجب کیا جو اُس بت کو اگر کامل خدا جانے
نہ مل خوباں سے اس دل کو بہت کہتا ہوں اے حاتم
ہماری بات کب مانے گا یہ جاہل خدا جانے

---

[1] لندن میں یہ آخری اشعار زائد ہے۔

زمین طرحی ۱۱۶۱ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ابھی مسند نشینِ طارم افلاک ہو جاوے
جو سب کچھ چھوڑ دل تیرے قدم کی خاک ہو جاوے

اگر مستی میں تو گلشن طرف تک آنکھ اٹھا دیکھے
صراحی غنچہ و گل جام و ٹہنی تاک ہو جاوے

پھبن دامن درازی کی اگر تیرے بیاں کیجیے
تو سنتے بزم میں سب کا گریباں چاک ہو جاوے

چمن میں خون سے بلبل کے گل آلودہ داماں ہے
اگر شبنم اِسے دھووے تو شاید پاک ہو جاوے

اسے دونوں جہاں کی سلطنت ہووے جو کوئی حاتمؔ
غلامِ بندگانِ خواجۂ لولاک ہو جاوے

حسب[1] الفرمایش نواب الدولہ بہادر ۱۱۵۱ھ

بحر ہزج۔ مصرعِ اول از نواب موصوف

چھڑی ہیں غم کی فوجیں کون ہے جو روبرو آوے
نہیں کوئی اور عالم میں مگر آوے تو تو آوے

بتاں تو جمع ہیں گے پر خدا حافظ ہے مجلس کا
غضب سے گر چڑھاتا آستیں وہ تند خو آوے

ابھی[2] کی ہے گی توبہ ہم نے اور بدمست وہ ساقی
قیامت ہو جو پیتا جام اور لیتا سبو آوے

تیرے بالوں کو چاہوں ہوں کھلے دیکھوں کہ دل میرا
ابھی در نجف ہووے جو اس میں ایک مو آوے

جہاں کے باغ میں کرتا ہے سیر اس واسطے حاتمؔ
کہ شاید[3] مہر و الفت کی کسو بھی گل سے بو آوے

زمین انعام اللہ خاں یقین ۱۱۵۲ھ

بحر ہزج سالم مثمن مسطور

کوئی بھی ہے جو مجھ دردِ دلِ ناشاد کو پہنچے
خدا کے واسطے یک دم مری فریاد کو پہنچے

یہاں مرنے کے تئیں اول قدم ہم سر سے حاضر ہیں
ہماری سب سے اب پہلے دعا جلاد کو پہنچے

---

[1] مصرع اولیٰ انور خاں بہادر خلف نواب روشن الدولہ حسب الفرمودہ در ۱۱۵۱ھ فی ہزج مسطور، لندن
[2] ابھی توبہ کیا ہے، علی گڑھ
[3] کہ اے یار و محبت کی، لندن

بڑھاپے میں کیا شاگرد ہم کو عشقِ طفلاں نے — یہ مکتب میں خبر لڑکوں کے اب استاد کو پہنچے
مرا یک مشت پر یارو یوں ہی برباد جاتا ہے — ارے کیا ہو جو ہاتھوں ہاتھ جا صیاد کو پہنچے
پکڑتے[1] موقلم رعشہ ہواس کے دل میں دہشت سے — تری تصویر کی شہرت اگر بہزاد کو پہنچے

تعجب عشق سے شیریں لباں کیا ہے یقین جانو
اگر ہمت سے حاتمؔ سر چڑھا فرہاد کو پہنچے

زمین شیخ مضمون ۱۱۴۷ھ

بحر ہزج سالم

تو اتنا مت لگاوے سرو سے جا جا من اے قمری — ابھی تو طوق ہے پر اب کٹے کی گردن اے قمری
مجھے[2] اور تجھ کو آوے عشق میں کیونکر بن اے قمری — کہ میں ہوں عاشقی میں مرد اور تو ہے زن اے قمری
مجھے ہے جنگ طالع سے کہ بے مل گُل کو کیا دیکھوں — تجھے ہے عید سیر گلشن اور مجھ کو رن اے قمری
ابھی تو خام ہے گی سرو سے جا سیکھ آزادی — ہوا کیا گر ہوئی ہے تو لباسی جوگن اے قمری
گلے میں ہے سمور اور بر میں جاما فاختائی ہے — دکھاتی کس کو ہے گلشن میں اپنا جوبن اے قمری
ہمارے تو وہی ہے کہنہ خرقہ اب تلک سو بھی — ہزاروں جا گریباں چاک ہے تا دامن اے قمری
پتنگا شمع اوپر جل گیا تو دیکھ جیتی ہے — یہی تو عاشقی کا مارتی تھی دم دہن اے قمری
نہ کرتی عاشقی تو طوق کیوں ترے گلے پڑتا — تو اپنی جان کی آپ ہی ہوئی ہے دشمن اے قمری
ہر[3] اک جا سرو قد ہے پر تجھے کیونکر نظر آوے — ترا دل سنگ میرا دل ہے جیسے درپن اے قمری

تجھے اور اس کو راہِ عشق میں دو نا تفاوت ہے
کہ تو ہے باغ میں حاتمؔ پھرے ہے بن بن اے قمری

زمین[4] طرحی ۱۱۶۷ھ

بحر ہزج مسطور

غبار ایسا نہ ہو ہم سے ترے دل میں فلک بیٹھے — چلے جاتے اگر اس راہ میں ٹک ہم بھی تنک بیٹھے
ہمیں پوچھو تو ہستی اور عدم میں کیا تفاوت ہے — جو آیا اور کوئی اس بزم میں ہم ٹک سرک بیٹھے

۱۔ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔ اٹھائے موقلم رعشہ ہواس کے ریشہ اور رگ میں، کراچی
۲۔ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۳۔ لندن میں یہ شعر دیا ہے۔ ۴۔ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

سفر کا عزم آوازِ جرس سے دل میں آیا تھا	نہ پایا جب سراغِ کارواں چل چل کے تھک بیٹھے
ہماری خاک سے اس درجہ اُس وحشی کو نفرت ہے	کہ جس مجلس میں جاوے پہلے دامن کو جھٹک بیٹھے
نکلنا جان کا تن پر بار ہے دنیا کی الفت[1] سے	نہ ہووے ماندگی مرکب کو گر راکب سبک بیٹھے
کریں شکرانِ نعمت کیوں نہ اس لب کے نمک داں[2] کا	کہ جس کا گھر میں اک مدت سے کھاتے ہیں نمک بیٹھے

ہمیں مضمون و معنی سے نہیں کچھ ربط اے حاتمؔ
جو دل کی لہر میں آیا زباں پر ہم بھی بک بیٹھے

زمین طرحی ۱۱۴۹ھ

بحر ہزج مسطور

کلیجا موںہہ کو آیا اور نفس کرنے لگا تنگی	ہوا کیا جاں کو میری ابھی تو تھی بھلی چنگی
ذقن[3] کی چاہ میں یہ سبزیٔ خط زہرِ قاتل ہے	پری ہے بھانگ کوئے میں نہ ہو کیوں خلق چت بھنگی
جہاں کی طرح سو سو رنگ پل پل میں بدلتا ہے	کبھو کچھ ہے کبھو کچھ ہے کبھو کچھ ہے وہ بہو رنگی
ترے رخسار سے بے طرح لپٹی جائے ہے ظالم	جو کچھ کہیے تو بل کھا الجھتی ہے زلف بے ڈھنگی

غریبوں کا خدا حافظ ہے حاتمؔ دیکھئے کیا ہو
کہ وہ ہے چور کیفی ہاتھ میں شمشیر ہے ننگی

زمین[4] طرحی ۱۱۵۳ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کہوں جا کس سے اب اپنے دلِ ناداں کی نادانی	کہ مجھ سے دوست سے یار ہوا ہے دشمنِ جانی
نگاہیں جوڑ[5] اور آنکھیں چرا ٹک چل کے پھر دیکھا	مرے چہرے اوپر کی شاہِ خوباں نے نظر ثانی
مصور اُس میاں کی چاہے تھا تصویر کو کھینچے	کمر کے وہم میں بھر مو قلم لکھنے سے چیں مانی
سیہ بختوں کے آگے زلف کا اس کی بیاں کیا ہے	کہ جس کا نانو لینا دل کو بخشے ہے پریشانی
اگرچہ یہ زمیں کہنہ تھی پر اے دوستاں لیکن	ہے دل میں اس غزل میں تازہ کہیے مطلعِ ثانی

---

1. غفلت سے ٹک سمجھے، علی گڑھ
2. حق کے خوانِ الواں کا، لاہور
3. زنخ، لندن
4. ۱۱۵۶ھ، لندن
5. جوڑ کر، لندن

ہوا ہوں اس قدر کاہیدہ تیرے ہجر میں جانی — کہ میں نے اپنی صورت دیکھ کر آپ ہی نہ پہچانی
خدا[1] کو جس سے پہنچیں ہیں وہ اور ہی راہ ہے زاہد — پٹکتے سر تری گو گھس گئی سجدوں سے پیشانی
خدائی ہے خودی سے باز آ ہستی سے توبہ کر — بقا باللہ چاہے ہے کہ ہوں تو شیخ ہو فانی
نہ جاوے صحبتِ کامل سے جس کے کفر ہو دل میں — سلیماں سے کبھو ٹوٹا نہ زنارِ سلیمانی

کہا حاتم نے تیرے دیکھ منہ پر خالِ ہندی کو
چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

زمین[2] ولی ۱۱۳۶ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

نہ کر خوباں سے اے دل آشنائی — کہ ان کا کام ہے گا بے وفائی
ہوا معلوم مجھ کو اب جہاں میں — کریں ہیں دوسرے خوباں خدائی
ترے لکھنے سے اس مہندی کی تعریف — ہوا ہے رنگ کاغذ کا حنائی

زمین[3] طرحی ۱۱۴۳ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

سنان و تیر خنجر ہے مژہ ہیں تیز تر اس کی — نہ کھٹکے آنکھ میں ہرگز سو وہ مو ہے کمر اس کی
مجھے تعویذ لکھ دو خونِ آہو سے کہ اے سیانو — تغافل ٹوٹکا ہے اور جادو ہے نظر اس کی
جوابِ نامہ یا دیتا نہیں یا قید کرتا ہے — جو بھیجا ہم نے قاصد پھر نہ پائی کچھ خبر اس کی

تیرے[4] ہاتھوں سے حاتم جل رہا ہے ٹک نظر[5] کیجو
کہ پہنچے ہے فلک پر تیر سی آہِ جگر اس کی

۱؎ علی گڑھ میں مصرعوں میں ذرا تبدیلی ہے۔
۲؎ لندن میں یہ غزل درج ہے جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔
۳؎ فی بحر ہزج مثمن سالم مفاعیلن ۴ بار، لندن
۴؎ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۵؎ خدا، علی گڑھ

زمین طرحی ۱۱۵۱ھ

بحر ہزج

ہے راہِ عاشقی تاریک اور باریک اور سکڑی
نہیں کچھ کام آنے کی یہاں زاہد تری لکڑی

تری آنکھوں کی اب تعریف لکھنے کو چمن اندر
نظر کر دیکھ اے خوش چشم نرگس نے قلم پکڑی

زنانوں سے نہ مل گر مرد ہے تو چھوڑ یہ صحبت
وگرنہ یاد رکھ ہووے گی آخر ایک دن پھکڑی

زمین[1] طرحی ۱۱۶۳ھ

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جنوں سے مل گیا دل راہ میں ناگاہ کیا کیجے
جو کچھ ہونی تھی اس پر ہو چکی اب آہ کیا کیجے

طبیبوں کی توجہ سے مرض ہونے لگا دونا
دوا اس درد[2] کی بتلا دلِ آگاہ کیا کیجے

مرے مہ رو سے جا کہنا کہ اے بے مہر راتوں کو
ستاتی ہے گی تجھ بن چاندنی ہر ماہ کیا کیجے

عزیزاں[3] کس طرح ہم بار پاویں اس کی صحبت[4] میں
کسی اس کے حواشی سے نہیں ہے راہ کیا کیجے

جنوں ہے فوج فوج اور اس طرف حاتم اکیلا ہے
نہیں کوئی تجھ بغیر اب اے مرے اللہ کیا کیجے

تضمین[5] مصرع بادشاہ عالم گیر ثانی حسب الحکم ۱۱۶۹ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

حق کے ہوتے غیر سے کیا آشنائی کیجے
چھوڑ وہ در کس کے در پر جبہ سائی کیجے

مسندِ سالوس سے زاہد نہیں ہے شانِ فقر
بوریے پر بیٹھیے اور بے ریائی کیجے

کوہ کن نے کیا ہوا پھوڑا اگر پتھر سے سر
کام یہ ہے کوہِ غفلت رائی کائی کیجے

چشمِ بینا دے خدا تو چاہیے مانندِ چشم
اپنے گھر بیٹھے ہوئے سیرِ خدائی کیجے

گر نظر آوے ہمیں خم خانۂ وحدت کی راہ
تو وہیں ترکِ لباسِ پارسائی کیجے

---

[1] ۱۱۶۲ھ، لندن
[2] مرض، کراچی
[3] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔ عزیزو، کراچی
[4] مجلس، کراچی
[5] تضمین مصرع عزیز الدین عالم گیر بادشاہ، لندن

بندگی میں شرط ہے بندے کو تسلیم و رضا	سلطنت بخشے خدا تو کیوں گدائی کیجے
ہر[1] کسے را بہرِ کار سے ساختن مشہور ہے	کام اپنا چھوڑ کر کیوں جگ ہنسائی کیجے
چاہیے لیجیے اگر شجرِ سخاوت سے ثمر	اپنی تا مقدور سب مطلب روائی کیجے
اصل کو دیکھا تو ہے یک قطرۂ آبِ منی	آئینہ کیا دیکھیے کیا خود نمائی کیجے
ہے من اللہ خیر و شر ہم مفت میں بدنام ہیں	اب برائی کس سے اور کس سے بھلائی کیجے
جو[2] ہے قسمت میں مقدر جان ہوتا[3] ہے وہی	پھر عبث کیا سعی و طالع آزمائی کیجے

شاہِ عالم گیر کا مصرع ہے حاتم رمزِ عشق
دل میں آتا ہے کہ شاہی میں گدائی کیجے

زمین[4] طرحی ۱۱۷۷ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

گلشن میں جا کے وصفِ لبِ یار کیجیے	غنچے کے تئیں کھجا کے بہت خوار کیجیے
طالع کی گر مدد ہو تو جا اپنا بود و باش	خوباں کے زیرِ سایۂ دیوار کیجیے
اس حسن کے نمک کی ملاحت کا شور ہے	ملنے میں اس کے سیرِ نمک سار کیجیے
گردن اوپر مرے سر پر شور بوجھ ہے	ابرو کو ٹک دکھا کے سبک سار کیجیے
دن رات کے کھجوڑ کہاں تک اٹھا سکیں	ہم دل جلوں کو اتنا نہ بے زار کیجیے

حاتم جہاں میں جس کی ملاحت کی دھوم ہے
یوسف کو لا کے اس کا خریدار کیجیے

زمین طرحی ۱۱۶۵ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

جی میں ہے اس جمع خاطر کو پریشاں کیجیے	دل کے آئینے کو صیقل کر کے حیراں کیجیے
آشنائی سے بتاں کی دل نہیں آتا ہے باز	کس طرح سے ایسے کافر کو مسلماں کیجیے

---

[1] لاہور میں اس کے بعد یہ شعر مزید درج ہے۔ [2] جو کہ، لندن
[3] ہے گا، لندن [4] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ لاہور میں اس غزل کا سن تصنیف ۱۱۷۷ھ دیا ہے۔

میکشو اس دور میں ساغر کی کچھ آنکھیں ہیں اور — اب کی اس پیاں شکن سے پھر کے پیاں کیجیے
جامہ زیبوں کے اگر دامن تلک پہنچے نہ ہاتھ — سرنگوں ہو غنچہ ساں سیرِ گریباں کیجیے
ہے گریباں چاک حاتمؔ لالہ رو کے ہاتھ سے — کس طرح اب داغ کو سینے کے پنہاں کیجیے

زمین[1] طرحی ۱۱۶۴ھ

بحر خفیف مخبوں محذوف۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

تجھ کو جان اپنا جاں کہیے — یا تجھے عمرِ جاوداں کہیے
کوئی سنتا نہیں ہے کانوں سے — دردِ دل کا کہو کہاں کہیے
کیسری پوش آج سمجھتا ہے — کہ تجھے شاخِ زعفراں کہیے

زمین طرحی ۱۱۹۰ھ

بحر خفیف

جس[2] کے منہ کی اتر گئی لوئی — غم نہیں اس کو کچھ کہو کوئی
بزم میں مجھ کو دیکھ کر گریاں — شام سے شمع صبح تک روئی
رات میرے فغاں و نالے سے — ساری بستی نہ نیند بھر سوئی
جا ختن تک صبا نے پہنچائی — زلف مشکیں کی تیری خوشبوئی
گو رقیباں گلہ کریں چھپ کر — چھپی رہتی نہیں ہے بد گوئی
شیخ نے آکے بزم مستاں میں — اپنی شیخی کی آبرو کھوئی

کبھو دیکھی نہ اس سے حاتمؔ نے
دلبری، دل دہی و دل جوئی

زمین[3] طرحی ۱۱۸۹ھ

بحر ہزج مثمن سالم

تیرے پابوس کو آتا ہوں ہردم ہر قدم سر سے — کہ ہے آرام میرے درد سر کو تیری ٹھوکر سے

---

[1] یہ غزل نسخۂ لندن میں ہے۔ [2] یہ غزل نسخۂ لاہور میں ہے۔
[3] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ ۱۱۷۶ھ، لاہور

تیرے در پر ہجومِ خلق سے شورِ قیامت ہے — تماشا[1] ہے کہ سن کر اب تلک نکلے ہے تو گھر سے
نہیں معلوم یارب کس کی کم بختی ہے مجلس میں — نظر کچھ بے طرح آتا ہے مجھ کو اس کے تیور سے

زمین[2] طرحی ۱۱۸۰ھ

بحر مضارع

ہے ایک سا وہ برگ و ثمر میں ہمیشہ سے — تصویر کے درخت کو کیا خوف تیشہ سے
تیروں سے اب جگر تو نیستان ہوگیا — دل ہاتھ جوڑتا ہے مرا شیر بیشہ سے

زمین طرحی ۱۱۹۶ھ

بحر ہزج مثمن اخرب۔ مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن

کیا منہ کو دکھاؤ گے اس رو کی سیاہی سے — تا مرگ رہے غافل ہم یادِ الٰہی سے
جو فعل ہمارا ہے عصیاں سے نہیں خالی — باز آتی نہیں یارب اب تک بھی مناہی سے
جو بحر میں وحدت کے ہو غرق سو ہی جانے — دریا کی حقیقت کو جا پوچھ تو ماہی سے
یک بوریۂ کہنہ بستر کو کفایت ہے — کیا کام فقیروں کو ہے مسندِ شاہی سے

کچھ دور نہیں منزل اُٹھ باندھ کمر حاتمؔ
تجھ کو بھی تو چلنا ہے کیا پوچھے ہے راہی سے

زمین مرزا رفیع سودا ۱۱۹۳ھ

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

جان و دل و دیں سب ہے فدا بلکہ یہ سر بھی — تو میری طرف دیکھے اگر ایک نظر بھی
یوں صاف ترا تیرِ نگہ سینہ سے گزرا — کھٹکا نہ جگر کو نہ ہوئی دل کو خبر بھی
کشتہ ہوں درازیٔ شبِ ہجر کا یارب — بیٹھا ہوا تکتا ہوں کہیں ہوئے سحر بھی
ساقی یہ کھجوڑیں تیری بھاتی نہیں مجھ کو — کیا دیر لگاتا ہے پیالا کہیں بھر بھی

---

[1] تعجب ہے، علی گڑھ و رام پور
[2] ذیل کی تینوں غزلیں لاہور میں ہیں۔

میں نفع سے بہتر اسے جانوں ہوں پیارے   جو عشق میں ہو تیرے مرے جی کا ضرر بھی
کیا ہوئے گا صاحب جو کرو بندہ نوازی   اس راہ میں جاتے دو قدم رنجہ ادھر بھی
ڈھونڈا میں بہت صبح سے تا شام ہر اک جا   نے کوچہ نہ بازار نہ پایا تجھے گھر بھی
ہر صبح ہے خورشید تیرے در کا سلامی   ہر شام کو مشعل لیے حاضر ہے قمر بھی
کیا عشق کی آتش کا بیاں کیجیے حاتمؔ
کچھ دل ہی نہیں بھنتا ہے جلتا ہے جگر بھی

زمین[1] طرحی ۱۱۷۷ھ

بحر رمل مسطور

نے گدا سے کچھ غرض مجھ کو نہ مطلب شاہ سے   کام ہے گا دم بدم اپنے مجھے اللہ سے
شمع و مشعل سے اگر ہوتا ہے تاباں قصرِ شاہ   کلبۂ درویش ہے روشن چراغِ ماہ سے
جس طرح خورشید کی ہووے نظر سے سنگ لعل   اس طرح دل فیض پاتا ہے دلِ آگاہ سے
کہربا کا سا بھی اگر جذبہ نہ ہو معشوق میں   طے مسافت راہ کی تو کب ہو برگِ کاہ سے
تھا زلیخا میں کمالِ عشق سے شوقِ رسا   بیٹھے گھر اپنی طرف یوسف کو کھینچا چاہ سے
بے طریقت گو نہیں کھلتا حقیقت کا مقام   پھر کہاں پہنچے ہے منزل جو پھرا ہو راہ سے
عاقبت نادان اپنے ہاتھ ہوتا ہے خراب   فرق جس کو کچھ نہ ہو بدخواہ و دولت خواہ سے
ایک دم کے بیچ ہو جاویں کئی لشکر تباہ   شاہ جو لیوے نہ اپنی کچھ خبر جنگاہ سے
تیر و نیزے سے سپاہی کر نہیں سکتا وہ کام   ہم کیا ہے سنگ میں سوراخ اپنی آہ سے
ہیز کہتے ہیں اسے مردوں میں لونڈی کا غلام   چھوڑ کر بی بی کرے جو آشنائی راہ سے
اپنے حاتمؔ کو خسیسوں کو محتاج تو
یا الٰہی کر نہال اپنے اسے درگاہ سے

---

[1] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

زمین میر تقی میر ۱۱۷۱ھ

بحر رمل مسطور

یاد ہیں وہ دن کہ ہم تم سیرِ گلزاروں میں تھے — بلبل و گل لوٹتے حسرت سے انگاروں میں تھے
جھانکتے تھے ہم تمھیں تم ہم کو کس کس گھات[1] سے — ہاتھ سے طرفین کے صد رخنۂ دیواروں میں تھے
چھوڑ ہم کو غیر کے گھر میں جو رکھتے ہو قدم — جانِ من ہم بھی کبھو تو کفش برداروں میں تھے
کیا مزے لیتے تھے اس توبہ کا ہو خانہ خراب — ہم پیالے ہم نوالے جب کہ مے خواروں میں تھے
سب[2] سے جاں بخشی کا وعدہ اور ہم کو ہر دم حکمِ قتل — اک ہمیں کیا ایسے عالم میں گنہگاروں میں تھے
مصرِ دل میں تھا ترے حسن کا بازار گرم — نقدِ دل سے شہر کے یوسف خریداروں میں تھے

سیم بر[3] اٹھتے نہ تھے حاتمؔ ہمارے پاس سے
جن دنوں ہم بھی کبھو دنیا میں زرداروں میں تھے

زمین[4] طرحی ۱۱۷۴ھ

بحر رمل مثمن مخبون مقطوع ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

ہم بچاتے ہوئے دل جاتے تھے رستے رستے — لے گئے دل[5] کو بتاں چھین کے ہنستے ہنستے
نرگس آنکھوں کو تری دیکھے تھی چوری چوری — لائے یک دست قلم کر اسے دستے دستے
رات کس ساتھ تھا ہم خواب تو اے ہرجائی — چولی پہنچی جو کمر تک تیری چستے چستے
اے مرے لعل تو کیا جانے دلوں کی قیمت — لگ گئے ہاتھ کہیں مفت میں ستے ستے
دل کو عشاق کے ایسا کیا ویراں ظالم — مدت اب چاہیے اس شہر کو بستے بستے
رہ گئی صوتِ جرس قافلہ پہنچا منزل — ہم تغافل سے رہے محمل ہی کستے کستے

زلفِ صیاد نے تقصیر نہ کی تھی حاتمؔ
بچ گیا طائرِ دل دام میں پھنستے پھنستے

---

۱ شوق سے، لندن
۲ لندن میں یہ شعر اس طرح ہے: سب سے ہو دل میں صفا اور ہم سے خاطر میں غبار☆ ایک ہمیں عالم میں کیا ایسے گنہگاروں میں تھے
۳ سیم بر حاتم ہمارے پاس سے اٹھتے نہ تھے، لندن ۴ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
۵ مل کے، علی گڑھ، لکھنؤ

زمین سید ہدایت علی خاں ضمیر حسب الفرمائش ۱۱۶۳ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

اے خرد مندو مبارک ہو تمھیں فرزانگی
ہم ہوں اور صحرا ہو اور حیرت ہو اور دیوانگی

کون چھوڑے بے سند جب تک نہ دیکھیں مہر داغ
شمع رو کے پاس پروانے کو بے پروانگی

رستم ہوتا اس زمانے میں تو کہتا آفریں
عشق کے میداں میں میری دیکھ کر مردانگی

بے مروت، بے وفا، بے دید اے نا آشنا
اس قدر[۱] لازم نہیں بے رحمی و بیگانگی

ملکِ دل آباد کیوں حاتم کا کرتا ہے خراب
کیا مری بستی خوش آتی ہے تجھے ویرانگی

زمین عبدالحئی تاباںؔ ۱۱۵۳ھ

بحر رمل مسطور

اس طرح گزرا چمن میں آج وہ گل چشم سے
دیکھتے جس کے مرے جاتے رہے گل چشم سے

آج کس ہمدرد اس بے کس کے ہیں گلشن میں پھول
ہاتھ دھو بیٹھی ہے جو رو رو کے بلبل چشم سے

تاک کر آتے تجھے مجلس میں سر مستِ خمار
پانی پانی ہوگئے جل جل ترے مل چشم سے

سب طرح پورا ہے معشوقی کے تاؤ بھاؤ میں
ہم نے تولا ہے تجھے من میں نپا تل چشم سے

دیکھ کر تجھ زلف و خط کی موج اے گلزارِ حسن
گر گیا ہر ایک کے ریحان و سنبل چشم سے

غیر سے آنکھیں لڑانا اس کا بے حکمت نہیں
اس کے تئیں خرجان کر دیتا ہے وہ جل چشم سے

دشمنوں کے روبرو پیارے مرے حق میں کبھو
دیکھنے سے خوش نما تر ہے تغافل چشم سے

اس طرح ہم نے نہیں دیکھی کہیں سلکِ گہر
جس طرح آنسو نکلتے ہیں تسلسل چشم سے

چشم و کاکل کی صفت ظاہر ہے حاتم کیا کہے
چشم ہیں کاکل سے تیرے خوب و کاکل چشم سے

---

۱ آشناؤں سے نہ کر، لندن، لکھنؤ

زمین[1] طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر رمل مثمن محذوف ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

پاؤں جس گلشن میں اپنا وہ بتِ رعنا رکھے ۔ خار اس کا خوش قدی میں سرو سے دعوا رکھے
اشک کے پانی سے سوزِ دل مرا بجھتا نہیں ۔ سحر ہے جو آب و آتش کو کوئی یکجا رکھے
صبح[2] سے تا شام یک دم کی نہیں ہم کو امید ۔ غافل ہے جو کوئی نظر جینے کی تا فردا رکھے
کب ڈرے ہے نوح کے طوفان سے وہ یعقوب وار ۔ جو کوئی یک اشک کے قطرے میں سو دریا رکھے
دل کو لیتے ہی وہیں آنکھیں بدل جانے لگیں
ان سیہ چشموں سے کوئی حاتم توقع کیا رکھے

۱۱۹۷ھ

بحر مثمن محذوف ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

جو[3] کوئی کہ یارو آشنا ہے ۔ رخصت کی مری اسے دعا ہے
کیا بیٹھا ہے راہ میں مسافر ۔ چلنا ہی یہاں سے پیش پا ہے
امروز جو ہو سکے سو کر لے ۔ فردا کی خبر نہیں کہ کیا ہے
معشوق تو بے وفا ہیں پر عمر ۔ ان سے بھی زیادہ بے وفا ہے
دنیا میں تو خوب گزری حاتم
عقبیٰ میں بھی دیکھئے خدا ہے

زمین[4] طرحی ۱۱۴۴ھ

بحر رمل مثمن محذوف ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

اشک[5] تیری چاہ میں دریا صفت جاری ہوئے ۔ تجھ بن اے ظالم ہمیں دن کاٹنے بھاری ہوئے

---

۱ بحر رمل مثمن محذوف، فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ،لندن میں دیا گیا وزن۔
۲ لندن میں متن اس طرح ہے: صبح تا شام ہم کو تو نہیں یک دم کی آس ☆ کور دل ہے جو نظر جینے کی تا فردا رکھے
۳ یہ غزل نسخۂ لاہور میں ہے۔ ۴ لندن میں یہ تفصیل ہے۔
۵ لندن میں یہ مصرع اس طرح دیا ہے: چاہ میں تیری ہمارے اشک اب جاری ہوئے

کب[1] تلک جوں باؤ بھاگے گا کبھو آ بھی صنم — ہجر کی آتش میں جل خاک سے اب ناری ہوئے
دل مرا تیرِ تغافل نے ترے برما کیا — تیشۂ غم کی نہانی کھا کے[2] ہم آری ہوئے
اس قدر پلکیں جھکیں میری تری بیراگ میں — چشم اب بن کے اتیتوں میں جٹا دھاری ہوئے
ہر سخن حاتمؔ کا تم آگے تو کرتے تھے قبول
کن رقیبوں کے کہے سے آج تکراری ہوئے

زمین ولی ۱۱۶۱ھ

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

کھول ٹک دیدۂ انصاف نہ کر کبر و منی — اصل کو دیکھ کہ تھا قطرۂ ناپاک منی
جاں کنی دیکھ تو میری بھی بتِ سنگیں دل — گو کہ فرہاد کا تھا کام سدا کوہ کنی
شمع خاموش نہ کر حسن سے اس کے دعوا — تو اسی چرب زبانی سے ہے گردن زدنی
نیزہ بازوں میں ہے مشہور تیری نوکِ نگہ — پہلوئے دل میں چبھی ہے جیسے برچھی کی انی
غنچۂ گل کو چمن بیچ کرے شرمندہ — تیری نازک بدنی بے دہنی کم سخنی
ایک دن سیرِ گلستاں کو گیا تھا حاتمؔ — دیکھتا کیا[3] ہوں کہ یک دشت ہے کانٹوں کی بنی
رعد نالاں ہے ادھر ابر ادھر گریہ کناں — سانس ٹھنڈی سی ادھر لے ہے نسیمِ چمنی
جیب گل چاک ادھر غنچہ گرفتہ خاطر — بلبلِ غمزدہ کرتی ہے ادھر نعرہ زنی
بر میں ہے آج ادھر سرو کے پیراہن سبز — پہن بیٹھی ہے ادھر فاختہ بھگواں کفنی
باغبانوں سے جو پوچھا کہ یہ کیا باعث ہے
کہا رو کر کہ یہ ماتم ہے حسینؓ و حسنؓ

زمین[4] طرحی ۱۱۷۱ھ[5]

بحر مجتث مثمن مخبوں محذوف۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

کس سے دماغ کرے سیرِ سبزہ و چمنے — کہ ہے بغل میں میرے نو رسیدہ گلبدنے

---

[1] میاں، لندن۔ [2] سب، لندن
[3] کیا ہے، لندن و لکھنؤ [4] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ [5] ۱۱۶۹ھ، لاہور

کسی کا اس کو مہابا نہیں ہے ذرہ کہ ہے
سیاہ چشم بتے پاس آشنا شکنے

اگر ہزار تلاشوں سے اُس تلک پہنچوں
تو ڈر یہ ہے کہ بنے صحبت اس سے یا نہ بنے

اے جامہ زیب ہوس میں ترے گریباں کی
عدم سے نکلے ہے ہر گل دریدہ پیرہنے

پڑا ہے دل ترے کوچے میں اس طرح سے خراب
کہ جوں سرا میں مسافر غریب بے وطنے

تو جل مر عشق کی آتش میں مثلِ پروانہ
رہے نہ حسرتِ گور و نہ خواہشِ کفنے

تری بلا سے جو حاتم ہے فاسق اے زاہد
بقول حضرتِ حافظ تو گوش کر سخنے

بیا کہ رونقِ ایں کارخانہ کم نہ شود
ززہد ہم چو توئی یا زفسق ہم چومنے

زمین[1] طرحی ۱۱۷۴ھ

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

کب ترے لب کے مقابل ہو عقیقِ یمنی
جس نے یک حرف میں کی لعل کی قیمت شکنی

دل کو کوچے کی تیری خاک نشینی ہے شرف
بنی آدم کو ہے مرتے تلک حبِ وطنی

نیزہ بازوں[2] میں تو یکتا ہیں نگاہیں لیکن
ترے ابرو کے اوپر ختم ہے شمشیر زنی

ایک دن ایک تونگر نے کیا مجھ سے سوال
بسکہ اپنے تئیں جانے تھا وہ دنیا میں غنی

یعنی بے ہودہ ہوا کیوں تو فقیر اے حاتم
کچھ نہیں جان لے اس فقر میں حاصل شدنی

در جواب اس کے پڑھا ہم نے شعرِ فائق
کہ سن اس رمز کو اے غافل و ناداں و دنی

”نسبتِ فقر و فنا بسکہ بہم نزدیک است
نیست یک رشتہ جدائی ز کفن تا کفنی“

زمین[3] طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر مجتث مخبوں محذوف۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تمھیں تو دیکھتے ہی آپ بیچ ہم نہ رہے
تم ایک دم بھی دم آتے تک ہے ستم نہ رہے

---

[1] لاہور میں یہ غزل حاشیہ پر درج ہے بغیر کسی سرخی کے۔ [2] نیزہ بازی میں، لندن و کراچی

[3] لندن

کبھو جو شیخ دکھاؤں میں اپنے بت کے تئیں   برب کعبہ تجھے حسرتِ حرم نہ رہے
اے حیلہ ساز قسم ہے تجھے تغافل کی   تب ہی تو آنا کہ جس وقت ہم میں دم نہ رہے
اگر تو آنکھ دکھاوے چمن میں نرگس کو   تو ایک آن[1] میں یک دست یک قلم نہ رہے
تری[2] جو شہرہ پرستش کا ان تلک پہنچے   تو ایک رشک سے بت خانہ میں صنم نہ رہے
اب ایسا آپ میں ہو جی فنا کہ تا بہ بقا   پھر اس وجود کے تئیں حاجتِ عدم نہ رہے
اُسی کو ہو[3] گا مزا زندگی کا اے حاتم
کہ جس کو نیک و [illegible] وکم کا غم نہ رہے

زمین[4] طرحی ۱۱۸۰ھ

بحر مجتث مخبوں۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

کبھو جو اس کی طرف پاؤں[5] وہ دراز کرے   تو اپنے بخت پر عاشق ہزار ناز کرے
صنم کی دیکھے جو محرابِ ابر واں زاہد   طرف وہ قبلہ[6] کے کافر ہو گر نماز کرے
عجب سا ہو جو آپس میں عاشق و معشوق   ادھر وہ ناز کرے یہ ادھر نیاز کرے
میرے مزار کے اوپر اگر رکھے وہ قدم   تو مشتِ خاک کو ممتاز و سرفراز کرے
بڑا ستم ہو جو صیاد موسمِ گل میں   اے عندلیب قفس کا وہ در نہ باز کرے
جو[7] اپنے کام کو سونپے خدا کو تو حاتم
تو سب سے خوب ترا کام کارساز کرے

---

[1] خزاں کے ہاتھ، لندن
[2] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
[3] ہو گا، لاہور
[4] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔ نسخۂ لاہور میں اس غزل کی سرخی یہ ہے: ''زمین طرحی ۱۱۸۰ھ بحر مجتث مثمن مسطور''
[5] تو۔ لاہور   [6] بسمت قبلہ، علی گڑھ
[7] لاہور کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔

زمین طرحی ۱۱۴۸ھ[1]

بحر مجتث مخبوں مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تو اس مزے سے چمن میں کرے ہے مے نوشی　　　　کہ دل میں تازہ ہوئی حسرتِ ہم آغوشی
زبانِ شمع سے روشن ہوا مجھے یہ حرف　　　　کہ سر کٹے تو نہ کہیے بھلی ہے خاموشی
خدا کرے کہ یہ دونو کے تئیں مبارک ہو　　　　مجھے تو یاد تری اور تجھے فراموشی
کسو[2] کے دانت کا منہ پر ترے ہوا ہے نشاں　　　　کہ آئینہ سے جو کرتا ہے آج رخ پوشی
مخالفوں کو کرو دور آج مجلس سے
کہ حاتم اس سے ہے اس وقت مجھ کو سرگوشی

زمین[3] طرحی ۱۱۹۱ھ

بحر خفیف

حق کی قدرت کو جو خیال کرے　　　　دم بدم دل میں وجد و حال کرے
وہ خداوند ہے جسے چاہے　　　　پل میں ادنیٰ کے تئیں نہال کرے
صاحبِ تاج و تخت کے سر کو　　　　بات کہنے میں پائمال کرے
اہلِ معنی نہیں ہے وہ درویش　　　　اپنی صورت سے جو سوال کرے
فقر میں شاہ اس گدا کو کہو　　　　جو زبانِ سوال لال کرے
راہِ حق میں خدا کے شیروں سے　　　　ہم تکی کب سگ و شغال کرے
شاہ حاتم بڑا قلندر ہے
گھر میں تنکا نہیں خلال کرے

---

۱ ۱۱۶۸ھ، لندن

۲ نسخۂ لاہور میں یہ شعر اور دیا ہے۔

۳ لاہور میں یہ غزل ہے جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔

زمین رفیع سودا ۱۱۵۴ھ

بحرمضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

مری طرف کبھو وہ پری رو گزر کرے
شیشے میں دل کے بند کروں جوں نظر کرے

رو رو ہوا ہوں خشک یہاں تک کہ دیکھ لو
آنسو بھی اب نہیں کہ مری چشم تر کرے

نالاں ہوں اس سبب سے کہ اس سنگ دل کے تئیں
شاید کبھو بھی آہ ہماری اثر کرے

سنمکھ وہی ہو یار کے تیرِ نگاہ سے
آئینہ کی طرح جو لو ہے کا جگر کرے

کیا ظلم ہے کہ سب سے بجز تیغ کچھ نہیں
کہیے ابھی تو دم میں جدا تن سے سر کرے

دعوا کیا ہے شیخ نے حاتم سے عشق میں
دونوں میں دیکھیے یہ مہم کون سر کرے

زمین شاہ مبارک آبرو[1] ۱۱۳۵ھ

بحرمضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

اس دکھ میں ہائے یار یگانے کدھر گئے
سب چھوڑ ہم کو غم میں نہ جانے کدھر گئے

جو اس پری کو شیشۂ دل میں کرتے[2] تھے بند
وے علمِ عاشقی کے سیانے کدھر گئے

فوجیں جنوں کی دیکھ کے یک بارگی سبھی[3]
اس ملکِ دل سے عقل کے تھانے کدھر گئے

معلوم[4] ہے کسو کو کہ وہ آج شعلہ خو
ہم کو جلا کے آگ لگانے کدھر گئے

ڈھونڈھا بہت پر ہم نے نہ پایا انھوں کا کھوج
دل کو چرا کے ہم سے چھپانے کدھر گئے

حاتم کے دل کو مصرعِ اول نے خوش[5] کیا
اس دکھ میں ہائے یار یگانے کدھر گئے

---

۱ لندن و نسخۂ دہلی میں آٹھ اشعار ہیں۔ کان پور میں پانچ اشعار ہیں۔

۲ اتارتے، لندن و دہلی ۳ جابجا سبقی، دہلی

۴ یہ شعر دہلی میں نہیں ہے۔ بلکہ دو شعر زائد ہیں، جو دیوان زادہ میں نہیں ہیں، ملاحظہ ہو دیوان حاتم۔

۵ خوش، دہلی

زمین مرزا رفیع سودا ۱۱۸۵ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

ایذا[1] دہند شوخ ستم گار رہ گئے　　دل دار اٹھ گئے یہ دل آزار رہ گئے
خوش حال وہ کہ جن کو ہوئی رخصتِ چمن　　ہم جھانک جھانک رخنۂ دیوار رہ گئے
ہر تارِ زلف میں ہیں گرفتار صد ہزار　　عالم ہوا تمام و کئی تار رہ گئے
ایسے لگاؤ کام ہمارا تمام ہو　　یہ کچھ نہیں کہ کھینچ کے تروار رہ گئے
کہتے ہو امتحاں میں نہ ٹھہرا کوئی یہاں　　گو سب گئے پہ ہم تو سدا خوار[2] رہ گئے
گل چیں کے ہاتھ سے نہ رہی رونقِ چمن　　گل نام کو رہا نہ[3] خس و خار رہ گئے

سودا میں حاتم ایسی ہے غلطاں تمام خلق
یاروں کی پوچھنے سے خبر یار رہ گئے

زمین[4] مرزا رفیع سودا ۱۱۷۱ھ

بحر مضارع مسطور

گردن کٹے سے سر کو سرہانے دھرے ہوئے　　اس کی گلی میں ڈھیر پڑے ہیں مرے ہوئے
رسّی کو دیکھتے ہیں تو ہم جانتے ہیں سانپ　　ہیں اس گزندِ زلف سے از بس ڈرے ہوئے
بہکا نشے میں ہاتھ میں شمشیرِ خوں چکاں　　ہم دیکھتے ہی دور سے اس کو پرے ہوئے
اس کے تو بو الہوس بھی لگے ہونے سامنے　　مردی پکڑ کے ہیز بھی اب منگرے ہوئے

سودا کہے ہے چشم کو حاتم کے دیکھ لو
ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے

زمین طرحی ۱۱۷۲ھ

بحر مسطور

کام آئے ہے جہاں میں کریماں کی دوستی　　نے دانہ زد دنی و خسیساں کی دوستی

---

[1] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔　　[2] طلب گار، لاہور
[3] نہیں ہے، لاہور، لکھنؤ　　[4] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

سو بار تار تار کیا تو بھی اب تلک ثابت وہی ہے دست و گریباں کی دوستی
بہتر ہے اس سے دشمنِ دانا سے آشتی جی کا زیاں ہے مردمِ ناداں کی دوستی
سارے تونگروں میں جو دیکھا تو ہے نفاق آپس میں ہے جو کچھ تو غریباں کی دوستی
حاتم کے آشنا تو بہت ہیں پر عین وقت
کام آئے ہے مرادؔ علی خاں کی دوستی

زمین عبدالحئی ۱۱۶۳ھ

بحر مسطور

کیا مدرسے میں دہر کے اُلٹی ہوا بہی واعظ نہی کو امر کہے، امر کو نہی
راضی ہو گر ہماری جفا پر تو یوں سہی پر ہم نے جان اتنی کسو کی نہیں سہی
آیا تھا رات بن[1] کے وہ فانوس کی سی شمع طرہ طلا کا سر پروتھی بر میں یک تہی[2]
جانا تیرا ہے مرگ مجھے پر میں کیا کروں اپنے رکھے سے جان کسو کی نہیں رہی
یہ چشم بے نصیب ترے انتظار میں رو[3] رو تو بہہ چلی تھی پر اب پھوٹ کر بہی
کس کی زیادتی تھی ٹک انصاف تو کرو ہم نے کہی تھی ایک تمھیں تم نے سو کہی
روزے سے ہیں گے بستہ دہن غنچۂ چمن آ پہنچ اس گھڑی اے نسیمِ سحر گہی
حاتم کو لے چلو کہ تیرے عاشقوں کے بیچ
ڈھونڈھے تھا جس کے تئیں سو گنہگار ہے یہی

زمین طرحی[4] ۱۱۶۹ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

مضمونِ خط کو دیکھ ترے ہم اس قدر ڈرے[5] جتنے مسودے تھے رہے طاق میں دھرے
جیتا[6] ہے یا کہ مر گیا دل کی خبر نہیں یادش بخیر ہو یا خدا مغفرت کرے

---

۱ بزم میں، لندن ۲ یک تہی، لندن ولاہور ۳ روبرو، لندن
۴ لندن میں بحر دیا ہے۔ ۵ بہت، علی گڑھ ۶ جیتے موے کی دل کی ہمیں کچھ خبر نہیں، لندن

آرامِ زندگی نہیں اس دل کے ہاتھ سے
عمرِ دوبارہ ہو جو یہ دشمن کہیں مرے

میرے حواسِ خمسہ اسے دیکھ اُڑ گئے
کیوں کر ٹھہر سکیں یہ کبوتر تھے پر گرے

ایسا[1] سبک ہوا ہوں اب اس کی نگاہ میں
جب دیکھتا ہے مجھ کو کہے ہے پرے پرے

اے صیدِ دل نہ تڑپیو ایسا تو وقتِ ذبح
جو دامن اس کا میرے لہو سے کہیں بھرے

ناصح[2] عبث بکے ہے جو ہونا تھا ہو چکا
تقدیر کے لکھے کو بھلا کہہ تو کیا کرے

پیری میں حاتم اب نہ جوانی کو یاد کر
سوکھے درخت پھر کے ہوئے ہیں کہیں ہرے

زمین[3] طرحی ۱۱۸۵ھ

بحر خفیف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

سب مخالف جب کنارے ہوگئے
ہم میں اور اس میں اشارے ہوگئے

آئے اور بیٹھے نہ کچھ شکوا نہیں
یہ غنیمت ہے کہ بارے ہوگئے

جب چڑھ آئی روبرو فوجِ جنوں
ہم بھی سنمکھ ہو اتارے ہوگئے

ہجر نے اس کے جلایا اس قدر
داغ سینے پر انگارے ہوگئے

جانتے تھے اپنے ہم ہوش و حواس
یک نگہ میں سب تمہارے ہوگئے

چشم تو تیغے تھے آگے ہی میاں
سرمہ دینے سے دو دھارے ہوگئے

کان کے موتی تری زلفوں میں رات
خلق کی نظروں میں تارے ہوگئے

جب ہوئے حاتم ہم اس سے آشنا
دوست بھی دشمن ہمارے ہوگئے

زمین[4] طرحی ۱۱۷۹ھ

بحر مجتث مثمن مخبوں محذوف۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تمہارے عشق میں ہم ننگ و نام بھول گئے
جہاں میں کام تھے جتنے تمام بھول گئے

---

[1] ایسا گرا ہوں اس کی نگاہوں سے بزم میں، لاہور
[2] لاہور میں اضافہ ہے۔
[3] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[4] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

نمازیوں[1] نے تجھ ابرو کو دیکھ مسجد میں | بہ سمت قبلہ سجود و قیام بھول گئے
یہ وضع کیا ہے کہ ہوتے نہیں ہو دست بسر | ابھی سے اپنوں کا لینا سلام بھول گئے
گئے تھے زعم میں اپنے پر اس کو دیکھتے ہی | جو دل نے ہم سے کہے تھے پیام بھول گئے
تری طرف ہوئی صورت گرانِ چیں کی نگاہ | قلم کو ہاتھ سے رکھ اپنا کام بھول گئے
بتانِ چرب زباں سن کے خوبیٔ گفتار | ادب میں دب گئے حسنِ کلام بھول گئے
تری اے سرورِ واں دیکھ کر انوکھی چال | جو خوش خرام تھے اپنا خرام بھول گئے
تری یہ زلف گرہ گیر دیکھ کر صیاد | شکار آپ ہوئے صید و دام بھول گئے

بڑا غضب ہے کہ حاتم کو تم نہ پہچانا
وہی قدیم تمہارا غلام بھول گئے

زمین[2] طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر مضارع اخرب مسطور مکفوف محذوف

تیغِ ستم سے اس کی کبھو منہ نہ موڑیے | سو زخم گر لگیں تو نہ ابرو[3] مروڑیے
خمخانہ میکشوں نے کیا اس قدر تہی | قطرہ نہیں رہا ہے جو شیشے نچوڑیے
مدت سے صیدِ دل ہے ترے دامِ زلف میں | سر صدقے کر کے[4] اپنے اسے اب تو چھوڑیے
چلتا نہیں ہے پنجۂ مژگاں سے تیرے زور | عفریت ہو تو اس سے بھی دو ہاتھ جھوڑیے
آتا[5] ہے یوں نشے کی ترنگوں میں دل کے بیچ | ناصح کے سر سے شیشہ تہی جا کے پھوڑیے
بیزار ہو رہا ہوں خدائی سے آج میں | جا واسطے خدا کے الجھ مت کھجوڑیے
شیشہ شکستہ پھر کے تو ہوتا نہیں درست | جو دل شکستہ ہو تو اسے کیونکہ جوڑیے

گر توڑے[6] آشنائی کوئی اس کا اختیار
حاتم یہ رشتہ آپ سے ہرگز نہ توڑیے

---

۱ مصلّیوں، علی گڑھ

۲ زمین طرحی در ۱۱۶۹ھ فی بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن، لندن۔ ۱۱۶۹ھ لاہور، ۱۱۷۸ھ، رام پور و علی گڑھ

۳ بھوں کو، لندن

۴ اپنے کر کے، لاہور

۵ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

۶ آشنائی توڑے، لندن

زمین[1] طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر مستطور

رونا وہی جو خوفِ الٰہی سے روئیے
سونا وہی جو اس کے تصور میں سوئیے

کپڑے سفید دھو کے جو پہنے تو کیا ہوا
دھونا وہی جو دل کی سیاہی کو دھوئیے

دہقاں کی طرح دانہ زمیں میں نہ بوعبث
بونا وہی جو تخمِ عمل[2] دل میں بوئیے

کھویا گیا ہے شیخ قیامت کے وہم میں
کھونا وہی کہ آپ کو آپ ہی میں کھوئیے

حاتم تو گو کہ خاک ہوا کیمیا کہاں
ہونا وہی جو خاک سے اکسیر ہوئیے

زمین طرحی ۱۱۷۱ھ

بحر مستطور

ہستی کی قید سے اے دل آزاد ہوئیے
صحرا میں جا کے خوب سا ہنس ہنس کے روئیے

دونوں جہاں کا شادی و غم دل سے بھول کر
پاؤں دراز کر کے فراغت سے سوئیے

اے چشم از برائے خدا گر مدد کرے
اعمال نامہ اپنا تو رو رو کے دھو دیئے

حاتم کسی سے اپنی مصیبت کو تو نہ کہہ
کیا فائدہ جو اپنا بھرم مفت کھوئیے

زمین طرحی ۱۱۴۶ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

تری بھواں کی تیغ جب آئی نظر مجھے
کرنا ہوا ضرور میاں ترکِ سر مجھے

زینت ہے عاشقوں کو لبِ خشک و چشمِ تر
حاصل ہوئی ہے سلطنتِ بحر و بر مجھے

باریک بیں ہوں مجھ سے کہو اس میاں کی بات
رہتا ہے بسکہ دل میں خیالِ کمر مجھے

---

[1] زمین طرحی سنہ مذکور، بحر مستطور، لاہور، ۱۱۶۹ھ۔ ۱۱۷۱ھ، رام پور و علی گڑھ

[2] محبت کا، علی گڑھ

بے خود[1] ہوں اس قدر کہ نہیں دل کو شوقِ مے — اس مست کی نگہ کا ہوا ہے اثر مجھے
میں[2] کوہ و دشت ایک قدم میں کیا ہے طے — مجنوں و کوہکن کی نہیں کچھ خبر مجھے
جب[3] سیم بر کے غم سے ہوا رنگ جوں طلا — تب سب نے جا عزیز کیا مثلِ زر مجھے
حاتم ہوا ہوں آلِ نبیؐ کی پناہ میں
دنیا و دیں کے غم سے نہیں کچھ خطر مجھے

زمین طرحی ۱۱۴۷ھ

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف مسطور[4]

درکار کب ہے عشق[5] میں نام و نگیں مجھے — بس ہے یہ نقش نام ترا دل نشیں مجھے
سامانِ گریہ بس ہے یہی زندگی تلک — ہر آن گوشۂ بغل و آستیں مجھے
کس[6] طرح سے گزار کروں راہِ عشق میں — کاٹے ہے اب ہر ایک قدم پر زمیں مجھے[7]
دیکھوں ہوں تجھ کو دور سے بیٹھا ہزار کوس — عینک نہ چاہیے نہ یہاں دور بیں مجھے
جو صبر میں کیا وہ سو کسی سے نہ ہوسکا — ایوبؑ ہے کہاں جو کہے آفریں مجھے
آتا ہے یاد جب تری دشنام کا مزا — ہوتا ہے زہر کام میں جوں انگبیں مجھے
بہتا پھروں ہوں جس کے تصور میں رات دن — دریا کی موج ہے تری چینِ جبیں مجھے
جنت کا کب دماغ ہے زاہد کہ کوئے یار — موجود ہے بہشت کی جاگہ یہیں مجھے
یارب[8] ہوا ہوں خلق کی نظروں میں نا قبول — تیرے بغیر در کے نہیں جا کہیں مجھے

---

۱ سرشار ہوں نشے میں، کراچی
۲ لندن میں اس کی جگہ پر یہ مصرع دیا ہے: دیوانہ بن کے دشت جنوں آپ طے کیا
۳ لندن میں یہ مصرع اس طرح دیا ہے: جب سیم بر کے غم میں بر رنگ طلا ہوا
۴ لندن ۵ ملک، لندن
۶ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔ اس کی جگہ یہ شعر ہے:
ہم کیا خطا کیا وہ غزالِ ختن کے آج = دکھلاوتا ہے ہر گھڑی چینِ جبیں مجھے
۷ لاہور میں یہ پانچ اشعار اور دیے ہیں جو کسی نسخہ میں نہیں ہیں۔
۸ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔ اس کی جگہ یہ شعر دیا ہے:
ابرو و زلف جیسی تمہاری نظر پڑی = یکساں ہوا ہے تب سے صنم کفر و دیں مجھے

تو[1] ہے مری پناہ تجھی سے مرا نباہ بن تیرے اب نگاہ کسی پر نہیں مجھے

قدموں لگا ہوں میر محمدؐ امیں کہ میں[2]
حاتم نہیں جہاں میں کمی[3] اور غمیں مجھے

زمین[4] طرحی ۱۱۸۸ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

جو مرے ہم عمر ہم صحبت تھے سو سب مر گئے — اپنی اپنی عمر کا پیمانہ ہر یک بھر گئے
پوچھتے کیا ہو گناہوں کے گرفتاروں کا حال — خشک زاہد تھے سو اس جا گہ سے دامن تر گئے
ہاتھ سے صیاد کے ثابت نہ چھوٹا ایک صید — بال و پر رکھتے تھے سو بے بال اور بے پر گئے
یہ قمارِ عشق ہے اے بو الہوس بازی نہ جان — سر گئے بہتوں کے اور بہتوں کے اس میں گھر گئے
ہم نے ہستی اور عدم کی آ کے کی ہے خوب سیر — رسم و آئیں دیکھ ان لوگوں کا از بس ڈر گئے
ایک جو آیا اُسے لے گود میں دی گھر میں جا — دوسرے کو کاڑھ کر گھر سے زمیں میں دھر گئے

تم کہو اپنی میاں حاتم کہ ہو کس فکر میں
اور جو آئے جنے جیسی بنی سو کر گئے

زمین[5] طرحی ۱۱۴۸ھ

بحر رمل مسدس محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

وہ رکھے ہے رات دن جوں جاں مجھے — جس اوپر دینا ہے جان آساں مجھے
اور بھی ہوں جو کماں حلقہ بگوش — اپنے اوپر گر کرے قرباں مجھے
اس گلِ رنگیں کے آگے چشم میں — خار سے لگتے ہیں سب خوباں مجھے
حق رکھے اس کو سلامت ہند میں — جس سے خوش لگتا ہے ہندستاں مجھے

---

[1] لاہور میں یہ شعر ہے جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔ [2] آج، علی گڑھ
[3] کمیں، لندن [4] لاہور میں یہ غزل ہے جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔
[5] لندن میں یہ سرخی ہے "بنام نور الدولہ فاخر خاں بہادر خلف نواب شمس الدولہ در ۱۱۵۱ھ فی بحر رمل مسدس محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلن۔

ہوں تو حاتمؔ لیکن ہر دم لطف سے
مول لیتا ہے گا فاخرؔ خاں مجھے

زمین طرحی ۱۱۴۹ھ[1]

بحر رمل مسدس مخبوں مقطوع۔فعلاتن فعلاتن فعلن

لب و دندان کے ترے صدقے ۔۔۔ مسی و پان کے ترے صدقے
جامہ زیبوں کوں کروں عالم کے ۔۔۔ دور دامان کے ترے صدقے
خوش اداؤں کو بجا ہے تجھ پر ۔۔۔ ہوں اگر آن کے ترے صدقے
نرگس ہوتی ہے گلستاں میں بہ چشم ۔۔۔ چشم فتان کے ترے صدقے
سنبل ہووے تو عجب جان نہ جان ۔۔۔ مو پریشان کے ترے صدقے
دل مرا جس کا ہوا ہے پیکاں ۔۔۔ تیر مژگان کے ترے صدقے
حاتمؔ عاشق ہے تیرے ہنسنے پر
بستہ مسکان کے ترے صدقے

زمین[2] طرحی ۱۱۵۹ھ

بحر رمل مسدس مخبوں مقطوع۔فعلاتن فعلاتن فعلن

لبِ مرجان کے ترے صدقے ۔۔۔ درِ دندان کے ترے صدقے
وعدہ کر ہم سے نہ آیا جھوٹھے ۔۔۔ سانچے پیمان کے ترے صدقے
دل و دین لے کے قسم کھا جانا ۔۔۔ ایسے ایمان کے ترے صدقے
ہاتھ میں جامِ مے و سینہ کھلے ۔۔۔ جان اس آن کے ترے صدقے
چشمہ[3] آبِ حیات ہوتا ہے ۔۔۔ اس زنخدان کے ترے صدقے
سر کو رکھ ہاتھ اوپر کرتا ہوں ۔۔۔ تیغ عریان کے ترے صدقے

---

[1] ۱۱۵۹ھ،لندن [2] ۱۱۵۹ھ،لندن۔۱۱۴۹ھ،لاہور

[3] لندن میں یہ اشعار اور دیے ہیں۔

تو نے حاتمؔ کو غلام اپنا کیا
ایسے احسان کے ترے صدقے

زمین[1] طرحی ۱۱۵۹ھ

بحر رمل مسدس مخبوں مقطوع مسطور

جان سے جان کے صدقے صدقے　　ہوتا ہوں جان کے صدقے صدقے
خوش اداؤں کو بجا ہے تجھ پر　　ہوں اگر آن کے صدقے صدقے
آئینہ ہوتا ہے دیکھو میرے　　دلِ حیران کے صدقے صدقے
اپنا حاتمؔ کو کیا تو نے غلام
ترے احسان کے صدقے صدقے

زمین طرحی ۱۱۷۰ھ

بحر رمل مسدس مخبوں مقطوع مسطور

صبح تیری[2] جبین کے صدقے　　شام کاکل کی چین کے صدقے
جس[3] جگہ ناز سے قدم تو رکھے　　آسمان اس زمین کے صدقے
دل[4] کے ہے پاس دور نظروں سے　　تیرے بعد و قرین کے صدقے
دم بہ بدم میرے آنسو پونچھے ہے　　اپنی ہم آستین کے صدقے
جن نے دل میں کیا ہے گھر حاتمؔ
اُس بتِ دل نشین کے صدقے

---

۱ لندن میں یہ غزل درج ہے جو کسی نسخہ میں نہیں۔　　۲ اس کی، لندن
۳ جس جگہ وہ قدم رکھے ہوئے، لندن
۴ دو آنکھوں سے پاس ہے دل کے، لندن

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

بحر رمل مثمن مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

دوستاں کہیو اسے ایسی طرح تا دیکھے — اپنے ماروں کے ٹک اک حال کو حال آ دیکھے
کوئی تڑپھے کوئی سسکے ہے کوئی مرتا ہے — اس کے کوچے کی طرف آج جو ہم جا دیکھے
غرض اس نزع کی حالت میں یہی کہتے تھے — جی ترستا ہے ہمارا کہ وہ ترسا دیکھے
میں کہا ہاتھ سے تم جس کے یہاں تک پہنچے — سنگ دل کافرِ بے رحم سو اَب کیا دیکھے

تب[1] اشارے سے لگے کہنے کہ حاتم کہیو
یا کرے قتل وہ ہم سب کے تئیں یا دیکھے

زمین[2] طرحی ۱۱۷۱ھ۔ تضمین بیت مرزا صائب

بحر مسطور

دل میں آ از سرِ نو عشق نے جاگہ پائی — آگ ٹک سرد ہوئی تھی سو پھر اب بھڑکائی
سب مہیا ہے مجھے دولتِ صیاد سے آج — بے پر و وبالی و کنجِ قفس و تنہائی
رات حاتم میں بہت شام سے رو رو تا صبح — رائگاں کھونے پر اوقات کے حسرت کھائی
تھا اس افسوس میں جو اپنے مناسب احوال — بیت یہ حضرتِ صائب کی مجھے یاد آئی

''نیست برگشتت اے عمر چو رفتی رفتی
نہ بہ زور و نہ بزاری نہ بزرمی آئی''

زمین طرحی ۱۱۵۱[3]ھ

بحر رمل مثمن مخبوں محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

یہ سیہ زلف تری جب سے مرے دل میں بسی — تب سے ناگن کی طرح جان مرے من کو ڈسی
ابر جوں موسمِ برسات میں روؤں نہ سو کیوں — برق اب یاد دلاتی ہے مجھے تیری[4] ہنسی

---

[1] میں، علی گڑھ
[2] لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔
[3] ۱۱۵۰ھ، لندن
[4] اس کی، لندن

ایک باری تو کیا قتل اک عالم ظالم[1] پھر یہ لے ہاتھ میں شمشیر کمر کیوں تو کسی
زال دنیا کے اوپر نفس مرا ہوئے چاق سخت سرکش ہے یہ کیونکر نہ کرے بوالھوسی
آیا جراح کہ زخموں کو ہمارے ٹانکے
کہا حاتم نے یہ حسرت تھی مجھے ان کو نہ سی

تضمین بیت[2] کوکہ خاں فغاں ۱۱۶۴ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

رحم آتا ہی نہیں مجھ پر کبھو اصلاً تجھے منہ نہ کرتا تجھ طرف جو جانتا ایسا تجھے
سر پٹکتے ہیں پڑے کنجِ قفس میں مجھ سے سو ایک میری بے پر و بالی سے کیا پروا تجھے
متفق باالفظ و المعنی کہیں ہیں خوش خیال مصرعۂ برجستہ و دل چسپ سر تا پا تجھے
ہے فغاں کی بیت تیرے حق میں دل کا مدعا جان حاتم اس سے بہتر اب دعا دوں کیا تجھے
''اپنے گھر لاتے ہوئے آتے ہیں سو سو احتراز
غیر کے گھر میں نہ لے جاوے خدا تنہا تجھے''

تضمین[3] بیت مرزا جان جاناں مظہر ۱۱۶۱ھ

بحر ہزج مثمن اشتر۔ فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن

ایک تو تری دولت تھا ہی دل یہ سودائی تس اُوپر قیامت ہے بے کسی و تنہائی
تیرے تئیں تو لازم تھا توبہ کا سبب پوچھے مے کشی سے اے ساقی گو کہ ہم قسم کھائی
دل تو اپنے پیچوں سے دامِ خط کے چھوٹا تھا زلف پھر نئے سر سے سر اوپر بلا لائی
جی تو بے قراری سے جان بلب ہے اے ناصح کو تحمل و طاقت صبر اور شکیبائی
عمر عاشق و معشوق صرف ناز و حیرت ہے حسن ہے ادا پرداز عشق ہے تماشائی

---

[1] تمام عالم کو، لندن

[2] زمین کوکہ خاں فغاں، لاہور۔ لندن میں یہ غزل نہیں ہے۔

[3] زمین طرحی ۱۱۶۱ھ، لاہور۔ لندن میں یہ غزل حاشیہ پر بغیر کسی عنوان کے درج ہے۔

رات[1] اس کی محفل میں سر سے جل کے پاؤں تک　　شمع کی پگھل چربی استخواں نکل آئی
حسبِ[2] حال حاتم ہے شعرِ میرزا مظہر　　اس سے پھر زیادہ کچھ ہے عبارت آرائی
"دل ہمیشہ میخواہد طوفِ کوئے جاناں را
ہائے بے پر و بالی وائے ناتوانائی"

زمین مرزا رفیع سودا ۱۱۵۹ھ

بحر ہزج مثمن اخرب۔ مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن

تو دیکھ اسے سب جا آنکھوں کے اٹھا پردے　　مانند سویدا کے دل بیچ اُسے گھر دے[3]
عالم کے مرقع میں تصویر اسی کی ہے　　سب حسن یہاں یارو اس حسن کے ہیں گردے
صیاد کا شرمندہ ہوں بے پر و بالی سے　　اڑ کر ابھی جا پہنچوں جو مجھ کو خدا پر دے
ساقی تجھے کم ظرفی مستوں سے نہیں لازم　　ترسا نہ مجھے کافر ساغر کے تئیں بھر دے
بزمِ[4] دلِ مشتاقاں جوں شامِ غریباں[5] ہے　　یک جلوہ میں تو روشن آ شمع صفت کر دے
ہم عرض کیا اس کی خدمت میں کہ اے صاحب　　اتنے ترے بندوں میں ایک ہم بھی ہیں نوردے
دولت سے تری سب کچھ ہم پاس مہیا ہے　　لب خشک و جگر بریان چشمِ تر و دل سردے
حاتم وہ لگا کہنے غصے سے کہ چل جھوٹھے　　بندا میں اسے جانوں جو پہلے قدم سر دے
ہشیار[6] کروں حاتم مستوں کو نگاہوں میں
قطرہ مئے وحدت سے جو ساقئ کوثر دے

زمین طرحی ۱۱۶۳ھ

بحر خفیف مخبوں محذوف۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

تو ہو چیں بر جبیں خدا نہ کرے　　کسو اوپر کہیں خدا نہ کرے

---

۱ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۲ شرحِ حسبِ حال اپنا ہے یہ بیت اے حاتم، لندن
۳ اور دل کے تئیں روشن آ شمع صفت کر دے، کراچی
۴ لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔
۵ جوں کلبۂ احزاں ہے، لندن۔ جو شامِ غریباں ہے، رامپور
۶ لندن میں یہ مقطع اور ہے۔

درد میرا کسو کے کہنے سے | تیرے ہو دل نشیں خدا نہ کرے
دل مرا لے کے پھر مکرتے ہو | تم تو ایسے نہیں خدا نہ کرے
میرے آنسو کے پونچھنے کو میاں | تیری ہو آستیں خدا نہ کرے
جان فشانی و بندگی کو مری | تو کہے آفریں خدا نہ کرے
ذبح کرتے کسو پر آوے رحم | کبھو تیرے تئیں خدا نہ کرے
میرا[1] احوال سن کے کب آوے | تیرے دل میں یقیں خدا نہ کرے

کس کی طاقت ہے جو کہے حاتم
سخت ایسی زمیں خدا نہ کرے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

بحر خفیف مخبوں مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

کیونکہ دیوانہ بیڑیاں توڑے | اس کو جانے ہے پاؤں کے توڑے
سب نے موڑا ہے منہ خدا نہ کرے | تیری تروار ہم سے منہ موڑے
تیرے کوچے میں سر شہیدوں کے | ہیں پڑے جیسے باٹ کے روڑے
ظرف[2] ٹوٹا تو وصل ہوتا ہے | دل کوئی ٹوٹا کس طرح جوڑے
ایک[3] پرواز میں دکھاؤں پر | جو وہ صیاد میرے تئیں چھوڑے
کوہ کن جاں کنی ہے مشکل کام | ورنہ بہتیرے ہیں پتھر پھوڑے
ہر[4] گھڑی ہم کو آزمانا کیا | چاہنے والے اور ہیں[5] تھوڑے

قتل[6] کرتا ہے تو جو حاتم کو
کون اٹھاوے گا تیرے نکتوڑے

---

۱ یہ شعر لاہور کا اضافہ ہے۔
۲ لندن میں اس شعر کا اضافہ ہے۔
۳ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۴ یہ شعر لاہور میں نہیں ہے۔
۵ نہیں، علی گڑھ
۶ لندن میں یہ مقطع ہے۔

زمین طرحی ۱۱۳۲ھ

بحر خفیف مخبون مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

دیکھ اے میرے من ہرن ہارے — تیری آنکھوں سے من ہرن ہارے
زندگی چاہیے تو اس سے نہ مل — کہہ گئے ہم سے یہ مرن ہارے
تری خدمت کو گر نہیں کوئی — ہم تو ہیں گے ترے کرن ہارے
کبھو[1] حاتم کے گھر نہ آئے تم
ہم تمہارے پکڑ چرن ہارے

زمین طرحی ۱۱۳۴ھ

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

پلک لگنے میں دو کرتے ہیں پیارے — تری آنکھوں کے ہیں تیغے دو دھارے
ترا خط آج لے فوجِ سیہ پوش — ہوا ہے قتلِ عاشق پر اُتارے
نہانی ہم سے یہ ملنا تمہارا — رقیبوں کے چلیں ہیں سر پر آرے
کریں[2] کیا لاف خوش چشمی کی اپنے
غزالاں تیرے آگے ہیں چکارے

زمین[3] شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ۱۱۵۲ھ

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن توشیح

م و ک وہ سے تیرے ہے خجل اب م وہ — ز دل وف میں تیرے آ چھپے ہے ش و ب

---

۱ یہ شعر دہلی میں ہے۔
۲ لندن میں یہ شعر اور دیا ہے۔
۳ لندن ولاہور

ب ات کہہ کے ہم سے لے گیا ہے دو ل ج ی چھوڑا ہے کیوں اس کو بھی تو آل ی
ر ا ت کو اگر آو ے تو جاوے غ و م ب و ر میں تو ہوا ور ہووے نہ غ و ی ور
چ و ش و م سے بندے کیے ہ رون روخ سے کھا گیا خورشید ک وش و ت
ح ا ت م کرتا ہے گا ع و روض
م وہ ور سے آ پیارے دکھا دے روخ

مستزاد[1]

جاتے ہیں نظارے کو ہم اس صبحِ چمن کے
ہر روز سحر کو
طالب نہیں اس ملک میں ہم نام ونگیں کے
مرتے نہیں زر کو
نظروں میں ابھی دیکھتے ہی دل کو چرا کر
کیوں ہو گیا منکر
چھوڑوں گا نہیں تجھ کو اے دشمنِ دل و دیں کے
جاتا[2] ہے کدھر کو

کہتے ہیں تجھے اہلِ دل اب دیکھ شب و روز
سن بات کہا مان
عاشق اوپر اے ظالمِ خونخوار کہیں کے
مت باندہ کمر کو
نکلا ہے زری پوش ہو جب گھر سے تو باہر
خورشید کی مانند
دیکھے سے ترے رنگ کو اب اے بتِ چیں کے
ہے رشک قمر کو

اس باغ میں دنیا کے نہ ہو پھول کے سرکش
تو سرو کی مانند
آ دیکھ لے احوال کو اس خاک نشیں کے
چاہے جو ثمر کو
غنچے کی طرح خونِ جگر کھا کے میں چپ ہوں
تجھ لب کی طلب میں
آیا نہ تو رشکِ گلِ فردوس بریں کے
حاتم کی خبر کو

---

[1] لندن میں یہ مستزاد نہیں ہے۔

[2] جاتا ہے کدھر کو، لاہور

وصف سراپا (سی وسہ جا) ۱۱۴٦ھ

بحر ہزج مسدس مقصور

صفتِ جعد

چرا کر پیچ سے وہ جعد مشکیں   چھپایا مجھ دل پر چیں کو در چیں
لیوں دل کیونکر اس چوٹی سے اب مانگ   کہ چوٹی چور ہے اور مانگ ہے ٹھانگ

صفتِ شانہ

دلِ صد چاک سے میرے اڑا ہے   نپٹ یہ آج شانہ سر چڑھا ہے
کیا اس بات سے ہم اس کو عاری   کہ محبوبوں کے سر چڑھنا ہے خواری

صفت کاکل وزلف

نظر کرتے ترے یہ زلف و کاکل   چمن میں پیچ و بل کھاتا ہے سنبل
خجل ہے جس کی چیں سے موج دریا   ہر ایک فرعون کو ہر مو ہے موسا

صفتِ جبین

جبیں کو دیکھ کر تیری سحر کو   سورج لے نذر آیا خوانِ زر کو
نگہ کرتے ہوا مہتاب بے تاب   خجالت سے ہے اب آئینہ غرقِ آب

صفتِ چینِ جبیں

تصور گر کرے چینِ جبیں کا   پڑے گنجلک میں دل نقاشِ چیں کا
ہر اک چیں موج دریائے ادا ہے   منقش چادرِ عرقِ حیا ہے

صفتِ بنا گوش

سحر کو دیکھ کر صبح بنا گوش   ہوا ہے آفتاب آ حلقہ در گوش
کرے اس وقت جی قربان موتی   اگر جا کر لگے تجھ کان موتی

صفتِ ابرو

صنم کی دیکھ کر محرابِ ابرو   پھرایا شیخ نے قبلے سے اب رو
مژہ ہیں تیر اور ابرو کماں ہے   کہ جس کے گوشے میں عالم کی جاں ہے

صفتِ چشم

یہ ترے دور میں آنکھوں کے گل فام جہاں کو جم ہے لینا جام کا نام
ہوئی سب بزم بے خود جوں شرابی نظر کرتے تری انکھیاں گلابی

صفتِ مردمک

تمہاری مردمک اے جانِ مردم پلک میں چھین لیں ایمان مردم
تری پتلی کی شہرت جا بجا ہے مگر انکھیاں نہیں یہ پیکھنا ہے

صفتِ مژگاں

ہیں بانکے چشم اور مژگاں ہیں سرکش کمر میں ترک نے باندھا ہے ترکش
کرے یہ طائرِ دل کیونکہ پرواز کہ ہیں مژگاں کے پنجے چنگل باز

صفتِ بینی

کروں ہوں وصفِ بینی اب رقم میں لگے دو پھول نرگس یک قلم میں
چمن میں حسن کے بس خوش نما ہے جو کہیے غنچۂ زنبق بجا ہے

صفتِ رخسار

پری رَو کا نظر کر رنگِ رخسار ہوا گل بلبلوں کی چشم میں خار
کہوں کس منہ سے اس رو کی صفائی جو لے ہے آرسی سے رونمائی

صفتِ خال

تمہارے دیکھ کر رخسار پر خال صنم اس داغ سے لالا ہے بے حال
کوئی خالی جہاں میں دل نہیں ہے کہ جس میں شوقِ تل، تل تل نہیں ہے

صفتِ دہن

کرں تعریف کیا تیرے دہن کی کہ گنجائش نہیں جس میں سخن کی
ہوا معلوم ہے انحل معمّا کہ کھلنا جس کا ہے مانند عنقا

وصفِ لب

چبھے مصری کے خارِ غم جگر پر لیا برقا خجل ہو قند سر پر
رہوں کیونکر خیالِ لب سے اب دور کہ ہے دل ساکنِ شہر شکر پور

وصفِ دنداں

تمہارے دیکھ دنداں گہر تاب — در خوش آب ہیں اس غم سے بے آب
یہ بحرِ حسن میں حق نے کرم سیں — کیے بتیس موتی یک صدف میں

وصفِ زبان

صفِ خوباں میں ہر یک پر دلا رام — زباں تیری کرے ہے سیف کا کام
تیری دشنام کا ہے زخم کاری — کہ ہر یک دل[1] سے ہو ناسور جاری

وصفِ ذقن غبغب

اگر چوگاں نمط ہے زلفِ مشکیں — ذقن ہے پاس اس کے گوئے سیمیں
نظر کر کر ترا یہ سیبِ غبغب — گرے ہے خلق ساری سیب کے سب

وصفِ چاہ زنخ

دیکھا جب سے تیرا چاہِ زنخداں — ڈبایا سب نے اپنا دین و ایماں
ترے اس کعبۂ رو بیچ عالم — کہے ہے گا یہی ہے چاہِ زمزم

وصفِ گردن

صراحی ہے مگر گردن صنم کی — بھری ہے روح جس میں جامِ جم کی
خمیر اس کا کیا ہے نور سے حق — ملا کر صندل و کافور سے حق

وصفِ دست و بازو

ترے ہاتھوں سے دل کرتا ہے فریاد — نہیں کوئی اس کی دیتا خلق میں داد
کیا ہے معجزے سے دل میں قابو — یدِ بیضا ہے تیرا دست و باوز

وصفِ پنجہ[2] وانگشت

ہوا دل کا مرے تب ہوش برجا — وہ جب جاکر ترے پنجوں میں پہنچا
حنائی تجھ سر انگشتوں کو بلبل — گلِ مہندی کہے یا غنچۂ گل

وصفِ پستان

تیری انگیوں میں کیا انمول کچھ ہیں — بلند و سخت و گورے گول کچھ ہیں

---

[1] سے ہو، لاہور
[2] پنجہ انگشت، لاہور

لگائی انھوں پر ہم نے اب گھات　　کہ شاید کچھ کبھو لاگے میرے ہات

وصفِ سینہ وشکم

سینے کے وصف میں دل کیو نہ ہو شاد　　کہ یاد آیا مجھے مضمونِ استاد
گلے سے پیٹ تک دریائے سیماب　　دو پستاں جوں حباب اور ناف گرداب

وصفِ کمر

ہوا ہوں مو نمط فکرِ کمر میں　　کہوں تب کچھ کہ جب آوے نظر میں
نہیں کچھ کام[1] کرتے فکر جز ہیچ　　عدم ہے وہم ہے یا ہے یہ کچھ پیچ

وصفِ مکانِ مخصوص

مکانِ خاص کو کہتا ہوں رکھ قید　　بے کلی نا خوردہ بادِ باغِ امید
بجا ہے اس کو گندم شکل کہنا　　کہ جس بن مرگ ہے آدم کو رہنا

وصفِ ساق

سریں سے تا بپا ساق بلوریں　　بتِ کنچن کے ہیں دوپائے سیمیں
خجالت سے بتاں سب سرنگوں ہیں　　عمارت حسن کے دونوں ستوں ہیں

وصفِ ناخن

تیرے ناخن ہیں قرص بدر مانند　　نہیں پہنچے ہے روشن ماہ ہر چند
تراشے ان کو گر وہ ماہ پیکر　　ہلال ہووے ہر اک چڑھ آسماں پر

وصفِ کفِ پا

نظر کر نرمی و رنگِ کفِ پا　　کنول شرمندہ ہو پانی میں ڈوبا
نہ ہو کیوں فرشِ گل ہر ایک جا پر　　ہجومِ بلبلاں ہے نقشِ پا پر

وصفِ قامت

چمن میں دیکھ کر یہ قد و قامت　　ہوئے سرو صنوبر پر قیامت
گیا قمری کے دل سے سرو کا شوق　　ہوئی لونڈی گلے میں ڈال کر طوق

وصفِ ناز و تبسم وخرام

ادا و ناز و غمزے نے لیا دل　　تبسم نے ترے ٹکڑے کیا دل

ہوا ہے تو بزورِ خوش خرامی   جہاں کے کبک رفتاروں میں نامی

وصفِ نگاہ وتغافل

نگاہ و شوخ گر تیرِ قضا ہے   تغافل تس اوپر پوری بلا ہے
کہے ہے کان میں تجھ گل کے بلبل   نہ دینا ہاتھ سے شانِ تغافل

وصفِ عضو[1]

نہ[2] ہو دیوانہ کیونکر آج حاتم   کہ تجھ صورت کا ہے محتاج حاتم
کیا قربان اے جانِ تماشا   ترے ہر عضو پر یہ دل سراپا

---

[1] فکر کرتے، علی گڑھ

[2] وصف، علی گڑھ

رباعیات[1]

حاتم دل کر مثال آئینہ صفا چاہے کہ جو ہو صورتِ حق جلوہ نما
کرتا کیا ہے نصیحتیں اور[2] کے تئیں چاہے ہے خدا تو رہ خدا کی میں خودآ

حاتم زر[3] ومال و ملک اطلس کی قبا لازم ہیں انھیں جو ہیں گے اہلِ دنیا
آزاد کے تئیں میسر اسباب جہاں ہوگا تو کیا وگرنہ ہوگا تو کیا

حاتم ہو[4] جا کہیں گدائی مت کر ان تنگ دلوں سے آشنائی مت کر
طامع مت ہو جہاں کی نعمت اوپر مانند مگس کے بے حیائی مت کر

حاتم پسِ[5] مرگ کیا بیاباں کیا باغ دونوں یکساں ہیں گر ہوں عملوں سے فراغ
کیا حاجتِ شمع ہے میرے مشہد پر کافی ہے یہ داغِ دل میرا جائے چراغ

حاتم غمِ مرگ[6] دل سے کھونا معلوم عملوں کا سیاہ نامہ دھونا معلوم
معشوق ہزار ہوں یہاں عمر کہاں پیری میں جوان پھر کے ہونا معلوم

اس[7] ملکِ فنا میں آ کے بسنا معلوم حاصل اِس جا بجز ترسنا معلوم
اس باغِ جہاں میں شبنم و گل کی طرح فرصت نہیں رونے کی تو ہنسنا معلوم

---

۱ رُباعی از شجرہ اخرم۔ مفعول فاعلن مفاعیل فعل، لندن
۲ غیر، لندن ۳ رُباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیل فعل، لندن
۴ رُباعی از شجرۂ اخرم۔ مفعولن فاعلن مفاعیلن فع، لندن
۵ رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع، لندن
۶ رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع، لندن
۷ لندن میں یہ رُباعی نہیں ہے۔

ان[1] سیم بروں کے ساتھ سونا معلوم — قسمت میں نہیں ہے خاک، سونا معلوم
حاتم افسوس دی و امروز گذشت — فردا کی رہی امید سونا معلوم

ہے[2] ذکرِ خدا ہمیشہ کامِ[3] فقرا — اور خون جگر سے پُر ہے جامِ فقرا
اس کام میں آوے تو تجھے ہو معلوم — کیونکر گزرے ہے صبح و شامِ فقرا

ہر دم[4] توکل ہے نشانِ فقرا — اور کنجِ قناعت ہے مکانِ فقرا
رکھتی ہے شرف ہزار نعمت اوپر — بے منّتِ خلق خشک نانِ فقرا

تو[5] نحو میں صرف کر چکا عمر تمام — مُلّا نہ کھلا تجھ کو پر عرفاں[6] کا مقام
جاہل ہوں نہیں مجھ کو ترے علم سے کام — کافی ہے مجھے بس ایک اللہ کا نام

گر[7] سوزشِ دل کروں کسی سے میں بیاں — جلنے لگے تو شمع کی مانند زباں
ہے دل میں مقیم اس طرح عشقِ بتاں — جیسے جگرِ سنگ میں آتش ہے نہاں

مستی[8] میں تو یا کہ آنِ ہشاری میں — مت ڈھونڈ خدا کو چرخ زنگاری میں
پردے میں چھپا ہے صورتِ انسان بیچ — اربع عنصر کی چار دیواری میں

عاشق[9] کا جہاں میں مذہب و کیش نہیں — جز اشکِ رواں و سینۂ ریش نہیں

---

۱ رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع، لندن ۲ لندن میں یہ رباعی نہیں ہے۔
۳ اب، لاہور۔ کار، علی گڑھ ۴ لندن میں یہ رباعی نہیں ہے۔
۵ رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیل فعول، لندن ۶ پھر عرفاں، لاہور و لندن
۷ لندن میں یہ رباعی نہیں ہے۔ ۸ رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع، لندن
۹ رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیل فعول، لندن

پہلو مارے ہے آتشِ عشق سے دیکھ[1]　　انسان کہ مشتِ خاک سے بیش نہیں

اے[2] درد تو میرے پاس ٹک ہوتا جا　　یک ذرہ غبارِ دل میرا دھوتا جا
ہاں مونس روزگار آفت زدگاں　　میرے بھی کبھو تو حال پر روتا جا

تجرید[3] سے چاہو کہ جدائی نہ کرو　　تو قحبہ زنوں سے آشنائی نہ کرو
رہنا ہے اگر جہاں میں آزاد کی طرح　　تو دل میں خیال کت خدائی نہ کرو

یک[4] ذرہ کبھو نہ کام آئی مجھ کو　　دولت مندوں کی آشنائی مجھ کو
کہ فارغ ان سے میں ہوا ہوں　　یکساں ہے شاہی و گدائی مجھ کو

مارا[5] ہے حقیقت جہان کے غم نے　　یہ بھید بتایا نہ کسی محرم نے
جھانکا جب آکے آپ میں اپنے تئیں　　سب کچھ دیکھا نہ دیکھا ہم نے

یک[6] عمر سے جیتا ہوں نہ میں مرتا ہوں　　میں خانہ خراب اپنے دن بھرتا ہوں
حیرت میں ہوں اس جہاں میں اللہ اللہ　　آیا کیوں تھا و کیا ہوں کیا کرتا ہوں

تسلیم[7] و رضا کا جو کوئی بندا ہے　　نزدیک اس کے بھلا برا پھر کیا ہے
گر اس کی طرف سے خیر و شر ہے حاتم　　تو شکوہ و شکر غیر سب بے جا[8] ہے

---

۱ آج، لندن

۲ رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فع، لندن　　۳،۴ دہلی و لندن میں ہیں۔

۵ لندن میں یہ رُباعی نہیں ہے۔　　۶ رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع، لندن

۷ رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فع، لندن　　۸ سچا، علی گڑھ

اس[1] تھوڑی سی عمر میں کہو کیا کیجیے — دنیا[2] یا تلاشِ دین کیا کیا کیجیے
کچھ بن نہیں آتا ہے مگر کوئی دم — قدرت کا تماشا اس کی دیکھا کیجیے

اس[3] عمر میں دیکھا نہ ہم ایسا کوئی — آئے پر اجل[4] کے جو نہ مرتا کوئی
اس موت کے ہاتھ سے جہاں میں یارو — کوئی نہ بچا[5] ہے نہ بچے گا کوئی

گزری[6] ہے یوں ہی کہ اب کچھ ہو اب کچھ ہو — بے اس کی رضا کے کچھ نہ ہو کب کچھ ہو
چاہا اپنا ہوا نہ کچھ اب تک کچھ — وہ چاہے تو ایک آن میں سب کچھ ہو

شیطان[7] نے کیا ہے شیخ کو کیا گمراہ — جانے ہے گل و سنگ کے تئیں بیت اللہ
نزدیک اس کے زیارتِ دل ہے گناہ — لا حول و لا قوۃ الا باللہ

رمضان کی آمد ہوئی ہے شیخ کو عید — ہے واسطے افطار کی سب سے تاکید
معلوم ہوا تو اس جہاں میں حاتم — عرفان ہے روپیا و روٹی توحید

اے مست غرور بادہ نوشی کب تک — یہ مسند و شان خود فروشی کب تک
ہے چشم امید سب کو تو سوتا ہے — ٹک آنکھ تو کھول چشم پوشی کب تک

اے فیل نشین و صاحبِ بان و نشاں — کچھ ہوش ہے تو کام میں لا دست و زباں
کچھ احسان کر کہ تا مسخر ہو جہاں — ہے خیر الانسان عبید الاحساں

---

1. رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فع، لندن
2. دنیا یا تلاشِ دین، رامپور و لاہور و لندن
3. رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعیل مفاعیلن فع، لندن
4. جو نہ مرتا، نسخہ رامپور، لاہور و لندن
5. کوئی نہ جیا ہے نہ جئے گا کوئی، لندن
6. رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فع، لندن
7. رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع، لندن

اے خواجہ یہاں پیر و صبی و برنا
رہنے کا کوئی نہیں یہ ہے دارِ فنا
ٹک مست شراب غفلت اب ہوش میں آ
دو دم کی ہے زندگی دماغ اتنا کیا

بے جا ہے عمارت کی نہ بنیاد کرو
کچھ اور طرح سے خانہ آباد کرو
دل گھر ہے خدا کا صاحبان مت ڈھاؤ
سائل کو کبھو تو دے کے دل شاد کرو

جو[1] حق نے دیا سو صرف کرنے کے لیے
گٹھری صندوق میں نہ دھرنے کے لیے
آ کھا و کھلا و بخش دے اے بخیل[2]
کیا سینت رکھا ہے اپنے مرنے کے لیے

پھر عشق نے آ کے دل سے پیغام کیا
باتوں باتوں میں اپنا سب کام کیا
کوچے کوچے، گلی گلی، شہر بہ شہر
رسوا و خراب و خوار و بدنام کیا

دل دیکھتے ہی بتاں کو حیران ہوا
بیٹھے بیٹھائے پھر پریشان ہوا
ثابت کیجے جہاں میں کس کی تقصیر
جو دل ہی بغل میں دشمنِ جان ہوا

گر[3] قد کو ترے مصرعِ آہی کہیے
ابرو کو بجا ہے بیتِ شاہی کہیے
جانا تو ہوا ہے چار ابرو ظالم
اب تجھ کو رباعی سپاہی کہیے

گالی[4] ہے غرض بہانہ مے نوشی ہے
تا جانے کوئی عالمِ بے ہوشی ہے
بکنے دو پڑا بکے کہ جاہل کا جواب
سو بات کی بات اک خاموشی ہے

۱؎ لندن میں یہ سرخی دی ہے ”رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیل فعل

۲؎ ممسک، علی گڑھ

۳؎ رباعی از شجرۂ اخرب۔ مفعول مفاعلن مفاعیل فع، لندن

۴؎ لندن میں یہ رباعی نہیں ہے۔

غیروں سے گھڑی گھڑی ہم آغوشی ہے — اور مجھ سے وہی گریز و رو پوشی ہے
اوروں کا ہمیشہ ذکر میرے حق میں — دانستہ تغافل و فراموشی ہے

عاشق معشوق سے وفا چاہے ہے — مفلس زر و بیمار شفا چاہے ہے
دنیا میں جو آیا ہے نہیں بے حاجت — درویش غذا شہ اشتہا چاہے ہے

غم[۱] نہ کھا مفلسی سے اے حاتم — کہ تجھے تنگیٔ معیشت ہے
شکرِ حق کر کہ ہے مثل مشہور — تندرستی ہزار نعمت ہے

دنیا[۲] داری ہمیشہ دل ریشی ہے — پابندِ عیال و مال اور خویشی ہے
آزادہ و وارستہ و فرد و فارغ — دیکھا تو یہاں عالمِ درویشی ہے

مطلب[۳] نہ شہ و گدا سے میں رکھتا ہوں — نے غرض کچھ آشنا سے میں رکھتا ہوں
کونین کی حاجتیں روا ہونے کو — اُمید قوی خدا سے میں رکھتا ہوں

سب ہو تو گئے رقیب موذی ماضی — ڈر کس کا رہا جو تم ہو ہم سے راضی
مشہور ہے یہ مثل جہاں میں پیارے — دو دل راضی تو کیا کرے گا قاضی

---

۱ لندن میں یہ قطعہ نہیں دیا۔ نسخۂ لاہور میں رباعیات کے بعد یہ قطعہ درج ہے۔

۲ مجموعۂ نغز، جلد دوم میں یہ رباعی آفتاب علی میرؔ (شاگردِ حاتمؔ) کے نام سے درج ہے۔

۳ لاہور میں یہ دو رباعیاں اور دی ہیں جو کسی نسخہ میں نہیں ہے۔

فردیات

خیر[1] و برکت ہند سے سب اڑ گئی　　سب کی دھار تیغِ ہمت مڑ گئی

جب[2] تک کہ گریباں میں یک تار رہے گا　　تب تک مری گردن کے اوپر بار رہے گا

عادتِ[3] فیض و حیا اہل جہاں سے چھوٹ گئی　　دستِ ہمت شل ہوا چشمِ مروت پھوٹ گئی

مرقع میں جہاں کے جو مجھے صورت دکھاتا ہے　　بہر صورت وہاں حاتم مصور یاد آتا ہے

صنم دہرے سے اپنی جب مجھے صورت دکھاتا ہے　　برب کعبہ اے حاتم خدا ہی یاد آتا ہے

گدا کو تاجِ شاہی شاہ محتاجِ گدائی ہے　　تری قدرت کے صدقے کیا تماشے کی خدائی ہے

عاشق کی تو قسمت میں ہر روز غذا غم ہے　　گو عید ہے عالم میں ہم کو تو محرم ہے

مظہر حق کی صفت ریگ بیاباں میں دیکھ　　کہ ہر ایک ذرّہ میں خورشید نظر آتا ہے

دل لباسِ عاریت کی قید سے آزاد ہے　　جامہ عریانی کا میرے بر میں مادر زاد ہے

کیا برا شیوہ تغافل کا ہے میرے یار میں　　بن پڑھے رکھ دے ہے خط کو رخنۂ دیوار میں

---

[1] لندن میں اس عنوان کے بعد پہلا شعر ہے۔

[2] لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

[3] فیض و کرم اہل دول، لندن

فقیری کی ہوس کرتا ہوں پر کچھ بن نہیں آتا
جو آنِ فقر پاتا ہوں تو اپنے تئیں نہیں پاتا

ترے رونے اوپر گل کے تئیں کب مہر آتی ہے
عبث شبنم تو اس کے واسطے ٹسوے بہاتی ہے

گلشن کی سیر تجھ بن دل پر مرے بلا ہے
ہر تاک اس چمن کی نظروں میں اژدہا ہے

بعد مجنوں مجھ سے صحرائے جنوں آباد ہے
نالہ میرا ہے غلام اور آہ خانہ زاد ہے

خدا نے خلق کو ظالم کے ہاتھوں سے اماں بخشی
بچایا جی سے عالم کو اسے کہتے ہیں جاں بخشی

نظر کر صنع[1] پر اس صانعِ مطلق کی اے حاتم
چراغِ برق کو روشن رکھے ہے باد و باراں میں

اے شمع سوزِ جاں کو میں جانوں یا تو جانے
جلنے کو استخواں کے میں جانوں یا تو جانے

دولب کی آرزو سے دل میں ہے شور
لبِ معشوق ہووے یا لبِ گور

لبِ میگوں کے آگے مے سے کیا اب مجھ کو مطلب ہے
ترے لب سے ملانا لب مجھے جامِ لبالب ہے

ترا[2] یہ چاند سا منہ دیکھ اے شراب پرست
خدا پرست ہوئے آج آفتاب پرست

لوگ کہتے ہیں فلانا مر گیا افسوس ہے
یہ نہیں جانے ہیں غافل بندا تھا اب حق ہوا

---

۱ لاہور میں اضافہ ہے۔

۲ لندن میں یہ شعر اس طرح لکھا ہے:

تیرا یہ چاند سا منہ اے بتِ شراب پرست = خدا پرست ہوئے دیکھ آفتاب پرست

نہ[1] آیا اب تلک بھیجا تھا ہم نے نامہ بر کر کر — نہیں معلوم اس ظالم سے کیا گزری کبوتر پر

سرو قد کو نامہ بھیجا راہ میں کھو کے جواب — وہم سے رنگِ کبوتر فاختائی ہو گیا

مزا میٹھا لگا ہے اس کو کیا دشنام دینے کا — کہ ہم کو دیکھتا ہے جب وہ موہن بھوگ دیتا ہے

حیرت[2] میں ہوں نامہ مرا کیونکر پڑھا لے ہاتھ میں — آئینہ لے کر دیکھنا آوے ہے جس کو عار سے

مجھے کچھ عرض کرنا تھا کروں کیا یار سوتا ہے — بڑے طالع گنو اپنی اگر یک پل رتی جاگے

جاگتا ہے گا مرا یار میں کیونکر سووں — خواب میں نیند نہیں جب سے مری آنکھ لگی

تجلّی ماہ کی ہے عارضی اے شوخ جس آگے — ترے خط کی سیاہی میں عجب کچھ روشنائی ہے

صنم[3] کو دیکھ کر سب درد اپنا بھول جاتا ہوں — جو ہنس[4] کر بولتا ہے غنچۂ لب تو پھول جاتا ہوں

مجھے دیکھے نہ ہوویں کیوں گرہ دل میں رقیبوں کے — کہ اُس سوزن پلک سے اُن سگوں کو رشتہ داری ہے

صنم غصے میں جب آتا ہے مجھ کو جی سے بھاتا ہے — کہ غصے کے بہانے سے مجھے آنکھیں دکھاتا ہے

---

[1] لندن میں اس کے بعد یہ مزید ہے:

چلا اپنا بدل کر بھیس سن کر راہ میں خطرے ☆ کبوتر نامہ لے تجھ کن لباسِ جوکیا کر کر

[2] لندن میں یہ دو شعر مزید لکھے ہیں۔

[3] دیکھتے، لندن

[4] لندن میں یہ مصرع اس طرح ہے: ٹک ایک ہنس بولنے میں غنچہ لب کی پھول جاتا ہوں

رات ظالم نے دیکھو مِسی لگا اور کھا کے پان
کس دغا سے عاشقوں کی فوج پر شب خوں کیا

تیری سمرن میں ہیں دانا سخن[1] کے
دکھاویں ہیں تجھے سوراخ من کے

گھٹا کر دل میرا وہ ابرِ رحمت اٹھ گیا برسے
لگی برسات اس غم سے ہمارے دیدۂ ترسے

ترے ابرو کا جو اشارا ہے
سو نہانی جگر پر آرا ہے

اس خال کے خلل سے مرے دل میں دل نہیں
آرام زندگی کا مجھے ایک تل نہیں

نگہ گر گھر مرے دل میں کرے ہے
یہ تل پر دل کے تئیں تلمیں کرے ہے

کیونکہ تجھ سے ملوں کماں ابرو
کہ کھڑے ہیں رقیب تکے سے

پتنگِ دل مرا کر ڈور اس لڑکے نے الفت سے
پھر آخر کے تئیں کنیا کے ہم سے دوستی کٹ کی

نہ[2] جانو دل بندھا تسبیح سرگرداں ہے کس غم سے
کہ ہر دانا کے من کے بیچ ہیں سوراخ اس غم سے

اس قدر ہیں تیز خونخواری میں مژگاں یار کی
کر گئی ہیں جس کی ہیبت سن کے سویاں سار کی

آج حجام کی نے سر سہلا
خوب ناخن لیے رقیبوں کے

---

[1] زمن، علی گڑھ۔ سخن، دہلی ولندن

[2] یہ دونوں اشعار نسخۂ لندن میں ہیں۔

گھٹا[1] تجھ بن مجھے یہ آج کاری   لگے ہے دل میں جوں[2] بوندی کٹاری

رشتۂ عمر اگر تارِ گریباں ہوتا   تو بھی گردن کے اوپر بارِ گریباں ہوتا

قدر اپنی کچھ نہ بوجھے تھا ہمارا سادہ رُو   کیوں بجھایا خانہ ان آئینہ سازوں کا جلے

اس سنارے سیم بر کے کیونکہ جاؤں ہاٹ میں   زرگری کر کر بچھا رکھے ہیں کانٹے باٹ میں

تجھ رو کی تاب دیکھے گہنا رہا ہے سورج   اے سیمبر ہمارے تو نے بھی کچھ سنارے

ہمارے دردِ دل کو شوخ[3] چنچل   ترے تعویذ سے بازو کے ہے کل

پہن کر جامہ بسنتی جو وہ نکلا گھر سوں   دیکھ آنکھوں میں میری پھول گئی ہے سرسوں

جی دیا اس چشم کی حسرت میں میں ہوکر ملول   دوستاں مرے مزار اوپر رکھو نرگس کے پھول

کھلے بالوں پر اُس لیلیٰ کے میں نے جی دیا اپنا   بجا ہے گر مزار اوپر مرے[4] ہو بید مجنوں کا

مجھے اس شوخ نافرماں نے مارا اپنے[5] گھر لا کے   بجا ہے میری تربت پر رکھو گر پھول لا لا کے

دیا[6] ہے جان میں آغوش میں اس کی محبت میں   بجا ہے گر میری تربت بناؤ دوستاں بغلی

---

۱ آہ، علی گڑھ   ۲ ہر، لندن۔ جو، علی گڑھ

۳ جان، علی گڑھ   ۴ ہو میری، لندن

۵ لیکلا پا کے، لندن و دہلی   ۶ لندن میں یہ فرد اس طرح ہے:

دیا ہے جان میں آغوش میں اس کی محبت میں = بجا ہے کہ بناؤ قبر میری دوستاں بغلی

دیا ہے میں نے اس نقاش کے لڑکے پر اپنا جی — عزیزاں بعد مرنے کے کرو تربت مری چتلی

حشر کے روز میری چھاتی پر — داغ اس کا جواب نامہ ہے

اس کی انکھیوں نے مجھے تاک کے مارا یارو — اب میرا سایۂ انگور قبر پوش کرو

بشنی[۱] کے دل کو اول باتوں لگا لبھا لیں — آخر کو کچھ نہ چھوڑیں پاویں جو سب چھنالیں

بو الہوس گر زر نہیں تجھ کن تو رجواڑے نہ جا — مال زادی کا نہیں کچھ کام غیر از مانگنا

ہم چھنالوں کی چھوڑ دی یاری — نفس کو مار کر کیا مردا

ہیز کو کنچنی کے گھر میں جانا کب خوش آتا ہے — ہمیں کیا غرض ہے اُن کی ہمارا نفس جاتا ہے

---

۱ لبسنی، لندن

مخمسات[1]

(از دیوان قدیم ۱۱۴۲ھ)

کہیں وہ خالقِ بیچوں و بے نشان ہوا　　کہیں وہ مالکِ ملک و ملک عیان ہوا
کہیں وہ صاحبِ مال و زر و نشان ہوا　　کہیں وہ بادشہِ تختِ لا مکان ہوا
کہیں وہ جسم ہوا اور کہیں وہ جان ہوا

کہیں فقیر کی صورت ہو آ سوال کیا　　کہیں وہ شیخ و مشائخ بنا و حال کیا
کہیں مدرسے میں عالم[2] ہو قیل و قال کیا　　کہیں جمال دکھایا کہیں جلال کیا
کہیں وہ جان ہوا اور کہیں اجان ہوا

کہیں وہ صورتِ انسان ہو کلام کرے　　کہیں وہ کھٹ میں غریبوں کے آ سلام کرے
کہیں وہ مہر سے عالم کے تئیں غلام کرے　　کہیں وہ خلق کو یک دم میں قتلِ عام کرے
کہیں وہ قاتل ہوا اور کہیں امان ہوا

کہیں وہ بیٹھا[3] ہوا خاک رولتا ہے گا　　کہیں وہ کیسہ بھرا زر کا کھولتا ہے گا
کہیں وہ ہو کے خریدار بولتا ہے گا　　کہیں لے ہاتھ ترازو وہ تولتا ہے گا
کہیں وہ باٹ ہوا اور کہیں دوکان ہوا

کہیں وہ عشق میں محبوب کے ہوا ہے گدا　　کہیں وہ صورتِ محبوب بن کرے ہے ادا
کہیں وہ دائی ہوا ہے کہیں ہوا ہے دوا　　کہیں وہ طفل کی مانند کھیلتا ہے سدا
کہیں وہ پیر ہوا اور کہیں جوان ہوا

کہیں وہ گود میں دشمن کی دوست کو پالے　　کہیں وہ دوست کو دشمن کے ہاتھ لٹوا لے
کہیں وہ راہ کے جاتے کے تئیں کہے آ لے　　کہیں وہ چھین کسو کا کسو کو دے ڈالے
کہیں وہ گنج ہوا کہیں وہ پاسبان ہوا

---

[1] لندن میں یہ مخمسات نہیں ہیں، دہلی میں ہے۔ نسخۂ لاہور میں اس کا سنِ تصنیف ۱۱۴۲ھ ہے۔

[2] فاضل، دہلی

[3] عاجز، علی گڑھ

کہیں وہ بحر ہوا ہے کہیں ہوا ہے پل کہیں وہ شیشہ ہوا ہے کہیں ہوا ہے مل
کہیں وہ سرو ہوا ہے کہیں ہوا ہے گل کہیں وہ قمری ہوا اور کہیں ہوا بلبل
کہیں وہ باغ ہوا کہیں وہ باغبان ہوا

کہیں وہ دانہ بکھیرے کہیں وہ چنتا ہے کہیں بناؤتا ہے اور کہیں وہ بنتا ہے
کہیں کپاس ہوا ہے کہیں وہ دھنتا ہے کہیں وہ[1] دیکھتا ہے اور کہیں وہ سنتا ہے
کہیں وہ چشم ہوا[2] اور کہیں وہ کان ہوا

کہیں ہے درد کہیں ہے دوا کہیں ہے حکیم کہیں ہے قصد کہیں قاصد[3] و کہیں ہے مقیم
کہیں قہار کہیں جابر و کہیں ہے رحیم کہیں ہے صلح و کہیں جنگ اور کہیں ہے غنیم
کہیں وہ زخم ہوا اور کہیں سنان ہوا

کہیں وہ سیم کہیں زر کہیں ہوا ہے محک کہیں وہ قند کہیں مصری و کہیں ہے نمک
کہیں ہوا ہے وہ ناداں کہیں ہوا زیرک کہیں ہے عرش کہیں کرسی و کہیں ہے فلک
کہیں زمین ہوا کہیں وہ آسمان ہوا

کہیں وہ آکے کرے ہے امان حاتم کو کہیں وہ بخشے[4] ہے جا عز و شان حاتم کو
کہیں وہ پل میں کرے شادمان حاتم کو کہیں وہ آن میں بخشے جہان حاتم کو
کہیں وہ خلق ہوا اور کہیں جہان ہوا

---

[1] کہیں وہ چشم ہوا، کراچی
[2] آنکھ، کراچی
[3] سفر، کراچی
[4] کہیں وولا کے کھلاتا ہے نان حاتم کو، دہلی

مخمس[1] در وصف مرشداں ۱۱۳۹ھ

یا امامِ جہاں و مہترِ دیں　　زیر تیرے قدم کے خلدِ بریں
ماہ و خورشید و آسمان و زمیں　　سب کہیں ہیں یہی بہ صدق و یقیں
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

کچھ زباں سے ترے ہوا نہ نزول　　غیرِ قال اللہ و قال رسولؐ
تم ہو دونوں جہان کے مقبول　　دل سے کہتی ہے ہر کلی ہر پھول
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

شک نہیں آلِ مصطفیٰؐ ہو تم　　خاص فرزندِ مرتضیٰؓ ہو تم
حق سے کب ایک دم جدا ہو تم　　مری کشتی کے نا خدا ہو تم
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

تم میں خوئے حسینؓ و خلقِ حسنؓ　　ہے[2] یہاں آفتاب سے روشن
شاہ زین العباد کے تن و من　　اور باقر[3] کے تم ہو نورِ نین
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

تم تو صادق کے دل کے ہو پیوند　　موسیٰ کاظم کی ہو نگہ میں پسند
علی موسیٰ رضا کے ہو فرزند　　ہر طرف سے یہی ہے بانگ بلند
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

سیدِ پاک و جسم و جان تقی　　عین معصوم و ہم خصالِ نقی
سیرتِ عسکری عیاں ہے سبھی　　تم میں سب ہیں خوارقِ مہدی
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

---

[1] نسخۂ لاہور میں سنِ تصنیف ۱۱۳۹ھ لکھا ہے۔ دہلی میں بھی یہ مخمس موجود ہے۔

[2] جگ میں ہیں، دہلی

[3] دورِ آخر، دہلی

اول اپنا نثار جان کروں عضو ہر یک بنا دہان کروں
تس میں ہر مو اگر زبان کروں تو بھی کیا وصف کا بیان کرون
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

تم محمدؐ کے ہو چرن بردار میں چرن پر ترے ہوا ہوں نثار
کیوں نہ پاؤں جہاں میں عز و وقار کہ میرے تم ہو وارث و سردار
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

جاں افلاس سے بتنگ ہوا بازِ دل طعمۂ کلنگ ہوا
پھر فلک مستعد بجنگ ہوا کیوں مرے کام کو درنگ ہوا
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

میں[1] کمینہ ترا کہایا ہوں دل سے تجھ نام پر بکایا ہوں
صدمہ جورِ فلک سے پایا ہوں تم کنے داد خواہ آیا ہوں
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

مفلسی کی نظر پڑی ہے جھلک غم سے لگتے نہیں پلک سے پلک
تم سے اس وقت مانگتا ہوں کمک یا غریبِ علیؑ ولی بے شک
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

حاتمؔ اب تک تھا ناقص و جاہل تم کو پایا ہے مرشدِ کامل
تجھ غلامی میں حق کیا حاصل یا سخی شاہ بادلِ باذل
یا محمدؐ امیں کمیں نہ غمیں

---

[1] جگ میں چیرا، کراچی۔ میں کمینہ ترا، دہلی

مخمس[1] شہر آشوب ۱۱۴۱ھ

تو کھول چشمِ دل اور دیکھ قدرتِ حق یار — کہ جن نے ارض و سما اور کیا ہے لیل و نہار
نہ کھو تو عمر کو غفلت میں ٹک تو ہو ہشیار — کہ دور بارہ صدی کا ہے سخت کج رفتار
جہاں کے باغ میں یکساں ہے اب خزاں و بہار

شہوں کے بیچ عدالت کی کچھ نشانی نہیں — امیروں بیچ سپاہی کی قدر دانی نہیں
بزرگوں بیچ کہیں بوئے مہربانی نہیں — تواضع کھانے کی چاہو کہیں تو پانی نہیں
گویا جہاں سے جاتا رہا سخاوت و پیار

یہاں کے قاضی و مفتی ہوئے ہیں رشوت خور — یہاں کے دیکھ لو سب اہل کار ہیں گے چور
یہاں[2] کرم سے نہیں دیکھتے ہیں اور کی اور — یہاں سبھوں نے بھلائی ہے دل سے موت اور گور
یہاں نہیں ہے مدارا بغیر دار و مدار

امیر زادے ہیں حیران اپنے حال کے بیچ — تھے آفتاب پر اب آ گئے زوال کے بیچ
پھریں ہیں چرخے سے ہر دن تلاش مال کے بیچ — وہی گھمنڈ امارت ہے پھر خیال کے بیچ
خدا جو چاہے تو پھر ہو پر اب تو ہے دشوار

رزالے آج نشے بیچ زر کے ماتے ہیں — پہن لباس زری سب کو سج دکھاتے ہیں
مسی پہ پان کو کھا[3] سرخرو کہاتے ہیں — کبھو ستار کبھو ڈھولکی بجاتے ہیں
غرور و غفلت و جوبن کی مدھ میں ہیں سرشار

روپے اشرفی اچھالیں ہیں رات دن صراف — مقیش و بادلے میں غرق ہیں کناری باف
کتاب خانے کے وارث ہوئے ہیں مفت صحاف — نہاری پز کا دوکان پر کرے ہے کلمہ ولاف
ہمیشہ سونے و روپے میں کھیلتا ہے سنار

نظر میں آتے ہیں پر کیسہ آج نائی کے — اکڑتے پھرتے ہیں بی بی کے دودھ دائی کے
ہوئے ہیں فربہ دیکھو گوشت کھا قصائی کے — کمینے بھول گئے دن دیا سلائی کے
زنانے مردی پکڑ باندھنے لگے تروار

---

[1] نسخۂ لاہور میں سنِ تصنیف ۱۱۴۱ھ ہے۔ [2] دہلی میں مصرعوں کی ترتیب بدلی ہوئی ہے۔ [3] چبا، دہلی

ہے آج گرم شجاعت میں نان پز کی دوکان	کبابی قیمہ کرے ہے نجیبوں کو ہر آن
شمع فروش کی ہے چرب سب کے اوپر شان	ہے مثل باغ کی سرسبز کونجڑے کا مکان
دھینور کا بحر میں مچھلی کا کھیلتا ہے شکار

شگفتہ لب ہے ہر اک آن پھول والے کا	بھلایا دھینے نے اب دل سے نرخ گالے کا
لہار زور دکھاتا ہے اپنے طالے کا	یہاں دماغ فلک پر ہے اب رزالے کا
جلا ہے دیتے ہیں طعنہ ہر ایک کو ہر بار

پھریں ہیں چکنے جہاں بیچ آج تیلی کے	ملیں ہیں تیل سدا بیل اور چنبیلی کے
ہوئے ہیں صاحبِ مال و زر و حویلی کے	رکھیں ہیں شوق سدا دل کے بیچ سیلی کے
گئے ہیں بھول غذائے قدیم ماش و جوار

رنگیلا شہر میں رنگ ریز کا بن آتا ہے	دھوبی کا اور کے کپڑوں پہ سج دکھاتا ہے
سقے کا مفت میں بہشتی دیکھو دکھاتا ہے	چمار چھوڑ چرم چمر مدہ کا ماتا ہے
چھنال و گانڈو بھڑوے کا گرم ہے بازار

حرام خور جو تھے اب حلال خور ہوئے	جو چور تھے سو ہوئے شاہ، شاہ چور ہوئے
جو زیردست تھے سو ان دنوں میں زور ہوئے	جنھوں کو زور تھا سو اب مثالِ مور ہوئے
جو خاک چھانتے پھرتے تھے سو ہوئے زر دار

خدا نے کی ہے میسر رفو گروں کو شال	پھرے ہیں پیٹ بھرے لچے سب میں لالوں لال
لگے ہیں زاغ بھی چلنے گو آج کبک کی چال	حرام زادوں کو یکساں ہوا حرام و حلال
چہل[1] کا گھر ہے جہاں میں تو خانۂ چمار

جہاں کے بیچ ہیں حلوائی آج شیریں کام	بھرا ہے میوہ فروشوں کے پستۂ و بادام
نگینے ساز کا عالم میں ہو رہا ہے نام	نظر میں لاتا نہیں اپنے صاحبوں کو غلام
جدھر تدھر چڑھے پھرتے ہیں پالکی میں کہار

باورچی کھا کے ڈکاریں ہیں اب دو پیازہ پلاؤ	اور اپنے زعم میں کھاتا ہے کاغذی کا تاؤ
گرانی[2] غلے سے بنیے کا اور ہی ہے سبھاؤ	گلی گلی میں ہے ہر ایک اپنی راجا راؤ
نوار باف پلنگ پر پڑا ہے پانو پسار

---

[1] چہل، لاہور	[2] گرانی، لاہور

جہاں میں صاحب خس خانہ گھاس والے ہیں ۔۔۔ جنھوں کے محل تھے ان کو کھنڈر کے لالے ہیں
کئی جو ہم نے بھی ٹکڑے کھلا کے پالے ہیں ۔۔۔ سو اب دماغ میں وہ رانی خاں کے سالے ہیں
وہ ہیں سلام طلب ہم سے جب کہ ہوئیں دوچار[1]

سبھوں کے بیچ یہاں سرخرو ہے تنبولی ۔۔۔ کمہار رکھتے ہیں بندوق توپ اور گولی
ہوا ہے خضر کا چشمہ بھینگرے[2] کی جھولی ۔۔۔ ہنسے ہے خانم و بیگم کو دیکھ کر لولی
ہر ایک صبح کو یاقوتی کھائے ہے عطار

عجب یہ اُلٹی بہی ہے گی باؤ دلّی میں[3] ۔۔۔ کہ شاہ باز چڑی مار کی ہے انٹی میں
روغن فروش کی ہیں پانچوں انگلیاں گھی میں ۔۔۔ جنگل کو چھوڑ کے بوم آبسے ہیں بستی میں
نجیب چھوڑ کے شہروں کو ہیں جنگل میں خوار

ہر ایک جنس کے خاوند ہیں گے دست فروش ۔۔۔ کسیرے صاحب ظرفوں کے آج ہیں سرپوش
جوتے فروش دکھاتے ہیں سب کے تئیں پاپوش ۔۔۔ نجیب خانہ بدوش ایک بنی اور دو گوش
ہے باغباں کے گھر میں بہار جوں گلزار

تمام شہر میں کٹھوں کے مالک ہیں بزاز ۔۔۔ اور آج سب میں بڑے خود نما ہیں آئینہ ساز
ستارا اپنا دکھاتے ہیں سب کو آتش باز ۔۔۔ کمان گر بھی ہوئے گھر میں اپنے تیر انداز
نہانی آرے چلاتا ہے خلق پر نجار

جہاں میں صاحبِ شمشیر ہیں گے صیقل گر ۔۔۔ ہے گندھیوں کا معطر سدا دوکان اور گھر
ہمیشہ نازاں ہیں بھڑ بھونجے اپنے بختوں پر ۔۔۔ اہیر دودھ ملائی دہی سے ہیں خوگر
بنا ہے خانۂ نقاش رشکِ نقش و نگار

دلوں کے بیچ صفائی نہیں ہے یاروں میں ۔۔۔ کہیں جو ہوئے بھی شاید تو اب ہزاروں میں
صندوق ساز کے زر ہے بھرا پٹاروں میں ۔۔۔ جو تھے سائیس سو اب نوکر ہیں سواروں میں
عراقیوں کے ہوئے ہیں سرِ طویلہ حمار

---

۱ جب ہوئیں، لاہور
۲ بھینگرے، لاہور

بتر ہے بھڑوے سے عالم میں یار بھڑوے کا　　کہ[1] سب خلاف ہے قول و قرار بھڑوے کا
اگر بڑے سے بڑا ہو ہزار بھڑوے کا　　نہیں ہے تو بھی کہیں اعتبار بھڑوے کا
کہ کنچنی کے سبب اس کا ہے جہاں میں وقار

نہ کر تو جھانجھ جو نقارچی کی نوبت ہے　　مصاحبت کی اگر مسخرے[2] کو خدمت ہے
کمینے سفلے[3] کی گر مرد ماں میں عزت ہے　　تو کیا ہوا کہ رزالے کی زر[4] سے حرمت ہے
ہے افتخار نجیبوں کا فقر و غیرت و عار

کرے ہے چرخ اگر تجھ اوپر جفا حاتم　　تو سفلے پاس نہ کر جا کے التجا حاتم
ترے ہے رزق کا ضامن سدا خدا حاتم　　تو انقلابِ زمانہ سے غم نہ کھا حاتم
کہ تجھ کو رزق بہت اور روزگار ہزار

---

۱ سبھی، دہلی
۲ جلدگر، دہلی
۳ قوم کی گر ہر مکاں، دہلی
۴ رجالے کی زرستی پت، دہلی

مخمس[1] دیوانِ جدید

غافل ز پاس داریٔ دل یک نفس نہ ایم   شب گشت و کوچہ گرد مثالِ عسس نہ ایم
منت کش بہر کس و ناکس ز بس نہ ایم   ما خوشہ چینِ خرمن ہر بوالہوس نہ ایم
محو کلیم در طلب خار و خس نہ ایم

جس دن سے آشیاں سے ہوئے اپنے ہم جدا   دیکھا نہ روئے گل نہ سنا کون تھی صبا
گر تجھ کو ہے شکار ہمارے سے مدعا   صیاد فکر دانہ و دام ایں قدر چرا
صیدیم[2] مُردہ زینتِ دام و قفس نہ ایم

بعضے جو ہیں بخیل زمانے میں نابکار   رکھ پیش رو پلاؤ مربا و ہم اچار
دکھلاویں شان سفری کی ہم کو اگر ہزار   سیریم ماز نعمتِ الوانِ روزگار
برخوان این گرسنہ نگاہاں مگس نہ ایم

دل جان کر جہاں کے تئیں کارواں سرا   تصویر کا سا غنچہ یہ نہ شگفتہ ہی[3] رہا
چپ رہنے کا سبب تو ہمیں[4] پوچھتا ہے کیا   ما بستہ ایم بر لب خود راہِ نالہ را
بے ہودہ گوئی ہرزہ درا چوں جرس نہ ایم

ہم اپنے حوصلے کے تصدق ہیں دوستاں   شعلے ہمارے دل کے گئے تا بہ آسماں
پہنچا نہیں ہے تو بھی[5] کسی غیر کو زباں   حاتم بقولِ حضرتِ طالب درین جہاں
برقیم لیک آفتِ محصول کس نہ ایم

---

[1] لندن میں یہ مخمس نہیں ہے اور نسخۂ لاہور میں یہ عنوان دیا ہے "۱۱۶۶ھ مخمس از دیوان جدید"

[2] صید مردہ ایم جلوسِ قفس نہ ایم، علی گڑھ

[3] ہے، علی گڑھ

[4] مرے، علی گڑھ

[5] تب، علی گڑھ

مخمس[1] دیوان جدید ۱۱۸۰ھ

کل کی باتیں ہیں کہ ہم بھی زمرۂ یاروں میں تھے　　حسنِ خدمت سے تمھارے[2] گھر کے مختاروں میں تھے
جانفشاں و فدوی و دل سوز و غمخواروں میں تھے　　یاد ہیں وہ دن کہ ہم تم[2] سیرِ گلزاروں میں تھے
بلبل و گل لوٹتے حسرت سے انگاروں میں تھے

کس تلاش و کس تردّد میں اٹھ آدھی رات سے　　رکھ کے خطرے اپنے دل میں دشمنوں کی بات سے
کس مہابے سے و کس حرکات و کس سکنات سے　　جھانکتے تھے ہم تمھیں تم ہم کو کس کس گھات سے
ہات سے طرفین کے صد رخنہ دیواروں میں تھے

یا کبھی[3] ہم سے جدا ہوتے نہ تھے تم ایک دم　　کیا خطا دیکھی جو اب کرتے نہیں ہم پر کرم
یا وہ گرمی وہ تپاک اور دوستی یا یہ ستم　　چھوڑ ہم کو غیر کے گھر میں جو رکھتے ہو قدم
جانِ من ہم بھی کبھی تو کفش برداروں میں تھے

یاد آتے ہیں ہمیں جس وقت ایامِ شباب　　میکدے میں اینڈنا جوں تاک ہر دم مست خواب
اس گھڑی ہوتا ہے دل آتش میں حسرت کے کباب　　کیا مزے لیتے تھے اس توبہ کا ہو خانہ خراب
ہم پیالے ہم نوالے جب کہ مے خواروں میں تھے

ایسی کیا تقصیر کی تم نے کیا جو حکمِ قتل　　ہم بھی کب مرنے سے ڈرتے ہیں ہوا گر حکمِ قتل
بے گنہ پر کوئی بھی کرتا ہے بدخو حکمِ قتل　　سب کو جاں بخشی کا وعدہ اور ہم کو حکمِ قتل
اک ہمیں عالم میں کیا ایسے گنہ گاروں میں تھے

کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا مجھے آتی ہے شرم　　خط کے آنے سے ترا جاتا رہا اے یار بھرم
ورنہ تو آہن دلوں کو موم سا کرتا تھا نرم　　مصر دل میں تھا ترے جب حسن کا بازار گرم
نقد دل سے شہر کے یوسف خریداروں میں تھے

رات دن بغلیں معطر تھیں جنھوں کی باس سے　　عیش کرتے تھے بہم فارغ ہوئے وسواس سے
ہو گئے بیگانہ وش اب کثرتِ افلاس سے　　سیم بر اٹھتے نہ تھے حاتم ہمارے پاس سے
جن دنوں ہم بھی کبھو دنیا میں زرداروں میں تھے

---

[1] لندن میں یہ مخمس نہیں ہے۔ لاہور میں اس کا سنِ تصنیف ۱۱۸۰ھ ہے۔
[2] ہم بھی، علی گڑھ　　[3] کبھو، رام پور و لاہور

مسدس[1] در توکل وقناعت ۱۱۳۶ھ

دیوان قدیم

چشمِ امید رکھ کے خدا کے کرم کے ساتھ   باندھا نہیں ہے دل کو میں دام و درم کے ساتھ
گزران اب[2] کروں ہوں جہاں میں بھرم کے ساتھ   گزرا ہوں قوتِ بیش سے قانع ہوں کم کے ساتھ[3]
قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ
روزی مری ہے روز میرے دم قدم کے ساتھ

منکر ٹک ایک تو حق کے خیالوں پہ کر قیاس   جس نے کرم کے منہ میں دیا ہے پتھر میں گھاس
بھیجے ہے پر مگس کو لگا عنکبوت پاس   میں اس کی پرورش پہ نظر کر نہیں ہوں یاس
قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ
روزی مری ہے روز میرے دم قدم کے ساتھ

مجھ کو خیالِ سرو قداں سیرِ باغ ہے   مجھ کو نگاہِ چشم بتاں جوں ایاغ ہے
مجھ کو یہ دل ہمیشہ بجائے چراغ ہے   مجھ کو جہاں و کارِ جہاں سے فراغ ہے
قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ
روزی مری ہے روز میرے دم قدم کے ساتھ

دل میں طمع نہیں مجھے شاہ و گدا ستی   میں سب کو چھوڑ ساز کیا ہوں خدا ستی
بیزار[4] ہوں جو ہات لگے التجا ستی   بیگانا کیا کہ کام نہیں آشنا ستی
قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ
روزی مری ہے روز میرے دم قدم کے ساتھ

مجھ کو حشم و خدم پہ کسی کے نظر نہیں   شوقِ زر اور جہاں میں تلاشِ گہر نہیں
دشمن کی دشمنی سے کسی آن ڈر نہیں   اور فکرِ قوت سے میرے دل میں خطر نہیں

---

[1] لندن میں یہ مسدس نہیں ہے۔ نسخۂ لاہور میں اس کا سنِ تصنیف ۱۱۳۶ھ ہے۔

[2] میں، علی گڑھ   [3] قانع ہوا ہوں چھوڑ کے افزود و کم کے ساتھ، کراچی

[4] میں چھوڑ التجا کو ملا ہوں غنا سیتی، کراچی

قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ
روزی مری ہے روز میرے دم قدم کے ساتھ

خالق کہ جن نے صورتِ انساں کیا مجھے اور جی دیا و صاحبِ ایماں کیا مجھے
نعمت اوپر جہاں کی مہماں کیا مجھے ملکِ غنا کا جب سے کہ سلطاں کیا مجھے
قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ
روزی مری ہے روز میرے دم قدم کے ساتھ

حسرت نہیں ہے نعمتِ[1] دنیا کو دیکھ کر پروا نہیں ہے اطلس و دیبا کو دیکھ کر
رزاق کی صفت کے تماشا کو دیکھ کر گرتا نہیں کسی کے مدارا کو دیکھ کر
قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ
روزی مری ہے روز میرے دم قدم کے ساتھ

غافل کہیں ہیں جمع کرو گھر میں مال و دھن جاہل کہیں ہیں پالو ہر ایک حال اپنا تن
عاقل کہیں ہیں کنجِ قناعت کرو وطن[2] میں سب کی سن کے سب سے کہوں ہوں یہی سخن
قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ
روزی مری ہے روز میرے دم قدم کے ساتھ

ناصح کہے ہے مجھ کو کہ دنیا سے ساز کر اس خام گفتگو سے مرا پھر گیا ہے سر
کچھ آب و خورد کا نہیں دل میں مرے خطر ہر صبح اوٹھ کے ہے مری رزاق پر نظر
قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ
روزی مری ہے روز میرے دم قدم کے ساتھ

چاہوں ہوں میں کہ آئینۂ دل صفا کروں اہلِ صفا کی بزم میں جا اپنی جا کروں
سب کچھ بھلا کے نامِ خدا کا جپا کروں حاتم میں[3] ہو کے غیر سے کیا التجا کروں
قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ
روزی مری ہے روز میرے دم قدم کے ساتھ

---

[1] لذت، کراچی [2] امن، کراچی

[3] حاتم ہو کر جہاں میں، کراچی

سوز[1] و گداز از دیوانِ قدیم ۱۱۳۹ھ

آج ہم حالِ دل اپنے کا بیاں کرتے ہیں — وہ چھپے داغ محبت کے عیاں کرتے ہیں
خونِ دل رو رو کے چشموں سے رواں[2] کرتے ہیں — ان سے کہتے ہیں جو کوئی سیرِ جہاں کرتے ہیں
مونسِ درد ہو مجھ دل میں مکاں کرتے ہیں — ہر دلِ پیر کو پھر آ کے جواں کرتے ہیں
شاید ان میں سے کوئی یار سے جا حال کہے
زلف کے پیچ سے بچ کر مرا جنجال کہے

کہ ترے عشق کے سودے میں گرفتار ہے وہ — روز و شب ہجر کے اندوہ سے بیمار ہے وہ
چشم خوں بار و جگر خستہ دل افگار ہے وہ — اور[3] تصور میں ترے صورتِ دیوار ہے وہ
دین و دنیا سے گزر طالبِ دیدار ہے وہ — سارے عالم میں ترا عاشقِ غمخوار ہے وہ
کیا سبب ہے کہ اسے بات نہیں پوچھو ہو
حیف تم درد غریبوں کا نہیں بوجھو ہو

عمر گزری ہے اسی میں کہ بلاوے گا کبھی — پیار[4] سے دیکھے گا اور چھاتی لگاوے گا کبھی
بیٹھ کر لب سے مرے لب کو ملاوے گا کبھی — وہ چھپے راز محبت کے سناوے گا کبھی
پھر یہی حسنِ جہاں سوز دکھاوے گا کبھی — غرض اب یہ ہے کسی طور بھی آوے گا کبھی
گر نہ آوے گا تو کر چاک گریباں ہو فقیر
حشر کے روز ترا ہوں گا صنم دامن گیر

اے ستم گر تجھے مجھ پاس کا آنا ہے یاد — کھا قسم باتیں محبت کی بنانا ہے یاد
اپنے ہاتھوں سے مجھے پان کھلانا ہے یاد — بے حجابی سے اکڑ چھاتی دکھانا ہے یاد
ساقی ہو کر کے مجھے دارو پلانا ہے یاد — اور گلابی کو ڈھلک جاتے اٹھانا ہے یاد
ہاں جی معلوم ہوا ہم کو کہ سب بھول گئے
یا رقیبوں[5] کے سکھائے سے کچھ اب پھول گئے

---

[1] لندن میں یہ "سوز و گداز" نہیں ہے۔ لاہور میں اس کا سن تصنیف ۱۱۳۹ھ ہے۔ [2] عیاں، علی گڑھ
[3] تجھ تصور میں ہے، کراچی [4] پیار سے دوڑ کے آ، کراچی [5] یا رقیباں کے سکھانے سیتی تم، کراچی

اعتبار اب تری ہر بات کا کرنا ہے غلط　　غیر سے مل کے مرے آگے مکرنا ہے غلط
اور توقع پہ ترے لطف کی مرنا ہے غلط　　زندگانی کو غم و درد میں بھرنا ہے غلط
روٹھ جانے کے ترے خوف سے ڈرنا ہے غلط　　دل میں امید ترے وصل کی دھرنا ہے غلط

ہم تجھے جان دیا، جان نہ جانا تو نے
جو سخن ہم نے کہا مان، نہ مانا تو نے

دل کو تجھ عشق میں خواب و خور و آرام نہیں　　اور چشموں[1] کو بجز رونے کے کچھ کام نہیں
تو ہوا جب سے جدا عیش کا یہاں نام نہیں　　سارے عالم میں کہیں لذتِ بسرام نہیں
جو ہے پیغام تمہارا سو بجز دام نہیں　　اب تلک کام ہمارے کا کچھ انجام نہیں

ہم نے معلوم کیا ان ترے اطواروں سے
کہ[2] تجھے کام پڑا ہے کہیں مکاروں سے

عاشقاں دیکھ ترے جور و جفا جو کہویں　　بلبلاں دیکھ کے تجھ رنگ کو گل رو کہویں
قمریاں دیکھ کے تجھ سرو کو کوکو کہویں　　ساحراں دیکھ تری چشم کو جادو کہویں
جوہری لب کو ترے لعلِ سخن گو کہویں　　اور کمر دیکھ تری خوش کمراں مو کہویں

شمع رو میں تری ہر آن کا پروانہ ہوں
مثلِ مجنوں کے ترے شوق میں دیوانہ ہوں

مال و جاں ہم نے دیا عشق میں تیرے برباد　　ظلم تیرے کی کروں کس کنے جا کر فریاد
داد میری کو نہ پہنچا تو کبھو اے بے داد　　ایک دن بھی نہ کیا لطف سے میرا دل شاد
خوب جو کچھ کہ کیا خوب کیا رحمت باد　　پر ہمارا بھی سخن آج کا تو رکھیو یاد

فاش کہتا ہوں میں اب گھونٹ لہو کے پی پی
اپنے مقدور نہ چھوڑوں گا تجھے جیتے جی

دیکھ احوال مرا دل میں ترس[3] لا کافر　　دلِ بے رحم کو اپنے کبھو سمجھا کافر
کیوں میرے جی کو کڑھاتا ہے ارے آ کافر　　اس قدر بھی تو مرے دل کو نہ ترسا کافر
کل کی اُمید نہیں جینے کی آج آ کافر　　کچھ تو احوال مرا دیکھ کے شرما کافر

---

[1] آنکھوں، کراچی　　[2] کیا، علی گڑھ　　[3] حیا، کراچی

ورنہ کہتا ہوں میں آخر کو تو پچھتاوے گا
اپنے ان ظلم کی کوئی دن کو سزا پاوے گا

دوست داری سے ہر ایک وقت میں منہ پر تجھ کو
جان کر اپنا جہاں بیچ میں دل بر تجھ کو

سنگ دل پر نہ ہوا حیف موثر تجھ کو
کہہ چکا حرفِ نصیحت کا مکرر تجھ کو

سخن اتمام کیا جان کے ابتر تجھ کو
بہت پچتاتا ہوں دل بیچ میں کہہ کر تجھ کو

حاتم اب وصل کی امید پہ رہنا ہے عبث
زیادہ احوال غم و درد کا کہنا ہے عبث

ترجیع بند در جواب ولی ۱۱۳۵ھ[1]

از دیوانِ قدیم

کہاں ہے تو اے شاہدِ گل عذار — کہ تجھ بن نہیں باغِ دل میں بہار
چمن بیچ اے شوخ لالہ کے تئیں — ترا داغ سینے پہ ہے یادگار
ترے تیرِ مژگاں میں کیا آب ہے — کہ لگتے پلک دل کے ہو وار پار
تجھ انکھیاں کی سیاہی سفیدی کی نقل — بنا ہے جہاں بیچ لیل و نہار
اشارے نین کے نہ مانوں گا میں — شرابی کی باتوں کا کیا اعتبار
تری گرمئ شوق میں رات دن — ہے دل مثل سیماب کے بے قرار
گھٹا کی طرح دیدۂ عاشقاں — سدا ہیں تری یاد میں اشکبار
اسے ہاتھ سے اپنے کھوتا میں کیوں — اگر دل پہ ہوتا مرا اختیار
ترے شوق میں آج نرگس کو دیکھ — سفید ہوگئے دیدۂ انتظار
سدا طائرِ دل مرا عشق سے — کرے پنجرۂ تن میں تجھ بن پکار

خبر لے کہ مشتاقِ دیدار ہوں
تیری یک نگہ کا طلب گار ہوں

اٹھاوے اگر منھ سے اپنے نقاب — قدم پر گرے آن کے آفتاب
ازل سے صنم حق نے شمشیرزن — ترے ابرواں کا دیا ہے خطاب
جھلک سے ترے رنگ رخسار کی — کنول ہوگئے شرم سے غرقِ آب
تری آتشِ عشق سے لالہ رُو — ہر ایک سینہ پر داغ و ہر دل کباب
نظر کر تری زلف کے پیچ و بل — چمن بیچ سنبل کو ہے پیچ و تاب
کفِ پا ترے نرم رنگیں کو دیکھ — بھلایا ہے حسرت سے مخمل نے خواب
تصور میں تجھ چشم مے خوار کے — خرابات میں منفعل ہے شراب
مرا دل ترا خانۂ خاص ہے — خراب اس کو مت کر اے خانہ خراب

---

[1] لندن میں یہ ترجیع بند نہیں ہے۔ لاہور میں اس کا سنِ تصنیف ۱۱۳۵ھ ہے۔

سدا پردۂ چشم سے خونِ دل ٹپکتا ہے آ دیکھ لے جوں شہاب
مری جان جائے تغافل نہیں کہ مرتا ہوں اس وقت آ جا شتاب

خبر لے کہ مشتاقِ دیدار ہوں
تیری یک نگہ کا طلب گار ہوں

چمن میں چلے جب تو اے نونہال کرے سرو شمشاد کو پایمال
ترا حسن پیارے جہاں گیر ہے ازل سے یہ ہے تا ابد لازوال
ترا گل رخاں میں اچنبھا ہے رنگ تری خوش قدوں[1] میں نرالی ہے چال
کیا دل کو زنجیرِ زلفاں میں قید یہ جب خالِ حبشی ہوا کوتوال
مرا دل نظر کر اے ابرو کماں ہوا ہے ترے تیرِ مژگاں کا بھال
ترے دور میں جام ہے آفتاب تری مے کی کشتی بنا ہے ہلال
ارے آشنا کش ترے ہجر میں ہوئی ہے مجھے زندگانی وبال
تکلف نہیں راست کہتا ہوں میں تصدق ہے تجھ پر مرا جان و مال
دوانا ہوں کیفی ہوں بے عقل ہوں مری بات سے دل میں مت لا ملال
سن اے بے وفا تیری خدمت کے بیچ سدا ہے یہی مجھ گدا کا سوال

خبر لے کہ مشتاقِ دیدار ہوں
تیری یک نگہ کا طلب گار ہوں

نظر کر ترا رنگ و رو گل بدن چمن بیچ لالہ ہے خونیں کفن
ترے ایک جلوے سے اے شمع رو مرے دل کا روشن ہوا انجمن
صفِ خوبرویاں میں اے شاہِ حسن تری فوج غمزہ کی ہے صف شکن
تری چشم کی سن شکار افگنی نذر[2] کو لے آئے ہیں آہوں نین
پٹیتوں نے چھوڑا ہے بانے کے تئیں نظر کر بھواں کا ترے بانکپن
تصدق ہے فرہاد و مجنوں کی روح کہ لیلیٰ مثالی و شیریں سخن
صدا تیری الحانِ داوٗد ہے ادا ہے تری دشمنِ مرد و زن

---

[1] قداں، علی گڑھ
[2] تصدق کو لائے، لاہور

کنہیا بمعہ گوپیوں دنگ ہے — کہ ہر پل میں کرتا ہے سو سو برن
نہیں دل وہ ہے جام عالم نما — لگے جس کی چت پیچ تیری لگن
مرا سن کے شور و فغاں باغ میں — ہوئیں بلبلاں درد سے نعرہ زن

خبر لے کہ مشتاقِ دیدار ہوں
تیری یک نگہ کا طلب گار ہوں

ترا حسن ہے جانِ من انوری — سورج کو لگے دیکھ کر تھرتھری
پہاڑوں میں پھرتا ہے سر مارتا — تری چال کو دیکھ کبکِ دری
شبِ تار ہے تار تجھ زلف کا — دو رخسارہ مہتاب و لب پھلجڑی
سلیمان کو چھوڑ ہے حلقہ زن — ترا نام لے لے کے انگشتری
مرا مو بہ مو دل پریشاں ہوا — تری زلف کی دیکھ کر ابتری
ترے رشک سے آج فردوس میں — جلے ہیں گے غلمان و حور و پری
رکھے جامۂ[1] برق پر صد شرف — نگہ کی تری جان جولاں گری
جلاؤں ابھی ایک عالم کے تئیں — بجاؤں اگر آہ کی بانسری
تجھے مہرباں اپنا جانے تھا میں — نہ کی تو نے ظالم کبھو دلبری
ترا نام مشہور ہے فیض بخش — نظر کر کے کر کمتریں پروری

خبر لے کہ مشتاقِ دیدار ہوں
تیری یک نگہ کا طلب گار ہوں

دکھا اپنے ابروئے خم دار کو — کہ میں دوست رکھتا ہوں تروار کو
تجلّی ترے حسن کی کیا کہوں — نہیں ہے یہاں جائے تکرار کو
غزالاں گئے چوکڑی اپنی بھول — نظر کر تری چشمِ بیمار کو
پڑیں پیچ و بل پیچ یک پیچہ بند — سجے سر پہ جب پھینٹہ بلدار کو
جو پہنچے تری زلف کی بوی کو — کہاں بار ہے مشکِ تاتار کو
یہ دیکھ اس کے کاکل کو اے شیخِ شہر — کبھو دیوے تکلیف زنار کو
پھنسا ہوں میں اس زلف کی پیچ[2] میں — الٰہی چھڑا مجھ گرفتار کو

---

[1] جلدی، لاہور [2] قید، لاہور

نہ دیکھے تجھے جب تلک جانِ من — تسلّی نہیں چشمِ خوں بار کو
نصیبوں سے میرے ملے وہ کبھو — کہوں دردِ دل اس دل آزار کو
ہے خدمت میں تیری یہی التماس — دکھا مہر سے اپنے دیدار کو

خبر لے کہ مشتاقِ دیدار ہوں
تیری یک نگہ کا طلب گار ہوں

یہی ورد میرا ہے شام و سحر — کہ تو ہو کبھو مہرباں مجھ اوپر
ہر اک ذرّہ ہو ثانیٔ آفتاب — اگر مہر سے تو کرے یک نظر
ترے عارض و رخ سے ہر رات دن — خجل ہو کے چھپتے ہیں شمس و قمر
ترے کیوں نہ قربان ہوں مے پرست — نگہ میں تری دیکھ مے کا اثر
ہوا منفعل ہاتھ لے مو قلم — نہ پائی مصور نے تیری کمر
گرہ دل میں رکھتا ہے اپنے صنم — لبوں سے ترے رشک کھانیشکر
پڑا چیں میں چینِ ابرو کا شور — بھلائی سمندر نے اپنی لہر
نہ ہوتی مجھے دردِ سر زندگی — تو اے صندلی رنگ ہوتا اگر
میں کیا عشق کی میہمانی کروں — مرے تو نہیں آہ اندر اثر[1]
نہیں رحم کرتا تجھے کیا ہوا — مرا حال سن کر تو اے بے خبر

خبر لے کہ مشتاقِ دیدار ہوں
تیری یک نگہ کا طلب گار ہوں

ترے ابرواں کی جو دیکھی کماں — ہوا ماہِ نو سہم سے ناتواں
ترے چشم کی دیکھ گردش صنم — صبح و شام گردش میں ہے آسماں
اطاعت میں ہیں خوبرویانِ ہند — کہ اورنگ زیبی و شاہِ جہاں
ترا غمزہ خوں ریز جلاد ہے — جسے دیکھ رستم کہے الاماں
اڑا رنگ حسرت سے یاقوت کا — لباں پر ترے دیکھ کر رنگِ پاں
صنم بات دل کے نہاں مت رکھو — کہ مجھ سا نہ پاؤ گے تم راز داں

---

[1] جگر، لاہور

جدا مجھ سے ہوتے نہیں ایک دم　　جدائی سے تیری یہ آہ و فغاں
ہوئی عمر بیٹھے ترستے ہیں ہم　　کبھو تو ادھر آؤ اے مہرباں
بھولے عشق لیلیٰ کا مجنوں اگر　　سنے گر مرے حال کی داستاں
سنے گا تو کب اے تغافل شعار　　ارے رہ گئی کہتے کہتے زباں
خبر لے کہ مشتاقِ دیدار ہوں
تیری یک نگہ کا طلب گار ہوں

تجھے دیکھ کر باغ میں خوش خرام　　ہوئے سرو شمشاد آکر غلام
نظر گر کرے گوشۂ[1] چشم سے　　کرے سر کو نہوڑا کے نرگس سلام
گلابی ترے چشم کی دھوم سے　　کہ تس پر سدا چرخ کھاتا ہے جام
کیا صید اب ماہیٔ دل کے تئیں　　دکھا راج بنسی نے گیسو کا دام
نہیں ہے صنم تادمِ[2] زندگی　　ترے لب کے طالب کو مصری سے کام
کوئی تجھ تلک راہ پاتا نہیں　　ترے در پر ہے اس قدر اژدہام
جہاں میں نہیں خواہشِ مے مجھے　　تصور تری چشم کا ہے مدام
ترے غم میں اے عیش و آرام جاں　　ہوئی مجھ اوپر زندگانی حرام
کبھو تو مجھے پیار سے بات پوچھ　　کہ امرت ہے مجھ حق میں تیرا کلام
مجھے تجھ سے کچھ اور مطلب نہیں　　یہی عرض کرتا ہوں ہر صبح و شام
خبر لے کہ مشتاقِ دیدار ہوں
تیری یک نگہ کا طلب گار ہوں

جدا ہم سے کیوں ہوگیا بے وفا　　کبھو تو ہمارا بھی تھا آشنا
میاں یاد ہیں تجھ کو وہ رات دن　　جو ہوتا نہ تھا ہم سے یک دم جدا
رقیبوں کی صحبت سے تو ان دنوں　　لگا راست بازوں سے کرنے دغا
جفا و ستم اس قدر بے سبب　　یہ کس دین و مذہب میں ہے گا روا

---

[1] آئینے، لاہور
[2] لب، لاہور

تری خود نمائی میں تقصیر کیا تجھے آرسی نے کیا خود نما
چھپاؤ کہیں اپنی زلفوں کے تئیں مرے من کے ڈسنے کو ہے اژدہا
مجھے ناتوانی کا کچھ غم نہیں سدا آہ کا ہر قدم ہے عصا
دکھا چہرہ اپنا کہ مشتاق ہیں تری دید کے آج شاہ و گدا
کسی وجہ تجھ لب سے ہوں کامیاب مرے دل کا ہے گا یہی مدعا
ترے غم سے حاتم ہوا جاں بلب نہ کر دیر ظالم شتابی سے آ

خبر لے کہ مشتاقِ دیدار ہوں
تیری یک نگہ کا طلب گار ہوں



ساقی نامہ[1]

از دیوانِ قدیم ۔ بحر متقارب مقصور

سن اے ساقئ آفتابِ جہاں — سن اے قبلہ و کعبۂ مے کشاں
سن اے چارۂ خلق و تدبیر خلق — سن اے ہادی و مرشد و پیرِ خلق
سن اے ابرِ رحمت سن اے نو بہار — سن اے موسمِ گل سن اے گل عذار
سن اے قایم بارگاہِ قدیم — سن اے قول کے صادق و مستقیم
سن اے راست گو راست جو راست باز — سن اے حاکمِ ملک و عالم نواز
سن اے ساقئ رازق و نان بخش — سن اے جان و زر بخش و ایمان بخش
سن اے ساقئ پاک پروردگار — محمدؐ ہے مے کا تری جام دار
کہ جس جام میں ہے مئے سرمدی — محمدؐ نے پی جب ہو آیا نبی
نبی کون سا خاتم المرسلینؐ — ہے دریائے وحدت کا کشتی نشیں
علیؑ جس کا ہر وقت میں یار ہے — علیؑ جس کے ساغر کا مے خوار ہے
علیؑ و ولی پیر ہر مے پرست — وصی نبی جام کوثر بدست
کہوں ہوں میں ساقئ کوثر کے تئیں — دو عالم کے ہادی و رہبر کے تئیں
کہ اے ساقئ کوثر و جام بخش — ہمارے نگیں بخش وے نام بخش
مجھے میکشوں بیچ نامی کرو — مری بزم کو بزمِ جامی کرو
ترے آبِ کوثر کا پیاسا ہوں میں — تری مے کے رکھنے کا کاسہ ہوں میں
پلا مجھ کو اپنی محبت کی مے — کرم سے دو سہ جام دے پے بہ پے
کہ پھر مجھ کو پینے کی حاجت نہ ہو — کسو غیر سے پھر سماجت نہ ہو
کہ ہو جس کے پینے سے دل کو نجات — ہر ایک بوند ہو تنگِ آبِ حیات
جو صبحِ قیامت نہ کھینچوں خمار — خجالت سے اس دن نہ ہوں شرمسار
تو جوں خضر ہو رہنمائی کروں — خودی چھوڑ دوں اور خدائی کروں

---

[1] یہ لندن میں نہیں ہے۔ لاہور میں یہ عنوان نہیں ہے۔ سن کرم خوردہ ہے۔ ہر نسخے میں اشعار تقریباً برابر ہیں۔

عجب جام ہے اور عجب دست ہے — جو کوئی پیے سو بڑا مست ہے
جو وہ مست آکر گرے خاک پر — قیامت پڑے ہفتِ افلاک پر
یہی دورِ افلاک کا بھید[1] ہے — کہ جس ہاتھ ہے جامِ جمشید ہے
جہاں ساقی و شیشہ و جام ہے — جہاں ہے جہاں ساتھ کیا کام ہے
عجب خاصیت ہے مئے ناب میں — پڑے جس کا قطرا اگر آب میں
ہووے خشک جوں ریت دریا کا آب — ہووے آب میں جل کے ماہی کباب
ہے اس بزم کی اس قدر تند مے — پیے سو[2] کہے، جل گئے، جل گئے
یہاں بے خبر اب نہ لے نامِ عمر — لبالب ہوا ہے ترا جامِ عمر
صراحی نمط سر نوا کر کہو — پیالے کی مانند سرکش نہ ہو
اگر شیشۂ دل یہاں ڈھل پڑے — اٹھے پھر کے تب اس میں جب مل پڑے
صراحی یہاں ہم بنایا ہے دل — پیالہ یہاں ہم نے پایا ہے دل
گلابی یہاں خوشۂ تاک ہے — پیالہ یہاں چشمِ نمناک ہے
یہاں کا فلک اور زمین اور ہے — یہاں ہر گھڑی اور ہی دور ہے
یہاں جام ہر جام ہے آفتاب — بطِ مے ہوئی جس سے جل کر کباب
یہاں کب کسو پاس آتی ہے عقل — یہاں جوں فلک چرخ کھاتی ہے عقل
یہاں رات دن عقل سے جنگ ہے — یہاں عقل کے نام سے ننگ ہے
یہاں دیکھ خونِ جگر ہے شراب — یہاں ہے گزک لختِ دل کے کباب
مری میکشی کا جو دیکھا کمال — بن آیا ہے کشتی بلوریں ہلال
نہیں محتسب کا ہے اندیشہ آج — کہ ہم پاس ہے دارو و شیشہ آج
ارے میکشو آؤ مستی کریں — کبھو حق کبھو مے پرستی کریں
نہ آ اس طرف زاہدِ بے وضو — کہ مستاں دکھاویں گے تجھ کو کدو
اڑاویں ابھی دخترِ رز کے تئیں — جو پاویں کبھو دخترِ رز کے تئیں
تجھے آؤ نا اس طرف خوب نئیں — تجھے بزم رندوں کا مرغوب نئیں

---

[1] کی قید، لاہور
[2] جرہ کہے، علی گڑھ

مرے پاس پیرِ خرابات ہے — مجھے اس کی طاعت مناجات ہے
مجھے تیری مسجد سے کیا کام ہے — مجھے پیرِ کا کفر اسلام[1] ہے
نہیں آتی مجھ کو ریا کی نماز — مجھے ہے گا دل ساتھ راز و نیاز
مجھے جائے مسجد ہے محرابِ جام — ہے گرنا و اٹھنا سجود و قیام
وضو کا مرے آب ہے آبِ مُل — صراحی کی آواز ہے چار قُل
ہے تسبیح اب دانۂ تاک کی — دعا آرزو ہے مئے پاک کی
ہوا دل مرا خواب مستی میں گم — مجھے بس ہے اب زیرِ سرخشت خم
غلط ہے جہاں میں فلاطوں نہیں — فلاطوں وہی ہے جو ہو[2] خم نشیں
مرا روز و شب دیکھ خم خانہ ہے — مرا کاسۂ فقر پیمانہ ہے
نہ جھانکو مرے تن کی محفل کے بیچ — پری ہے چھپی شیشۂ دل کے بیچ
نہ پہنچے کبھو اس کے تئیں چشمِ بد — کہ یہ شیشہ مضبوط[3] ہے تا ابد
بھری ہے گی اس بیچ وحدت کی مے — ملا اس میں قطرا نہیں غیر شے
اگر اس کا قطرہ پیو تم کبھو — مچاؤ ہر ایک بزم میں ہا و ہو
اگر ظرف ہے تو کرو اس کو نوش — دل و جاں سے ہو خادمِ مے فروش
کہو مت کہ شیشہ میں دارو نہیں — کہ اس درد کے بیچ[4] دارو نہیں
یہ دارو ہے سب درد و غم کی دوا — اگر ہاتھ آوے تو پی اور پلا

کہ ہے شوق حاتم کو مے کا مدام
سدا جام سے کام ہے والسلام

---

[1] ایمان، علی گڑھ
[2] ہے، علی گڑھ
[3] مربوط، لاہور
[4] کہ اس مرض کی جگ میں، کراچی

وصفِ قہوہ

وصفِ قہوہ حسب[۱] الارشاد نواب عمدۃ الملک ۱۱۴۹ھ

دیوانِ قدیم، بحر ہزج مسدس مقصور

جہاں میں سرد مہری سے خزاں ہے — جو ہم سے گرم ہے تو قہوہ داں ہے
بجا ہے اس کی مجھ سے گرم جوشی — کہ جانے ہے مری پیمانہ نوشی
جہاں دیکھو تہاں ہر آن قہوہ — ہے بزمِ عیش کا سامان قہوہ
قبولِ[۲] بارگاہِ بادشاہاں — شکوہِ دست صاحب دستگاہاں
ہے شاکی رات دن نیند اس ہاتھ — عداوت ہے اسے نسیان کے ساتھ
انیسِ روح و جاں و راحتِ دل — جلیسِ بزم و رونق بخش محفل
برائے حرمتِ افزائے تواضع — تواضع اس کی ہے جائے تواضع
ہے[۳] نور دیدۂ مردم پیالہ — سوادِ سرمۂ چشمِ غزالہ
بجا ہے چھوڑ کر مسند نشینی — یہاں ہو قہوہ بر فغفور چینی
سبھوں کے ہاتھ مجلس میں پیالہ — چمن سا کھل رہا یک دست لالہ
مجھے اس آن گلِ لالہ کی دھن ہے — کہ پیالہ آب ہے اور داغ بن ہے
مرا اِک مونس دل بُن رہا ہے — سو اس کا بھی کلیجا بھن رہا ہے
وہ ملکِ عشق کا سلطان ہے گا — کہ سینہ چاک و دل بریان ہے گا
ہے سب رنگوں میں قہوہ کا عجب رنگ — گہے[۴] طاؤسی و گاہے ہے شبرنگ
بلوریں یوں لگے قہوہ سے اب جام — گلے ملتی ہے گویا صبح اور شام
مجھے ہر دن یہ چاروں جام بس ہیں — دو پیالہ صبح اور دو شام بس ہیں
بلوریں سات پیالے پیالہ داں میں — ہے جن کی روشنی ہفت آسماں میں

---

۱ مثنوی در تعریف قہوہ حسب الارشاد نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر۔ فی بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن، لندن

۲ کراچی، لندن، علی گڑھ، رام پور و لکھنؤ میں تین اشعار زائد ہیں۔

۳ لاہور میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۴ کبھی، علی گڑھ

مثالِ عقد پروین ایک جا ہیں — جو کہیے سبع سیارے بجا ہیں
بجا ہے اُس کی اہلِ بزم کو چاہ — ہمیشہ گر نہ ہو تو گاہ بر گاہ
کہ اس کو دل جلوں سے راہ ہے گی — ہر اک صحبت کی کب پرواہ ہے گی
نہیں ہوتا بجز اشراف کے یار — رہے ہے صحبتِ پاجی سے بے زار

جہاں میں زندگی حاتم دو دم ہے
ادھر قہوہ اُدھر حقہ کا دم ہے



وصفِ[1] تماکو وحقہ ۱۱۴۹ھ

حسب الحکم محمد شاہ بادشاہ معرفت جعفر علی خاں صادق

تماکو کو نہ جانوں کیا سبب ہے
ملا ہے گڑ سے اور کیوں گڑ طلب ہے

طلب ہے گڑ کی اس کو اس سبب سے
ملاوے گڑا سے پیارے[2] کے لب سے

ملا گڑ تب گڑا کو نام پایا
سبھوں نے چاہ سے تب منہ لگایا

اگر ہے تلخ پر میٹھا ہے گڑ سے
مٹھائی گڑ کی ہے گی اس میں دھر سے

کہے حقہ تماکو کیوں جلے ہے
کہ گنگا جل ترے پاؤں تلے ہے

اگن کو آب نے سے لے بجھاوے
وگرنہ باعثِ جلنا بتاوے

تماکو نے کہا حقے سے جل کر
یہ رمزِ[3] عشق ہے سنیو سنبھل کر

اگن میں جان کر جو جی جلاوے
چمن میں عشق کے تب گل کہاوے

ہوا ہوں سوکھ کر میں خشک اور زرد
یہی صورت ہے میری دیکھ بے درد

کبھو رو رو کے میں ہوتا ہوں ترنم
کبھو میں جل بجھوں ہوں غم سے ہر دم

کبھو گویا کبھو خاموش ہوں میں
انگاروں[4] سے کبھو گل پوش ہوں میں

سر[5] اوپر رات دن جلتا توا ہے
ازل[6] سے مجھ کو جلنے کی ہوا ہے

قدم سے میرے محفل ہوئے باغ
چمن میں رشک سے لالہ کو ہے داغ

زباں پر سب کے میرا نام ہے گل
نمونہ دود کا میرے ہے سنبل

کروں کیا وصف اپنے دودماں کا
ہر ایک بندا ہے میرے خانداں کا

---

۱ وصفِ تماکو وحقہ حسب الحکم فردوس آرام گاہ محمد شاہ بادشاہ ۱۱۴۹ھ از دیوان قدیم معرفت جعفر علی خاں صادقؔ۔ بحر مسطور، لاہور
مثنوی در تعریف تماکو وحقہ حسب الفرمایش جعفر علی خاں صادقؔ ایشاں حسب الحکم محمد شاہ بادشاہ (عبارت کرم خوردہ)... فی بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن، لندن

۲ لالن، لندن

۳ رمزِ عشق۔ علی گڑھ۔ سرِ عشق، لندن۔ برہ کی بات، کراچی

۴ کبھو داغوں سے پر، لندن

۵ ہمیشہ سر اوپر جلتا توا ہے، لندن

۶ جنم، لندن

یہی[1] احوال ہے ہر آن میرا | کہ جب[2] سے عشق ہے مہمان میرا
مجھے تو یار[3] کے لب سے ملا دے | جلادے پھونک دے یا پھر جلا دے
مری صحبت سے آتش تاب نے ہے | اگرچہ ناؤ اس کا آب نے ہے
کہو فوارہ آتش بار اس کو | بجز[4] جلنے نہیں کچھ کار اس کو
چلم گل[5] آب نے ڈنڈی بہم ہے | ہوئی نے نلدمن اس پر چلم ہے
اگن میں پھول اور ڈنڈی ہے جل میں | گلِ خورشید ہے شکلِ کنول میں
کنول میں کوئلا مثلِ بھنور ہے | بھنور پر پنجرۂ سر پوش زر ہے
یہ کیا سر پوش کی تقصیر ہے گی | گلے میں اس کے کیوں زنجیر ہے گی
یہ چنبر رشکِ چرخِ چنبری ہے | کہ جس کی اوٹ میں آتش بھری ہے
چلم کے جوہری خواہاں کھڑے ہے | انگارے لعل کے جوں نگ جڑے ہیں
تماکو[6] کا سنا حقے نے احوال | ہوا یک بارگی نالاں و بے حال
کہا نیچے سے تب[7] سو آرزو ساتھ | کہ ہے گا کام ہم سب کا ترے ہاتھ
یہ سن دل بیچ نیچا پیچ کھا کر | جبیں پر چیں چڑھا سینہ دکھا کر
کہا پی سے کہ پی سب کی خبر رکھ | ان اپنے دل جلوں اوپر نظر رکھ
پیا ہو مہرباں حقہ بلایا | کرم کر لے کے[8] نیچا منہ لگایا
لگا کر لب[9] سے تب یک دم میں پی نے | عزیز اب کر دیا عالم میں پی نے
لگی محبوب کی جس وقت مکھ نے | دہاں شرمندہ ہو پانی ہوئی مے
لگا مہنال تب حق حق پکارا | گویا منصور آیا پھر دوبارا
کبھو[10] حق حق کبھو ہو ہو کہے ہے | کبھو دم کھینچ کر چپ ہو رہے ہے

---

۱ یہ ہر آن ہے احوال میرا، علی گڑھ — ۲ جیسے، علی گڑھ
۳ اُس لعل، لندن — ۴ نہیں جلنے سوا کچھ کار اس کو، لندن
۵ چلم گل اب نے دنڈی نمن ہے = ہوئی نے نل چلم اُپر و من ہے، لندن
۶ سنا حقے نے تماکو کا احوال، لندن۔ جگر کے خوں سے رو رو کر بھر نال، کراچی
۷ اُس نے، لندن — ۸ لے کے، لندن
۹ ہونٹ سے، لندن — ۱۰ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔

نہ حقے میں صدائے سرسری جان — کنہیا ہاتھ گویا بانسری جان
بجا یہ حقہ و نیچے میں لے ہے — جوں مطرب ہاتھ چھلے دار نے ہے
نہ نے پر سالوی برہان پوری بوجھ — یہ کالے[1] پر تو کالی کینچری بوجھ
بڑا نیچوں میں نیچا پیچواں ہے — کہ شب رو ہم سرِ زلفِ بتاں ہے
بہارِ[2] گلشن و رشکِ ارم ہے — سراپا تاک جوں پر پیچ و خم ہے
تس اوپر تم نہ بوجھو دستگی ہے — اسیرِ رشتۂ دل بستگی ہے
کمندِ[3] دستِ محبوباں ہے نیچا — جلیس[4] و ہمدمِ خوباں ہے نیچا
کھرولی پان کی بو سے رچا ہے — گلاب و مشک و عنبر میں بسا ہے
نہیں حقہ مگر دکھنی پسر ہے — کہ چیرا کو چکی کا سر اوپر ہے
جسے دیکھے سے دل خرسند ہے گا — عجب معشوق کلغی بند ہے گا
بجا ہے بزم ہو گر اس کا میدان — کہ حقہ گوی ہے اور نے ہے چوگان
صفِ عشاق میں آتش بسر ہے — دمی نہیں اس کے سوراخِ جگر ہے
یہاں گلدستہ لانے کیا چلی ہے — تماکو گل ہے اور حقہ کلی ہے
کرے ہے طعن اب حقہ فلک پر — کہ میں ہوں خوب تر تجھ سے مدوّر
تری گردش کا ہے شکوہ ہر اک جا — مرے مشتاق ہیں اعلیٰ و ادنا
ہے الماس و گہر سے مجھ کو تزئین — بنا ہوں موتیوں سے عقدِ پروین
برائے خاطرِ معشوق طناز — کہ ہووے ایک دم وہ مجھ سے دم ساز
زمیں پر جا بجا کر لے نظارے — جھڑیں ہیں فیض سے میرے ستارے
اگر تارے نہ ہوتے آسماں میں — سہانا کس طرح لگتا جہاں میں
اسے دن رات مہر و مہ جلا ہے — میرا بھی چاند سورج خوانچا ہے
نہیں اِنڈوی یہ زر دوزوں کے گھر کی — مرے پاؤں میں ہے خلخال زر کی
سحر خورشید کا گردا بنایا — ستارا صبح کا مجھ پاس لایا

---

۱ یہ جوں کالی پر کالی کینچری بوجھ، لندن
۲ لندن میں یہ شعر نہیں ہے۔
۳ جلوس، علی گڑھ
۴ انیس، علی گڑھ

کہ یہ میں پیش کش لایا ہوں لیجو
اسے حقے کا زیر انداز کیجو

بجا ہے گردا ہوانڈوی کے ہمراہ
کہ جس کی جوت سے تاریک ہے ماہ

کرن اس گرد گردے کے سراسر
گویا خورشید نکلا ہے زمیں پر

ہے حقہ یار یارو دل جلوں کا
ہے حقہ درد میں مونس سبھوں کا

سبھوں کو اس کا پینا سود ہے گا
دھواں طفلاں کے حق میں دود ہے گا

نہ بولے آپ سے جب تک نہ بولو
کھلے نہیں پیچ سے تب تک نہ کھولو

وہ جس کے پاس یک دم آوتا ہے
وہی اس کے تئیں سلگاوتا ہے

مزا اس تلخ وش کا آئے اس کو
جو کڑوا گھونٹ سا پی جائے اس کو

کسو نے اس کی کیفیت نہ جانی
کہ کیونکر ایک جا ہیں آگ و پانی

مخالف طبع اور باہم ہیں یک جا
تماشا ہے تماشا ہے تماشا

نہ ان دونوں سے وہ بولے ہے گڑگڑ
ملیں ہیں بلکہ اس میں چار عنصر

تعمق کی نگہ سے دیکھ دم کش
جمع ہیں خاک و باد و آب و آتش

ہوا ہے جب سے وہ پیدا عدم سے
جلے ہے دم بدم سر تک قدم سے

ہے از بس آگ میں جلنے کو موجود
دلِ پر سوز و نالاں سینہ پر دود

غلام اس کے تجرد میں جتے ہیں
کینزک اس گھرانے کے ستے ہیں

وہ فارغ ہے برہ سے اور بھلی سے
سدا ہے کام اسے ذکرِ جلی سے

وہ کامل ہے گا درویشی کے فن میں
اسے خلوت ہے ہردم انجمن میں

مجھے دن رات ایسا یار بس ہے
کہ ہر دم جس کے تئیں پاسِ نفس ہے

ہے آمد رفت اس کے دم کی دن رات
ممد ہم حیات ہم فرحت ذات

ہے سب کے مذہب و مشرب سے آگاہ
ہے ہر یک محفل اندر اس کے تئیں راہ

جہاں میں اپنی وسعت مشربی سیں
کیا ہے دخل جا کفر و دیں میں

وہ ہے گا آشنا دونوں سے یکساں
طلب گار اس کے ہی ہندو مسلماں

بتاں سے ہے کبھو ہر دم ہم آغوش
کبھو جوں برہمن زنار بردوش

ہے شمعِ مجلس و مجلس کا صاحب
جہاں دیکھو تہاں سب کا مصاحب

مطیع اہل معنی ہے سراپا
مثالِ جنگ ہے خاموش و گویا

ہے عاشق سیرت و معشوق صورت
ملے ہے نیک و بد سے بے کدورت

سفر میں ہر قدم ہے یار سب کا
شبِ تنہائی میں غمخوار سب کا

قبولِ[1] خاطرِ شاہ و گدا ہے
بہفتاد ودو ملت آشنا ہے

کرے ہے غسل وہ ہر دن مکرر
ہمیشہ سے رہے ہے تازہ و تر

مسیحا[2] دم اگر کہیے بجا ہے
کہ ہر ایک مرض کو اُس سے شفا ہے

کوئی حقّہ کوئی قلیاں کہے ہے
کوئی حکمت میں صحتِ جاں کہے ہے

ضیافت اس کی ہے اے صاحبِ ادراک
بقدر حوصلہ معجون و تریاک

کوئی پیوے کوئی سونگھے کوئی کھائے
جہاں دیکھو وہ ہے موجود سب جائے

کوئی چھوٹا جہاں میں اس سے کم ہے
تماکو گر نہیں کگڑ کا دم ہے

تماکو خوب سب میں بھیلسا ہے
وگرنہ اور تو کچھ کھیل سا ہے

جو ترنم ہے تو دختر پیچ ہے گا
بجز دونوں کے اور سب ہیچ ہے گا

یہ حقّہ لایقِ شاہاں بنا ہے
فقیر اب گڑگڑی کا آشنا ہے

کہ ہونے سب کے تئیں سب جا میسر
کوئی ہو کیا غریب اور کیا تونگر

تمام عالم میں حاتم ڈھونڈھ آیا
پر ایسا دوسرا ہمدم نہ پایا[3]

---

[1] پسند، لندن [2] حکیم، علی گڑھ

[3] لندن میں شعر پر ختم ہوتا ہے۔ اختتام پر کوئی عبارت، نقل کرنے والے کا نام یا سنہ نقل وغیرہ کچھ نہیں دیا گیا۔ البتہ نسخہ لاہور میں اس جگہ پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے:

''تمام شد اختصار دیوان مخاطب دیوان زادہ من تصنیف ظہور الدین حاتم مد اللہ ظلہ''

بتاریخ بست ویکم جمادی الآخر ۱۱۲۳ھ جلوس شاہ عالم بہادر مطابق ۱۱۹۵ھ کاتبہ کمترین شاگرداں ایں جناب

''مکند سنگھ فارغ غفر اللہ ذنوبہٗ وستر عیوبہٗ''

مثنوی[1] بہاریہ مسمّیٰ بہ "بزمِ عشرت" از دیوانِ قدیم

حمد و توحید

۱۱۴۷ھ بحر ہزج مسدس مقصور

الٰہی کر دلِ ویراں کو آباد — کہ تا قایم رہے یک عمر بنیاد
دلِ تاریک میں بھر اس قدر نور — کہ ہووے نور سے تا سینہ معمور
زباں[2] کو بخش اتنی قوتِ کام — نہ ہو عاری ترا جپنے سے یہ نام
لے اپنے نام کو دل کا نگینہ — جہاں کی بزم میں دے چشمِ بینا
سناوے عشق کی نے سے اب آواز — سدا تس شوق میں ہوں نغمہ پرداز
پلا لبریز اب جامِ محبت — کہ ہے گا نقشِ دل نامِ محبت
نشہ اپنی محبت کا عطا کر — اور آنکھوں سے نظارا آشنا کر
نشے میں اس قدر کر مست و سرشار — رہے نئیں دین و دنیا سے سروکار
نہ آوے غیر تجھ بن کچھ نظر میں — در و دیوار میں کیا برگ و بر میں
عطا کر علم اب سینہ بہ سینہ — نہ کر تو مجھ کو محتاجِ سفینہ
مرے آئینہ دل کو جلا دے — دوئی کے دل سے تو پردے اٹھا دے
دکھا دے نور اپنا آشکارا — کہ آنکھیں کھول کر ماروں نظارا
نہ کر مانندِ سنبل دل پریشاں — نہ کر مانندِ نرگس دیدہ حیراں
مہیا کر ہمارے دل کے مقصود — کہ جاوے عبد کس کن غیر معبود
تو ہے معبود ہے سب انس و جاں کا — تو ہی مقصود ہے خورد و کلاں کا
تو ہی مجروح کا ہے مرہمِ جاں — تو آپ ہی درد ہے آپ ہی درماں
جو تو لیلیٰ ہو میں دیوانہ ہو جاؤں — جو تو ہو شمع میں پروانہ ہو جاؤں
اگر تو ہو چمن میں سرو گلزار — تو میں ہوں بندگی میں فاختہ وار

---

۱ 'مثنوی بہاریہ مسمی بہ بزم عشرت۔ در ۱۱۴۷ھ۔ در ہزج مسدس مقصور۔ از دیوان قدیم۔ حمد و توحید، لاہور

۲ لاہور میں یہ شعر مزید درج ہے۔

اگر ہووے گلستاں بیچ تو گل | تو میں ہوں حلقہ زن مانندِ بلبل
جدا ہووے اگر تو ہم سے یک دم | تو ہو جاوے ہمارا کام برہم
کرے گا ہم سے تو کیا کیا مرے پر | کیو جو بدسو تیرے آسرے پر
قیامت کو نہیں کچھ ہم کو حیلا | محمدؐ کا ہمیں بس ہے وسیلا
ہوا ہے[1] جان کر حاتم گنہگار | سنا ہے جب سے تیرا[2] نام غفار
خدا غفار ہے ٹک آؤ ساقی | شرابِ رحمتِ حق لاؤ ساقی
کہ گزرا ماہِ رمضان آج ہے عید | رہِ توحید میں تو چھوڑ تمہید

تمہید

شتابی آکے ساقی جام بھر دے | اٹھا دل سے حجاب اپنے کے پردے
پیا پے بے تکلف ہوکے دے جام | رہے تیئں مجھ کو تجھ کو غیر سے کام
ہمارے حال پر ساقی نظر کر | دوئی کا سرتی[3] سودا بدر کر
نظر[4] کر دیکھ کیا ابرو ہوا ہے | صدائے مور و کوئل جا بجا ہے
نگہ[5] کر دیکھ سبزے کا تماشا | زمرد رنگ ہے سب کوہ و صحرا
چمن میں چل بنا گل کا پیالہ | کہ ہووے رشک سے پر داغ لالا
پلا ہم کو لبالب ساغرِ مل | کہوں تا داستاں مانندِ بلبل
اڑا کر فکرِ ہستی دل سے برباد | چمن میں شوق کے ہوں سرو آزاد
نشے میں اس قدر کر مست و سرشار | کروں تا کوہ و صحرا سب چمن زار
کہوں مستی میں تا افسانۂ عیش | کروں مینائے دل میخانۂ عیش
اگر کچھ دل میں حاتم آرزو ہے | تو پیالا مانگ ساقی روبرو ہے
اگر ہے تو ہمارا یار ساقی | نہ کر تو اس قدر تکرار ساقی
ترے جو ہاتھ میں یہ جام ہے گا | شتابی دے کہ مجھ کو کام ہے گا

---

[1] نسخۂ قدیم میں یہاں ایک اور شعر ہے: یہی عاصی کی سمرن دم بدم ہے = کہ پیدا کرنے کی تجھ کوں شرم ہے
[2] حق، علی گڑھ
[3] سر سے آ، لاہور
[4] یہ شعر علی گڑھ میں زائد ہے۔
[5] نظر، لاہور

آغازِ سخن

نشے کا اب تو آیا ہے مجھے جوش
ہوا مشکل ہے رہنا مجھ کو خاموش
بیاں کرتا ہوں اب رنگیں حکایت
رکھے ہے لطف بے حد و نہایت
مے و ساقی و مطرب کا بیاں ہے
گل و بلبل کی شرحِ داستاں ہے
سخن کے باغ کا ہو کر کے گل چیں
کروں ہوں صفحۂ نسریں کو مشکیں
چمن کے بیچ نرگس کو قلم کر
رقم کرتا ہوں ورقِ یاسمن پر
ہر ایک سامع سے[1] یہ رکھتا ہوں امید
نگاہِ لطف سے اس کو کرے دید
سخن یہ لائقِ ناداں نہیں ہے
سمجھنا بات کا آساں نہیں ہے
نہیں میں دیکھتا ہر یک میں یہ ہوش
رکھے جو اس درِ معنی اوپر گوش
مگر ہویں کسی کی گوش شنوا
تو دیوے اس گہر کو کان[2] میں جا
سخن حاتم کا مانندِ گہر ہے
ہر یک مصرع گویا موتی کی لڑ ہے
سخن[3] یہ قطرۂ خونِ جگر ہے
ہر اک کے اس سبب دل میں اثر ہے
سن اے بادہ کشاں کی جان ساقی
ہماری[4] بات کو آ مان ساقی
خدا کے واسطے پیالا پلا جا
تماشا ہند کا مجھ کو دکھا جا

وصفِ شاہجہان آباد دہلی

یکا یک شوق میں آپ بول اٹھا جی
کہ کہیے اولاً تعریفِ دہلی
نہیں ہے شہرِ دہلی ہے گلستاں
چمن سے جس کا خوشتر ہے بیاباں
جدھر دیکھو تدھر ہے ہر کوچہ و بازار
ہوا ہے گل رخاں سے صحنِ گلزار
ہر اک دوکاں پہ چشمک باز و عیار
کہ جن کی ہر نگہ پر سو خریدار
ہر اک جا سبزہ رنگ و سرو دل جو
ہر اک نازک میان و عنبریں مو
ہر ایک کی چشمِ قاتل مست خونخوار
ہر اک کے ابرواں باڑ ھیل تروار
ہر اک کا خالِ مشکیں دشمنِ دین
ہر اک دل کو بلا ہے زلفِ پُرچین

---

[1] سیتی، علی گڑھ
[2] گوش، علی گڑھ، کراچی
[3] یہ شعر نسخۂ لاہور میں ہے۔
[4] سن اے مہر و وفا کی کان ساقی، کراچی۔

ہر اک ناز و ادا میں فتنۂ دہر — ہر اک کا غمزۂ خوں ریز ہے قہر
ہر اک نادیدہ غم پروردۂ ناز — ہر اک عیار باتوں میں فسوں ساز
ہر اک گہ کافر و گاہے مسلماں — ہر ایک عاشق کے حق میں فتنۂ جاں
ہر ایک کا حسنِ گندم گون ظالم — رقیبِ آدم و ہم جانِ عالم
سوادِ ہند کا جس کو مزا ہے — وہ لذت سے جہاں کی آشنا ہے
گلوں کے کان میں کہتی ہے بلبل — یہی کشمیر ہے اور یہ ہی کابل
وہ بیشک[1] وقت کا شاہِ جہاں ہے — جو کوئی متوطنِ ہندوستاں ہے
رہے تا حشر قایم اس کی بنیاد — رکھے حق شاہجہاں آباد آباد
اگر ساقی سے حاتم آشنا ہے — تو کہہ لے دل میں جو کچھ مدعا ہے
دیارِ حسن[2] کے سلطان ساقی — نہ کر اپنوں سے اتنی شان ساقی
پیالا دے کہ ہو کر مست جاؤں — شہاں کی بزم اندر بار پاؤں

وصفِ بادشاہ

کہوں ہوں وصف اور مدحِ شہنشاہ — محمدؐ شاہ غازی آسمان جاہ
شہِ عالی لقب دریائے ہمت — مہِ روشن لقا خورشید طلعت
شجاعِ دہر و شاہِ ہفت کشور — کمینے جن کے[3] ہیں خاقان و قیصر
لیا ہے سلطنت کو مار شمشیر — پھٹا ہے جس کے ڈر سے گردۂ شیر
جواں مرد و جواں طالع جواں بخت — کہ دے ہے زیب جس کو تاج اور تخت
وہ بیشک آج شاہِ بحر و بر ہے — جلو میں جس کے نصرت اور ظفر ہے
مبارک اس کو تاج و تخت و خوبی — سدا یہ سلطنت ہندوستاں کی
نہ رکھ حاتم طمع شاہ و گدا سے — جو کچھ چاہے سو مانگا کر خدا سے
توقع غیر سے خطرات ہے گا — کہ سب کا رزق اس کے ہات ہے گا
شریکِ مصلحت ہو آؤ ساقی — شرابِ بے کدورت لاؤ ساقی

---

۱ وہ بے شک جگ منے، کراچی — ۲ دیارِ ہند، علی گڑھ
۳ ثنا خواں جس کے ہیں، کراچی

پیالا دے کہ ہے وقتِ ملاقات　　جمع یاراں کو کر کہنا ہے کچھ بات

قسمیہ در جمع نمودن دوستاں

سنو یارو کہ آئی ہے بہار اب　　ہوا ہے کوہ و صحرا لالا زار اب
ہر اک جا دشت میں پھولا ہے ٹیسو　　رقیبوں کا ہوا سن[1] زرد اب رو[2]
غزالاں مست ہو پھرتے ہیں بن بن　　سنا جب سے کہ آیا ماہ پھاگن
ہوئی ہے شوق میں بلبل دیوانی　　کرے ہے گل کے آگے قصہ خوانی
نہ ہو کیوں زعفراں ہنس ہنس کے بے ہوش　　کہ آئی ہے بہار اب کیسری پوش
نظر کر دشت میں پھولی ہے سرسوں　　ہر ایک لیلیٰ ہوئی ہے آج مجنوں
ہوا دیوانہ دل آوازِ دف سے　　صدائے شوق سن چاروں طرف سے
یکایک شوق نے دل کو پکارا　　کہ اے دل چیت اور کر لے نظارا
اگر جا سنگ سے مارے گا سر تو　　نہیں پانے کا ایسا وقت پھر تو
بلا لے دوستوں کو بھیج پیغام　　کہ پھر فرصت نہ دے گا چرخ خود کام
لکھا تب پرزۂ دل پر بہ صد ذوق　　چلا لے دوستوں کو قاصدِ شوق
ہر اک کن شوق نے جا کر ادب سے　　دیا نامہ کہا پیغام سب سے
لکھا نامے میں تھا کر خامۂ آہ　　کہ دل جاتا ہے اے یارانِ دل خواہ
یہ بزمِ عیش بے رونق ہے تم بن　　یہ دل آوارۂ مطلق ہے تم بن
ہمارا جان و تن تم سے جدا نہیں　　نہ آؤ گے تو میرے آشنا نہیں
تمھیں ہے حسنِ محبوباں کی سوگند　　تمھیں ہے غمزۂ خوباں کی سوگند
تمھیں ہے رنگ و بوئے گل کی سوگند　　تمھیں ہے نالۂ بلبل کی سوگند
تمھیں مجھ عاشق مسکین کی سوگند　　تمھیں میرے دلِ غمگین کی سوگند
تمھیں اس موسمِ گل کی قسم ہے　　بہار و ساقی و مُل کی قسم ہے[3]
تمھیں اس وقت و اس دم کی قسم ہے　　تمھیں اس فرصتِ کم کی قسم ہے

---

[1] اب، علی گڑھ　　[2] ابرو، علی گڑھ
[3] شیشہ، لاہور

لکھوں کیا کیا تمھیں احوال دل کا | نپٹ بے حال ہے اب حال دل کا
نہیں جاتی ہے دل کی بے قراری | اشد الموت ہے گی انتظاری
جو چاہو ہو ہماری زندگانی | تو آ پہنچو اگر ہو یار جانی
پڑھا یاراں نے خوش وقتی سے نامہ | ہوا سب کے بدن پر تنگ جامہ
سبھوں کا دل ہوا جوں گل شگفتہ | کھلا نامے سے سب[1] رازِ نہفتہ
نظر کر سب نے آنکھوں سے لگایا | ہر ایک کے دل میں شوقِ پھاگ آیا
جو کوئی جس خیال[2] میں جس دھیان میں تھا | ویا جس شوق میں جس آن میں تھا
اسی دم گھر ستی دیوانہ نکلا | گدائے کوچۂ میخانہ نکلا
پلک کے مارتے ہی آن پہنچے | لیے سب عیش کا سامان پہنچے
گئے طالع ہمارے بھاگ آئے | کہ یاراں سن کے نامِ پھاگ آئے
ہمارے مرشد آئے پیر آئے | ہمارے صاحبِ تدبیر آئے
جو آئے دیکھتے مجھ طرف بولے | سبھی ہو متفق یک حرف بولے
کہ سینیے باغ میں چل کر کے اب راگ | بتاں کو جمع کر کر کھیلئے پھاگ
کہ اس سے مصلحت بہتر نہیں ہے | کسی کا باغ اندر ڈر نہیں ہے
اب ہے گا وقت اے حاتم ہمارا | کہ کیجیے آج ساقی کا نظارا
جہاں کے باغ کے دربان ساقی | ہمیں بھی آشنا کر جان ساقی
پیا لا دے کہ ٹک گلشن میں جاؤں | چمن کی سیر کر گل توڑ لاؤں

وصفِ طیاریٔ باغ

اڑ اے دل کے بھنور گل کو خبر کر | کہ آئی ہے بہار اے گل نظر کر
گرہ غنچے کے دل کی کھول دے تو | یہ مژدہ بلبلوں کو بول دے تو
یہ سن آ رقص میں بلبل پکاری | کہ میں ہوں آج گلشن میں ہزاری
کہوں ہوں تم سیتی اے غنچہ و گل | کہ آتے ہیں چمن میں مقصد کل
کریں گے آ نہال اہلِ چمن کو | وہ کیا شمشاد و کیا سرو و سمن کو

---

[1] سیتی، علی گڑھ [2] گیان، کراچی

صدا بلبل کی سن کے جا بجا سے
لگے سب کام میں اپنی ادا سے

ہوئی بادِ صبا فراشِ گلشن
اڑایا برگ برگ ہر جا سے صد منؔ[1]

کیا مل جھاڑ کر سب صحنِ محبوب
بنا کر دُم سے طاؤسوں نے جاروب

ہوا جب صاف تب سقا ہوا ابر
لگا چھڑکاؤ کرنے جا بجا ابر

لگے سب باغباں تیار کرنے
خیابانِ چمن گلزار کرنے

کرے ہے جعفری رنگیں ادائی
زمیں سیمیں کو کرتی ہے طلائی

پیالے ارگجے کے لے کے نرگس
کھڑی ہے منتظر کھو نیند از بس

گلِ مخمل کیا جب فرشِ مخمل
ہے نرگس خواب کے غلبہ سے بیکل

گلِ مہندی سے کر کر آشنائی
کیے سب بلبلوں نے کف حنائی

گئے دل تنگی اپنی بھول غنچے
خوشی سے ہوگئے جوں پھول غنچے

گلاں صحنِ چمن میں باندھ کر صف
کھڑے مانندِ ساقی جام برکف

کلاہِ مخملی کو غنچۂ باغ
پہن سر پر ہوئے جوں طفل قلماغ

دورستہ سرو ہیں استادہ دلشاد
ہوئے ہیں طوق سے قمری کے آزاد

چنبیلی کیتکی رابیل ہر یک
لیے خوشبو کھڑے ہیں جوں کنیزک

دو رنگی چھوڑ اپنی بلبلاں سنگ
گلِ رعنا ہوا اس آن یک رنگ

نہ ہو صد برگ ہنس ہنس کیوں دوانی
پہن بیٹھی ہے کپڑے زعفرانی

سبھوں میں آج لالہ سرخ رو ہے
کہ پیالا آب اور غنچہ سبو ہے

گل اورنگ زیبِ ہر چمن ہے
کہ تختِ باغ میں اس کا وطن ہے

اگر دیکھے کوئی سوئے بنفشہ
آوے مژگاں ستی بوئے بنفشہ

چمن سے آج آتی ہے عجب بو
معطر ہے دیکھو ہر روز شبو

خوشی سے پھول کر بولا ہزارا
کہ نافرماں کا کھینچو پوست سارا

کرے جو کوئی کہ نافرمانیٔ گل
اسے باندھوں بنا زنجیر سنبل

چمن میں بسکہ داؤدی کا ہے جوش
کہ جس کی بو سے بلبل کا گیا ہوش

---

[1] گل خن، علی گڑھ

کرے ہے صرف عباسی زرِ خویش　　کیا تھا جمع اس نے جو کم و بیش
چمن گل پوش ہے اس دم سراسر　　بجا ہے اس کے ہو گل طرہ سر پر
ہوئی ہے دیکھ کر یہ رنگِ گلشن　　زباں سوسن کی خوش وقتی سے الکن
نہیں رہتی ہے چپکی آج ایک پل　　چمن میں جا بجا کہکے ہے کوئل
سنا ہم آج یہ تازہ شگوفہ　　کہ بلبل گل سے مانگے ہے علوفہ
چمن میں جوں دلہن بیٹھی ہے بن بن　　ہوئی ہے آج کل پیاری سہاگن
گویا صحنِ چمن مشک آفریں ہے　　کہ جس کی بو سے ہر گل عنبریں ہے
چمن میں نہیں خوشی سے آج گل اب　　کھلا ہے شوق سے گل کا کنول اب
چمن میں کیوں نہ ہو گرمی ہر ایک جا　　ہوا خورشید گل دوپہریے کا
نہ ہوویں کیوں کہ گل مستی سے بے ہوش　　ہوا انگور کا سایہ چمن پوش
گلوں پر دیکھ کر گرمی شتابی　　گل سورج مکھی ہوئے آفتابی
ہوئے کانِ جواہر سب گلستاں　　درِ شبنم ہوئے لعلِ بدخشاں
ہوا اس وقت بحرِ زر زمانہ　　کہ فوارے ہوئے صاحب خزانہ
یکایک باغباں سن کر خبر کو　　چلے گل اشرفی لے کر نذر کو
نہ رکھ حاتم نظر تو اشرفی پر　　تو اپنا جان کر قربان پی پر
نہ کر اب میکشوں سے تنگ ساقی　　لیا در پر مئے گل رنگ ساقی
تغافل مت کرے پیالہ پلا لے　　چمن تیار ہے سب کو بلا لے

رفتن بہ باغ و سخن بہ محتسب

چلو یارو ہوا ہے باغ تیار　　فراغت سے کرو اب سیرِ گلزار
نشے پینے کا سب اقرار کر لو　　سر انجامِ چمن تیار کر لو
سبھوں نے زر سے اس دن دل اٹھایا　　جو کچھ رکھتے تھے اس دم سب لٹایا
جہاں کے ڈھونڈھ کر پیارے طوائف　　بلائے یاد کر سارے طوائف
کہ جن کے دیکھتے ایمان کانپے　　مگر ان کے ستی شیطان کانپے
تو ان کو بوالہوس کچھ اور مت جان　　یہ دل کے چور ہیں سب جان پہچان

سبھوں کا مال و جاں ان کی نظر ہے سخن میں ان کے جادو کا اثر ہے
نگہ میں دل کو عاشق کی لگا لیں جو چاہیں بات کہتے سب چھنا لیں
پلک کے مارتے ایمان لے جائیں چھپی سینوں میں سب کی جان لے جائیں[1]
نہ لے حاتم زباں پر نام ان کا نہ پھنسیو بے طرح ہے دام ان کا
تو کر ابرک گلال اورنگ کی سیر بھلا دل سے خیالِ کعبہؔ و دیر
کہ یہ وقتِ مسلمانی نہیں ہے پھر ایسی آن ہاتھ آنی نہیں ہے
کئی تودے گلالِ ارغوانی کئی ہیں سبز و زرد و آسمانی
کئی تودے عبیر اور زعفراں کے کئی ابرک کے تودے اور گلاں کے
کئی تنگیں شرابِ پرتگالی کہ جس کی بو نہیں مستی سے خالی
حباب و قمقموں سے خوان بھر بھر گلاب و رنگ کے شیشوں کو پر کر
چنگیر و پان دان و چوکھری سب گل و پان و سپاری سے بھری سب
چلے سب جمع کر کر باغ کی سیر دلوں میں محتسب سے باندھ کر بیر
سوار ہونے لگے سب جام پینے بناتے سج چڑھاتے آستینے
کوئی بازو اوپر سمرن چڑھاتا کوئی بن بن کے اپنی سج دکھاتا
کوئی تازی کداتا چست و چالاک کوئی پیالے اوڑاتا مست و بے باک
کوئی رتھ پاس آ کر کرتا اشارے کوئی پردے اٹھا جڑتا نظارے
ملائیں ہر قدم پر دست سے دست سب اپنے کام میں ہشیار و بدمست
چلے جاتے تھے سب خوش وقت و دل شاد فنونِ عاشقی میں ہر اک استاد
کٹی تھی اس طرح سے آدھی اک راہ کہ نکلا محتسب کوچے سے ناگاہ
یکایک آ گیا آنکھوں کے آگے پکھاوج تال بھڑوے چھوڑ بھاگے
گئے سب آ پڑی یاروں اوپر چوٹ ازل سے عشق کے ماروں اوپر چوٹ
پکارے یار کیا تدبیر کیجیے میں للکارا کہ ٹک تا خیر کیجیے
ڈرو مت ٹال دیتا ہوں بلا کو کہ درد ہے آشنا کا آشنا کو

---

[1] ذبح کرنا ہے پل میں کام ان کا، کراچی

کہا ہم محتسب کے پاس جا کر | گزر کر سر سے حرفِ راس جا کر
کہ ہے گر تجھ کو لڑنے کا ارادہ | تو ہم حاضر ہیں مت کہو حرفِ زیادہ
وگر دل میں ترے مطلوب ہے صلح | تو بہتر خوب سب سے خوب ہے صلح
اگر تجھ کو شریعت پر نظر ہے | حقیقت سے و لیکن بے خبر ہے
قلوب المومنیں عرشِ خدا ہے | تجھے کب عرش کا ڈھانا روا ہے
مرا دل توڑنا تجھ کو بجا[1] نہیں | یہ مینا لائقِ سنگِ جفا نہیں
کہ یہ دل منزلِ مقصود ہے گا | سراپا کعبۂ معبود[2] ہے گا
سبھوں کے دل کی گرنے پر نظر کر | خدا کے واسطے آ در گزر کر
ہمارے ہات سے اک جام پی جا | بھلا دے مرگ آ یک دم تو جی جا
یہ باتیں سن کے میرے پاس آیا | پیا لا پی خجل ہو منہ چھپایا
بچایا دستِ بد اور چشمِ بد سے | خدا نے شاہ بادل کی مدد سے
ادھر بھی دیکھ اے گل پوش ساقی | مرے متوالے و مدہوش ساقی
پیالہ دے کہ سب امن و اماں ہے | بہارِ گل ہے دیدِ گل رخاں ہے

رسیدن بہ باغ و مناظرۂ گل و گل رنگ

نہ تھی جب تک کسو کی جان تن میں | جئے پھر سب کہ جب پہنچے چمن میں
لگے سب ہر طرف گل گشت کرنے | چمن سے پھول لالا سر پہ دھرنے
اُدھر نرگس کھڑی دیدے دکھاوے | ادھر نرگس نین انکھیاں لڑاوے[3]
ادھر ظالم بناویں اپنے کاکل | اُدھر بل پیچ کھاوے دل میں سنبل
اُدھر سے ہر کلی مہندی لگاوے | ادھر سے ہر پری فندق دکھاوے
بنفشہ اس طرف مستی دکھاوے | ادھر ہر غنچہ لب پپڑی جماوے[4]
اُدھر قد کو دکھاوے سرو آزاد | ادھر چل چل بناویں[5] چھب پری زاد
دکھاوے[6] گل اُدھر رخسار اپنا | اِدھر کو منہ پھراوے یار اپنا

---

[1] بھلا، علی گڑھ [2] خانۂ معبود، کراچی [3] چڑھاوے، علی گڑھ
[4] چباوے، علی گڑھ [5] بناوے، لاہور [6] لاہور میں یہ شعر زائد ہے۔

اُدھر گل پھول رنگ و بو دکھاویں
اِدھر غنچہ دہن ہنس رو دکھاویں

اُدھر بلبل کہے اپنی کہانی
اِدھر ہے داستانِ عاشقانی

اُدھر بلبل کرے ہے آہ و نالا
اِدھر عشاق پیتے ہیں پیالا

اُدھر سے فاختہ بولے ہے کوکو
اِدھر مستاں کریں ہیں ہاؤ اور ہو

اُدھر قمری دکھاوے طوقِ گردن
اِدھر عاشق کا چاک ہے جیب و دامن

اُدھر کالی گھٹائیں جھوم آئیں
اِدھر عاشق نے آنکھیں رو دکھائیں

اُدھر لالا کا گل پیالا بناوے
اِدھر مجھ کو پیا پیالا پلاوے

گل و گل رنگ میں بحثِ ادا ہے
چمن میں آج کافر ماجرا ہے

اُدھر گل میں ادھر محبوب میں دل
ہوئی ہے زندگی حاتم کو مشکل

چمن آئینۂ عیش و طرب ہے
مکانِ حیرت و سیرِ حلب ہے

بھرا ہے کثرتِ خوباں سے محفل
پری خانہ ہوا ہے شیشۂ دل

نہ ہو کیوں نقش صورت ہر پری کا
لیا ہے دل نے رتبہ آرسی کا

سکندر طالعی سے ہم نے پل میں
لیا آئینہ رویاں کو بغل میں

بغل ہے یار کی بو سے معطر
دماغ ہے آج میرا آسماں پر

شرابِ شوق کے مخمور ساقی
محبت کے نشے میں چور ساقی

پلا دے جام تا آواز سینیے
بنا کر بزم راگ و ساز سینیے

وصف بزم ونغمہ وآہنگ

ادب سے مطربان سر کو نوا کر
بیٹھے صف باندھ با قانون آ کر

لگے بجنے ہر اک سو شادیانے
ہوئے آغاز تلانے ترانے

طنبورے نے لگا کر گوش سے گوش
ہوا رنگیں خیالاں ساتھ ہم دوش

انا الحق بولنے لاگا ہے ہر تار
لگا منصور جوں کہنے کو اسرار

ہوا جب بزم میں آواز بیں کا
گیا غم دل سے سب دنیا و دیں کا

بجے گر اس میں بینائی سے سارنگ
نہ ہو کیوں ایسی مجلس میں سدا رنگ

سنے جو آن کر یک دم ستارہ
نصیب اس کے میں ہو عمرِ دوبارہ

ارے دل سوئے سارنگی نظر کر　　کماں داران ابرو کو خبر کر
گلا سامع کا کس خاطر نشاں سے　　بجائے تیغ کاٹے ہے کماں سے
نہ جانو تم برائے مصلحت ہے　　سدا سے ہاں یہی ڈھولک کی گت ہے
دیکھو اب جل ترنگ کی خویش بینی　　لگا سازوں کی کرنے نکتہ چینی
جلاوے ہے صدا سے جی ربابی　　دلوں کو بھون ہو بیٹھا کبابی
دہل کا کیوں نہ ہووے گرم بازار　　کہ ہر آواز پر سو سو خریدار
ہمیشہ سے مری دمساز نے ہے　　کہ عالم میں بلند آواز نے ہے
لگا جب بولنے دف کھول لب کو　　کیا خاموش لب مجلس میں سب کو
سبھوں کی جان دف کے دائرے میں　　ہے سرگردان دف کے دائرے میں
کسو سے گھٹ نہیں گر چنگ و مہ چنگ　　کیا پر سب کے تئیں مردنگ نے دنگ
دیکھو اس لحن داؤدی کا اب جوش　　سلیماں کو ہوا ہدہد فراموش
لگا بے ہوش ہونے سن کے ساقی　　لگا بجنے کو جب سازِ عراقی
حسینی نغمۂ صاحب دلاں ہے　　مرا دل اس کے پردے میں نہاں ہے
نہ ہو آئینہ ساں کیوں حال سب کا　　کہ ہے گا جوش میں ساز اب حلب کا
سنے جو کوئی صدائے بربط و نے　　پوچھے بے ہوش ہو کاؤس تھا کے
لگی ہر سو صدائے ساز آنے　　ہر ایک پردے ستی آواز آنے
کلاونت زادے اب دیتے نہیں چین　　کہ ہے ہر ایک ان کی تان میں سین
کہ ٹک سے تان میں جی تان لے جائیں　　اگر چاہیں تو سب کی جان لے جائیں
یہاں ڈھاڑی بچے سب اچپلے ہیں　　کسب کے بیچ اپنے من چلے ہیں
خیالوں نے کیا ہے ان کے سن مجھ　　رہے ہے رات دن جنگلے کی دھن مجھ
کریں ہیں دل کے تئیں ٹکرے کلاونت　　ہیں اپنے کام میں سب سو رو ساونت
ہوئی سب سن کے مجلس دنگ سارنگ　　قیامت کر رہی ہے رنگِ سارنگ
گھٹا سا آج چھایا ہے ملار اب　　سبھی ہنڈول سن جھولیں ہیں یار اب!
کسو کو نہیں ہے سننے کی سکت آج　　رکھی ہے راگ کی دھرپت نے پت آج

اگر گانا تو او گھٹ بدیا ہے | یہ رکھنا تال و سر نٹ بدیا ہے
کوئی سم کی جگہ گردن ہلاوے | کوئی سن چوٹ کی جا سر بجا دے
یہاں اب عقل کا جانا بجا ہے | کہ مطرب ہوش کا دشمن ہوا ہے
گویے سب مزے میں بولتے ہیں | گرہ مجلس کے دل کی کھولتے ہیں
سب اپنے قول کے پورے ہیں قوال | کہ وہ آئے تو مجلس میں ہوا حال
جدھر دیکھو تدھر سے واہ وا ہے | یہاں صوفی کو جی دینا بجا ہے
ہماری بات کو حاتم تو دھر کان | سمجھنا راگ کا آسان مت جان
نہیں جز ڈوبنے یاں کام جی کا | اتھاہ ہے بحر علمِ موسیقی کا
کروں قربان تجھ پر جان ساقی | تری ہر آن پر ہر آن ساقی
پیالا[1] دے کہ ہے گا شوق جی کا | تماشا دیکھئے اب روشنی کا
تنک ظرفی نہ کر پیالے کو بھر دے | شروع اس وقت میں ہولی کو کر دے

وصفِ ہولی

مہیا سب ہے اب اسبابِ ہولی | اٹھو یارو بھرو رنگوں سے جھولی
ادھر یار اور ادھر خوباں صف آرا | تماشا ہے تماشا ہے تماشا
چمن میں دھوم و غل چاروں طرف ہے | اِدھر ڈھولک اودھر آوازِ دف ہے
اِدھر عاشق ادھر معشوق کی صف | نشہ میں مست ہر یک جام برکف
گلال ابرک سے سب بھر بھر کے جھولی | پکارے یک بیک ہولی ہے ہولی
لگی پچکاریوں کی مار ہونے | ہر ایک سو رنگ کی بوچھار ہونے
کوئی ہے سانوری کوئی ہے گوری | کوئی چنپا برن عمروں میں تھوری
کوئی ہے سبزہ رنگ و گندمی رنگ | کوئی سرخ و سفید و چاند سا انگ
کوئی ہے صندلی کوئی ہے گلفام | کسو کا رنگ جوں چھیلا ہو بادام
کوئی میدا سی نرم اور گدگدی گات | کسو کی قہر ہے حرکات و سکنات
کوئی ہے گی بلا کوئی ہے آفت | کوئی خوش طبع کوئی پُر ظرافت

---

[1] یہ شعر لاہور میں نہیں ہے۔ علی گڑھ میں زائد ہے۔

کوئی بات اور جگت میں شوخ اور گرم — کوئی سکچاوتی آنکھوں میں ہے شرم
کوئی یاروں سے کرتی ہے اشارے — کوئی چپکی کھڑی سب سے کنارے
کوئی آپس میں ہوتی ہے ہم آغوش — کوئی آنکھیں چرا پھرتی ہے رو پوش
کوئی لے رنگ پچکاری بھرے ہے — کوئی رنگیں لباس اپنا کرے ہے
کوئی کھولے پھرے ہے اپنی چھاتی — کوئی ہنستی پھرے ہے پان کھاتی
کوئی آ آ لپٹتی ہے مرے ساتھ — چھڑاتی ہے کوئی مجھ ہات سے ہاتھ
کوئی دامن جھٹک کر بھاگتی ہے — کوئی آ کر گلے سے لاگتی ہے
کوئی کہتی ہے ہاہا چھوڑ دو جی — کوئی مڑ مڑ کہے ہے کون ہو جی
نشے میں کوئی ادمادی پھرے ہے — کوئی مستی سے مستوں پر گرے ہے
کوئی کنگھی و چوٹی میں ہنر مند — کوئی ہے تنگ پشواز اور کھلے بند
کوئی پھولوں کی گیندے پھینکتی ہے — کوئی گیندوں کی چوٹیں سینکتی ہے
کوئی اپنا کھڑی دامن نچوڑے — کوئی آنکھیں لڑا کر منہ کو موڑے
کوئی کرتی ہے ہونٹوں میں تبسم — کوئی مارے خوشی کے آپ میں گم
کوئی اپنے نشہ میں رسمسی ہے — کوئی سر پاؤں تک پھولوں بسی ہے
کسو کی زرد پشواز اوڑھنی لال — کسو کے کھل رہے ہیں منہ اوپر بال
کھلے بالوں میں ہے ابرک کی افشاں — کہ جیسے رات کو تارے ہوں رخشاں
کسو کے ہاتھ پھولوں کی چھڑی ہے — کوئی اب شاخِ گل پکڑے کھڑی ہے
کسو کے رنگ منہ پر جم رہا ہے — کسو کے سر سے پاؤں تک بہا ہے
کسو کی زور سے چولی چسی ہے — کوئی جھٹکوں کے مارے ادھ سسی ہے
ہر اک کی دیکھ کر منہ کی صفائی — گلوں کے پھر گئی منہ پر ہوائی
ہر اک کی زعفرانی دیکھ چولی — قیامت دل پہ جو ہونی تھی ہولی
دماغِ گل رخاں سب پر عیاں ہے — گویا ہر ایک شاخِ زعفراں ہے
نشے میں یار بے خود جھومتے ہیں — بتاں کے منہ کو جھک جھک چومتے ہیں
نگاہِ چشم خوبانِ دلا رام — گزک ہے میکشوں کو جائے بادام

گزک کی احتیاج اس وقت کب ہے / کہ ہر یک کی بغل میں پستہ لب ہے
کسو کو نُقل کی پرواہ کیا ہے / کہ اس جا نقل مجلس مسخرا ہے
کبابوں کی یہاں کس کو ہوس ہے / کبابِ لختِ دل مستوں کو بس ہے
گلال و رنگ کی افراط سے یار / ہوا روئے زمیں سارا چمن زار
ہوئی ایسی ہر ایک سو رنگ پاشی / کہ مشکل ہوئی بتوں کو خود شناسی
کھنڈا ایسا گلال و ابرک و رنگ / کہ دیکھے سے ہوئے عقلِ فلک دنگ
گلال ایسا اڑا از صبح تا شام / ہوا رنگِ زمیں سارا شفق فام
پڑے ہیں ایسے ابرک ریزے سارے / زمیں اوپر گویا نکلے ہیں تارے
تماشا سا تماشا ہو رہا ہے / کہ ہر اک ہاتھ سے جی دھو رہا ہے
غرض اب سب طرف ایسا سما ہے / کہ دشمن آپ سے بھڑوا بنا ہے
صبح سے شام تک ایسی رہی دھوم / ہوا نہیں رات تھی یا دن تھا معلوم
اے شمعِ بزم مے خواروں کے ساقی / چراغِ مجلس یاروں کے ساقی
پلا ساغر کہ ہے گا شوق جی کا / تماشا دیکھئے اب روشنی کا

وصفِ روشنی

چمن میں روشنی کا ہے تماشا / چراغاں کی طرح پھولا ہے لالا
یہ نافرماں نہیں گردِ خیاباں / ہے سب چاروں طرف دودِ چراغاں
چراغاں خشک مغزی سے نہ ہوں گل / بھرو ان بیچ لالا روغنِ گل
قطار ایسی چراغوں کی بنائی / کتابوں پر ہو جوں جدول طلائی
قطار ان[1] کو چراغوں کی نہ جانو / ہیں سلکِ گوہرِ شب تاب مانو
لویں ان کے سروں پر یوں لگیں ہیں / کہ جیسے طرۂ زریں دھریں ہیں
چمکتے ہیں گے انگاروں کی مانند / گویا جگنو کیے ہیں باغ میں بند
جلے اس واسطے اس میں بتی ہے / کہ ان کے بیچ تیل سرتی ہے
چمن میں روشنی کے روپ کو تاڑ / بجائے جھاڑ صد شاخے ہوئے جھاڑ

۱؎ یہ شعر لاہور میں حاشیہ پر درج ہے۔

یہاں روشن ہیں سب جا جھاڑ بوٹے
بجا ہے فوج پروانے کی ٹوٹے

ہے ہر یک نخل یوں کنولوں سے روشن
گویا کالوں کے یہ لٹکائے ہیں من

لبِ تالاب ہے ایسی جھلا جھل
گویا باندھے ہیں مقیشی مسلسل

چمک تالاب میں ہے اس طرح کی
کہ جیسے ابر میں کوندے ہے بجلی

در و دیوار و بام و صحنِ گلشن
چراغوں سے ہوا ہے روز روشن

اُدھر سرو اور ادھر سروِ چراغاں
بہارستان ہے اس دم گلستاں

چراغوں کو چمن میں جان کر گل
ہوئے ہے اس گھڑی پروانہ بلبل

ہوئی مہتاب کی یوں روشنائی
کہ سب کے پھر گئی منہ پر ہوائی

چمن میں چھوٹتے دیکھے ستارے
فلک سے ہوگئے تارے کنارے

چمن میں ہے بہار رنگ آمیز
شگوفہ کھل رہا ہے مثلِ گل ریز

ادھر ہر شاخ پھولوں کی چھڑی ہے
ادھر اس کے مقابل پھلجڑی ہے

اسی کا جانیئے غالب ستارا
میسر جس کو ہو ایسا نظارا

نہ جانو شمع کا سوزِ زبانی
کہ اس کی چرب ہے روشن بیانی

نہ ہو جلنے سے کیوں پروانہ مایوس
کہ اس دم شمع پر پردا ہے فانوس

چمن سے لے کے تا کہسارِ صحرا
چراغاں سے ہوا گلزار صحرا

غرض ایسی ہوئی ہے روشنائی
کہ پردے عرش کے دیتے دکھائی

چراغ ہیں روغنِ ماہی سے روشن
لبِ دریا ہوا ہے صحنِ گلشن

کہ جس کے عکس سے ریگِ بیاباں
چمکتا ہے پڑا جیسے چراغاں

ستاروں سے فلک جوں خوش نما ہے
سو عکس اس کے سے پانی میں سما ہے

دھواں یوں روشنی کا چھا رہا ہے
کہ سب کہتے ہیں کیا کالی گھٹا ہے

پپیہے جان کر دھوئیں کو بدلی
پکارے مست ہو کر یک بار پی پی

پپیہوں کی صدا سن مور و کوئل
کریں ہیں شور جوں گرجے ہے بادل

بجا ہے جب اس طرح کا ہووے ابر
تو کس عاشق کو تب ہو طاقتِ صبر

لگی ہے آگ سی یارو چمن میں
بجھاؤ ورنہ اب لگتی ہے بن میں

جہاں دیکھو تہاں سب روشنی ہے — یہاں کیسی پتنگوں کی بنی ہے
مریں ہیں شوق سے یوں آ کے جل جل — کہ جن کی آگ سے بھڑکے ہے جنگل
کوئی بھی ہے کہ یہ آتش بجھاوے — کہ مجنوں گھٹ کے اس میں جل نہ جاوے
یہاں حاتم کو کب مجنوں کا غم ہے — کہ وہ جلنے میں کیا اب اس سے کم ہے
خدا کے واسطے اس آن ساقی — بڑا ہوگا ترا احسان ساقی
پلا ایسا نشہ اے شمعِ محفل — کہ پیتے جس کے آوے رقص میں دل

وصفِ رقص

صرف نسخۂ رام پور میں وصفِ رقص کے ذیلی عنوان کے بعد یہ عبارت درج ہے:

''کلیات فقیر کہ مع اثاث البیت در ہنگامۂ شاہ درانی بغارت رفتہ دو قطع اخیر ازیں مثنوی در مسودہ بنظر نیامدہ۔ یکے مجلسِ رقص دویم خاتمہ کہ قریب یک صد بیت خواہد بود۔ اگر بعضے یاران کہ نقل ایں نوشتہ بودند بدست می آید خواہد رسانید۔'' (۱۱۸۸ھ)



فرہنگ

آسیا	:	چکّی، آسمان
اتارو	:	پار کرو، مدد کرو، مشکل کشا ہو
اتارے	:	صدقہ، بری نظر سے حفاظت، صدقہ کرنا
اتھاہ	:	بے پناہ گہرائی، عمیق
اتیت	:	گوسائیں، رشی منی، فقیر، قدیم
اٹکھیل	:	چلبلا، شوخ، چنچل، چھیلا
اچپلا	:	بے چین، بے قرار
اچرج	:	اچنبھا، عجیب وغریب، انوکھا
ادمادی	:	سرشار، مست
ادھ سسی	:	مدہوش، نشے میں دھت
ارگجی	:	کئی چیزوں کو ملا کر تیار کی گئی خوشبو
ارہ	:	آرا، لکڑی چیرنے کا اوزار
اگن	:	آگ، آتش، جلن
الکن	:	لکنت، ہکلانا
انتر	:	اندر، دِلی، راز، فرق
انکھڑی	:	آنکھ، چشم، بینائی
اوگھٹ	:	کٹھن، پریشان کن، مشکل
اونا	:	نیچے، جھکتا ہوا (وزن میں)، گرتا ہوا

اونے	:	اس نے، انھوں نے
اہیر	:	شیر فروش، گوالا، گھوسی، یادو، گائے بھینس پالنے والا
ایتی	:	اتنی
اینڈنا	:	اکڑنا، اِترانا، مست ہوکر لوٹنا
باٹ	:	ترازو، راستہ، پگڈنڈی، راہ
باڑھیل تروار	:	دھاردار تلوار، کاٹ دار
بازگشتی	:	آواز کی گونج، آواز کی سمت تیر چلانا
باس	:	بو، مہک، خوشبو، بدبو
بال پن	:	لڑکپن، بچپن
باؤ	:	ہوا، باد
باہل بتانا	:	باتیں بنانا، کرنا
بتنگ	:	پریشان، عاجز، بیزار
بجل	:	اجازت، معافی، معذرت
بدبد	:	کڑھنا، بدبدانا، ناراض ہونا
بدیا	:	علم وفن، شعور، جادو کا علم
برجا	:	ٹھیک، مناسب
برما	:	چھید کرنے کا اوزار
برن	:	ذات، جنس، بھیس، رنگ
برہ	:	دوری، جدائی، ہجر، غم
بستار	:	بہت پھیلا ہوا، مفصل، ملا ہوا، وسیع تر
بستہ لب	:	بند ہونٹ، چپکی، خاموشی
بستہ مسکان	:	چھپی مسکراہٹ، زیر لب ہنسی
بکاؤل	:	باورچی، خانساماں، باورچی خانے کا داروغہ
بکر	:	کنواری، غیر شادی شدہ

بگ	:	چل، چال، خرام ناز
بنکیت	:	تاجر، بنیا
بھورنگی	:	مختلف رنگوں والا، رنگ برنگا
بوجھ	:	سمجھ، غور وفکر
بھانگ	:	بھنگ، نشہ آور
بھنڈ	:	تباہ کر دینے والا، مٹا دینے والا
بیراگی	:	فقیر، تارکِ دنیا
پت	:	لاج، شرم، حیا
پتنگ	:	پتنگا، پروانہ
پٹہ باز	:	کھلاڑی، کمر باندھ کر کھیلنے والا
پٹیتی	:	پٹے کے فن میں ماہر، رنجش
پریت	:	پیار، محبت، انسیت
پلے	:	ترازو کے دونوں بازو، پلڑے
پنڈا	:	جسم، بدن
بھاگ	:	ہولی، ہولی کھیلنا، خوش ہونا
پھاگن	:	ہولی
پیکھنا	:	بربادی، ہلاکت، کٹھ پتلی کا تماشا
پھبے	:	سجے، اچھا لگے
پھکڑی	:	ہنسی مذاق، ٹھٹھا
پھینٹا	:	چھوٹی پگڑی، لپیٹی ہوئی
پی، پیا، پیو	:	دوست، شوہر، محبوب، بہی خواہ
پیر	:	درد، تکلیف
تاپ	:	بخار، گرمی، بخار، تپش
تروار	:	تلوار، سیف

تل	:	ترازو، ایک برابر، ہم وزن
تلانا	:	ایک طرح کا رنگ
تلمیں	:	تلنا، تلا ہوا، بے چین
تنجیم	:	نجومی، انجم شناس
تنک	:	تھوڑا، ذرا، قلیل
تنگ	:	چھوٹے منہ والی شراب کی لمبی بوتل
تنگ نبات	:	تنگ شکر، شکر کی جھولی
تھانے	:	جگہ
تیلیا	:	تیل والی، گہرے رنگ کی
ٹک	:	ذرا، ایک لمحے کے لیے
ٹھور	:	ٹھکانہ، جائے رہائش
ٹیسو	:	ڈھاک کے زعفرانی رنگ کے پھول
جاپ	:	وِرد، وظیفہ، مالا پھیرنا
جپنا	:	وِرد کرنا، وظیفہ پڑھنا، عمل کرنا
جتا	:	جتنا، وزن
جٹادھاری	:	لمبے بالوں والے، درویش
جرم	:	قیمتی پتھر، شیشے کی شکن یا بال
جگ	:	دنیا، عالم، کائنات
جنا	:	فرد، مرد، ہمتی
جنگاہ	:	میدانِ جنگ
جنے	:	جن نے، جس نے، جنھوں نے
جوت	:	روشنی، چمک، کرن
جھانجھ	:	غصہ، تندی، پاؤں کا زیور
جیب	:	زبان، دہن

چبلی	:	شوخ، بے سلیقہ
چت بھنگی	:	بے حواس، نشے میں دھت
چتر	:	تاج، چھاتا
چترا	:	چالاک، ہوشیار
چتون	:	نظر، نگاہ
چرخ	:	آسمان، فلک، گردش، چکر
چرن	:	پاؤں، قدم
چشک	:	پیالہ، جام، لذت
چکارا	:	چھوٹا ہرن
چنگا	:	بھلا، اچھا، صاف ستھرا، صحت مند
چوکھری	:	پان مسالا
چھلے	:	چمک دمک، شان بان، روشن
چھب تختی	:	خوبصورتی، دل کشی
چھڑپاؤتا	:	جھاڑنا، جھڑوانا، پھنسانا
چیت جانا	:	ہوشیار ہونا، آگاہ ہونا
چیں مانی	:	ہار ماننا، شکست تسلیم کرنا
حذر	:	پرہیز، باز آنا، نفرت کرنا
حصیر	:	بوریا، چٹائی
حواشی	:	نوکر، ملازم، خادم
خالصے	:	سرکاری زمین، مالی گزاری کا شعبہ، حکومت کا تباہ ہونا
خاوند	:	شوہر، مالک، سرپرست
خجل	:	شرمندہ، نادم، شرمسار
خدنگ	:	تیر، پیکاں
داب	:	آداب، عادات، دابنا

داعیہ	:	خواہش، طلب، دعویٰ
دُر	:	گوہر، موتی
درپن	:	آئینہ، آرسی
درس	:	درشن، جلوہ، تجلی، ملاقات
درنگ	:	تاخیر، دیر، خلل
دوبھنتی	:	دورنگ کے
دود	:	دھواں
دوجا	:	دوسرا، کوئی اور
دونا	:	دوگنا، اضافہ
دہرا	:	دیوہرا، مندر، بت خانہ
دھمتر	:	اثر دار، سرکش، زبردست
دھیور	:	مچھلی والا کہار، سیاہ فام انسان
ڈکیت	:	لٹیرا، ڈاکو، رہزن
ڈگ	:	چال، فاصلہ، راستہ
ڈھاڑی	:	گویّے، گانے والوں کا قبیلہ
ڈہلیت	:	ڈھال، ڈھال رکھنے والا، ڈھالنے والا
راس	:	سیدھا، مناسب، موزوں
رام مدھ	:	رام کے پریم میں مست
رانڈ رونا	:	بیوہ کا رونا، گلہ کرنا
راوت	:	سردار، بہادر، سوربیر، سورما
رباط	:	سرائے، مسافر خانہ، رہائش گاہ
رم کرنا	:	بھاگنا، گریز کرنا
رین	:	رات، شب
سار	:	مانند، طرح، خلاصہ

سبحہ : تسبیح

سانگ : بہروپ، نقل، شکل بدلنا

سبھاؤ : مزاج، عادت، فطرت

سانونت : دلیر، بہادر، جنگجو

سجن : محبوب، صنم، معشوق

سربانی : اونٹ ہانکنا، اونٹ والا

سرت کرنا : عزم کرنا، توجہ کرنا، پھرتی دکھانا

سرچڑا : حاوی، سرچڑھا، نڈر

سرس : رسیلا، تازہ، عمدہ، رس بھرا، بہت زیادہ

سروالا : کانٹا، نوک دار، خاردار گھاس

سروہی : دودھاری تلوار، تیغ ہندی

سریجن : دوست، محبوب، خالق، بنانے والا

سکچانا : شرمانا، لجانا

سماج : منت، شرمندگی، خوشامد

سمرن : مالا، وظیفہ، تسبیح

سنسار : جہان، دنیا، عالم

سنمکھ : روبرو، مقابل، آمنے سامنے

سنن : سننا، سماعت

سواد : لطف، لذت، مزا، ذائقہ

سوچت : سوچنا، غور کرنا

سوگند : قسم، حلف

سیانا : ہوشیار، عقل مند، چالاک

سیتی : سے

سیلی باز : نٹ، رسے پر ناچنے ولا، کرتب دکھانے والا، ناز و ادا والا

سینت رکھنا : سنبھال کر رکھنا، محفوظ رکھنا
سین : اشارہ کرنا
شبرنگ : کالا گھوڑا، اسپ سیاہ
شعاع : کرن، سورج کی روشنی
شگن : شگون، فال، نیگ، مہورت
صاد : آنکھ کا اشارہ، رضا مندی
صبی : دودھ پیتا بچہ، شیر خوار
طارم افلاک : گنبد، آسمان
عاصی : گنہگار،
عبث : بے کار
علوفہ : گزارا، خوراک، روزینہ
غواص : تیراک
فندق : انگلی کی رنگ دار پور، مہندی لگا سرا
قراول : محافظ، ہراول، پہریدار
قرص : ٹکیہ، طشتری
قلماغ : قلماق، تاتاری
کاری : کالی، سیاہ، اثر دار
کاڑھا : نکالا، کاڑھ کر، چن کر
کال : وقت، زمانہ، موت
کاہلی : جلد باز، بے صبر، سست
کبود : نیلا، آسمان
کٹرکھونا : بے رحم، کاٹنے والا
کٹھور : سنگ دل، بے رحم
کحل البصر : آنکھوں کا سرمہ، نورِ نظر

کٹھیر	:	بے ڈھب، سخت مزاج
کدر	:	مَیل، کھوٹ، گندگی
کرنڈ	:	دھار تیز کرنے کا پتھر
کرن ہارا	:	کرنے والا، مختار
کسو	:	کسی، کوئی
کشٹ	:	دکھ، تکلیف
کل	:	چین، آرام
کلا	:	فن، مہارت، علم
کمیت	:	سرخ بھورے رنگ کا گھوڑا
کن، کنے	:	پاس، قریب، نزدیک
کنول پاؤ یا باؤ	:	آنکھ کی ایک بیماری، یرقان
کونین	:	دونوں جہان
کنچنی	:	رقاص، طوائف، سنارنی
کنہیا	:	سری کرشن
کنا	:	کترانا
کھاپ	:	اصل، نسل، تنا، نیام
کھجانا	:	پریشان کرنا، تنگ کرنا، چڑانا
کھجوڑ	:	تنگی، طعنے، چھیڑنا
کہکے	:	کوئل کی کوک یا آواز، کُوکُو کرنا
کھلی	:	ٹھٹھا، مذاق، تمسخر
کھنڈ	:	حصہ، درجہ، ٹکڑا، منزل
کھنڈا	:	بکھرا، شکستہ
کیتے	:	کتنے
کیلنا	:	کیل ٹھونکنا، جادو کرنا، منتر سے سانپ کو قابو میں کرنا

کین : کینہ، عداوت، بیر

کینچری : کھال، سانپ کی کھال، جسم سے الگ ہو جانے والی

گرد : گھومنے والا، دائرہ، چکر، ملا ہوا

گردا : چکر، گول، دھول

گگن : آسمان، فلک

گلگوں : گلاب کی طرح، لال، سرخ

گو : گیند

گوسالہ : احمق، بے وقوف، گائے پالنے کی جگہ

گھات : تاک، نشانہ

گھٹ : کم، تھوڑا، ذرا

گیان : عرفان، علم، جاننا

لالن : معشوق، دوست

لجاج : شرمندگی، خفت

لگ : تک، تلک

لگن : چاہت، طلب، خواہش

مانجھ دھار : بیچ دریا، منجدھار

مچھی : بوسہ، لمس

مدھ : سرشاری، نشہ، شہد

مردم دریائی : پانی کے جانور، آنکھ کی پتلی

مرن ہارے : مرنے والے، قربان جانے والے

مزرع : کھیتی، کاشت کاری

مشبک : جالی دار، سوراخوں والی

معصیت : گناہ، خطا

مکھ : منہ، چہرہ

مُل	:	دارو، شراب
ملار	:	ملہار، ساون یا برسات کے گیت
من	:	دل، جی
مندیل	:	ریشمی دستار، عمامہ
منگرے	:	بہادر، مضبوط، طاقتور
من ہرن	:	محبوب، دلکش، دلربا
منے	:	میں
ناخونا	:	آنکھ کی ایک بیماری، جلن، حسد
نانو	:	نام
نال	:	نہیں
نپٹ	:	بالکل، سراسر، بہت
نٹ	:	رسی پر کرتب بازی کرنے والا
نٹ بدیا	:	رسے پر ناچنے کا ہنر
نٹھ (نٹ)	:	دوڑ
نرخ	:	قیمت، بھاؤ
نسنگ	:	لاتعلق، آزاد، بے غرض، بے فکرا
نفر	:	نوکر، خادم
نکتوڑے	:	طعنے، نخرے
نگھرا	:	بے گھر، بے خانماں، کنوارا
نمن	:	طرح، مثل
نوانا	:	جھکانا، سجدہ کرنا
نویت	:	نوے، شمار، ریاضی داں
نہانی	:	راز، پوشیدہ
وارنا	:	قربان کرنا

واسوخت	:	جلا ہوا، بیزار
وسواس	:	شک وشبہ
وے	:	وہ
ہانک	:	آواز، پکار
ہم تکی کرنا	:	آمنے سامنے ہونا، دوچار ہونا
ہول	:	تیز دھار اوزار کا چبھونا، بھونکنا
ہیکل	:	ہار، روپے، سونے کی مہروں کا ہار
ہیز	:	نامرد، بودا، ڈرپورک، کمزور



مصادر

۱۔ دیوانِ حاتم (قلمی)، ۱۱۵۸ھ ذاتی نسخہ دہلی

۲۔ دیوانِ حاتم (قلمی)، کتب خانہ، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی

۳۔ دیوان زادہ (قلمی)، ۱۱۶۹ھ، انڈیا آفس، لائبریری، لندن

۴۔ دیوان زادہ (قلمی) ۱۱۸۸ھ، رضا لائبریری، رام پور

۵۔ دیوان زادہ (قلمی)، ۱۱۸۸ھ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۶۔ دیوان زادہ (قلمی) ۱۱۹۵ھ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

۷۔ انتخابِ دیوانِ شاہ حاتم، حسرت موہانی، احمد المطابع، کان پور، ۱۹۲۵ء

۸۔ دیوان زادہ، مرتبہ غلام حسین ذوالفقار، مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور، ۱۹۷۵ء

۹۔ دیوانِ حاتم۔ عبدالحق، دہلی، ۲۰۱۰ء

۱۰۔ شاہ حاتم حالات وکلام، غلام حسین ذوالفقار، مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور، ۱۹۶۴ء

۱۱۔ آبِ حیات، محمد حسین آزاد، نول کشور گیس، پرنٹنگ ورکس، لاہور، ۱۹۰۷ء

۱۳۔ آبِ حیات، مرتبہ محمد ابرار عبدالسلام، ملتان، ۲۰۰۸ء

۱۴۔ آج کل، دہلی، دسمبر ۱۹۵۸ء

۱۵۔ اردو، کراچی، انجمن ترقی اردو، جولائی ۱۹۶۷ء

۱۶۔ اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، ڈاکٹر رؤف پاریکھ، کراچی، ۱۹۹۶ء

۱۷۔ اردو نثر میں طنز و مزاح، ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، لاہور، ۲۰۰۴ء

۱۸۔ انتخابِ حاتم دیوانِ قدیم، مرتبہ عبدالحق، دہلی، ۱۹۷۷ء

۱۹۔ Blumhard J.F. Catalogue of the Hindustani

Manuscripts - India office, 1926
۲۰۔ تذکرۂ ریختہ گویاں، سید فتح علی حسینی گردیزی، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ۱۹۳۳ء
۲۱۔ تذکرۂ شعرائے اردو، میر حسن، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، ۱۹۴۴ء
۲۲۔ تذکرۂ ہندی، غلام ہمدانی مصحفی، دہلی، ۱۹۳۳ء
۲۳۔ چمنستانِ شعرا، لچھمی نرائن شفیق، اورنگ آباد، ۱۹۲۸ء
۲۴۔ دِراسات، نثار احمد فاروقی، دہلی ۱۹۷۸ء
۲۵۔ دہلی میں اردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر، محمد حسن، دہلی، ۱۹۸۹ء
۲۶۔ دیوانِ آبرو، مرتبہ محمد حسن، علی گڑھ، ۱۹۶۴ء، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء
۲۷۔ دیوانِ سجاد، مرتبہ شمیم احمد، مظفر پور، ۱۹۷۸ء
۲۸۔ دیوانِ شاکر ناجی، مرتبہ فضل الحق، دہلی ۱۹۷۶ء
۲۹۔ دیوانِ فائز، مرتبہ مسعود حسن رضوی، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، ۱۹۶۵ء
۳۰۔ دیوانِ یکرو، مرتبہ شمیم احمد، پٹنہ، ۱۹۷۵ء
۳۱۔ دیوانِ یقین، مرتبہ فرحت فاطمہ، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی
۳۲۔ سرگذشتِ حاتم، محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات حیدرآباد، ۱۹۶۶ء
۳۳۔ سعادت یار خاں رنگین صابر علی خاں، کراچی، ۱۹۵۶ء
۳۴۔ شعر العجم، حصہ سوم، شبلی نعمانی، فیض عام پریس، علی گڑھ، ۱۳۲۵ھ
۳۵۔ عقدِ ثریا، غلام ہمدانی مصحفی، ۱۹۳۴ء
۳۶۔ علم الکتاب، خواجہ میر درد، لکھنؤ، ۱۳۹۱ھ
۳۷۔ عیار الشعرا، خوب چند ذکا (قلمی)
۳۸۔ عیارستان، قاضی عبدالودود، پٹنہ
۳۹۔ غزلیاتِ سودا، مرتبہ نسیم احمد، بنارس، ہندو یونیورسٹی، بنارس، ۲۰۰۱ء
۴۰۔ کلیاتِ ولی، مرتبہ نور الحسن ہاشمی، دہلی، ۱۹۴۵ء
۴۱۔ گلشنِ گفتار، خواجہ حمید، اورنگ آباد، ۱۳۲۹ھ
۴۲۔ گلِ رعنا، حکیم سید عبدالحیٔ، معارف، اعظم گڑھ، ۱۳۵۳ھ

۴۳۔ مجالسِ رنگین، سعادت یار خاں رنگین، ۱۸۶۴ء

۴۴۔ مجموعہ الانتخاب، شاہ کمال (قلمی)

۴۵۔ مجموعۂ نغز، حکیم قدرت اللہ قاسم، مرتبہ حافظ محمود شیرانی، لاہور، ۱۹۳۳ء

۴۶۔ مخزنِ نکات، قائم چاند پوری، لاہور، ۱۹۶۶ء

۴۷۔ معاصر، پٹنہ، جنوری ۱۹۵۲ء

۴۸۔ میر درد خواجہ، دہلی، ۲۰۱۰ء

۴۹۔ نکات الشعرا، میر تقی میر، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء

۵۰۔ یادگارِ شعرا، مترجم طفیل احمد، ۱۹۴۳ء

۵۱۔ تاریخِ ادبِ اردو، جمیل جالبی، جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۹ء



اشاریہ

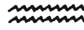


Table Discussion of scholars in this field in March, 2010. This provided a platform for scholars to come together, share their experience and chart out a course of action. It was heartening and very encouraging to see the enthusiasm and response of scholars at this meet which included specialists from different disciplines like literature, history, medicine, theology and music. Under the programme for dissemination of knowledge a committee of experts was formed to shortlist manuscript for publication by National Mission for Manuscripts. It gives me pleasure to share the fact that this was the first Expert Committee on Publication to be set up by National Mission for Manuscripts.

The Diwanzadah of Shah Hatim (1699-1784) was recommended by the expert committee for publication and is the first in the Prakashika series to see the light of the day. It is a work composed in Delhi in the year 1746. Shah Hatim is the most respected and celebrated poet of earliest Urdu literature in North India. His creativity and awareness of social change is beautifully brought out in his writings. His old Diwan composed in the year 1731 is considered to be the first Urdu Diwan of Northern India. This was also edited and published by Prof. Abdul Haq in 1977 with painstaking efforts. Since then he has devotedly worked towards editing Diwanzadah of Shah Hatim which is the most comprehensive collection of the poet's work.

Prof. Abdul Haq is best known for his deep insight in the field of Iqbal studies but he has now switched over to the study of classical literature. He procured seven existing manuscripts of the Diwanzadah located in several collections in different parts of the world. He has minutely edited this work from the collection of manuscripts and deserves all appreciation for his dedication. This is a remarkable classical work and the way Prof. Haq has edited it is a model of research work of high standards. A detailed introduction of 100 pages with glossary and index has been added to the text, this makes it immensely valuable. It is indeed an honour for the National Mission for Manuscripts to publish such an important classical work so painstakingly edited by a scholar of repute.

I look forward to many such publications in the future.

Dipti S. Tripathi

Director, NMM

FOREWORD

The present volume Diwanzadah is not only the first Urdu work but the first manuscript to be published in the Prakashika series of National Mission for Manuscripts. This series has been conceived as a means of bringing to light hitherto unpublished manuscripts in different fields. There would be three types of publications in this series :

i) Facsimile of the rare manuscripts/single copy manuscript that would become extinct if not saved in this manner. Some rare illustrated manuscripts may also be included in the facsimile form.

ii) Critical edition of manuscripts with detailed introduction and

iii) Critical edition of manuscripts with introduction, translation and annotation.

Prakashika, as the name suggests, is an effort to bring to light the hidden treasure in the form of manuscripts in this country. This will help in making this literature easily accessible to scholars and researchers. Freedom and convenience of access in turn acts as an impetus to research and further work in the field concerned.

The National Mission for Manuscripts has a mandate to work for dissemination of knowledge contained in manuscripts. We have taken up this work on a serious note only since 2010. It is heartening to see that with the help of dedicated scholars several manuscripts are ready to see the light of the day. When I joined National Mission for Manuscripts in January, 2010, I was surprised to see that scant attention had been paid to our heritage of Persian, Arabic and Urdu manuscripts in this country. Of course there were individual scholars working in this field but planned regular work had not been undertaken at an institutional level. The Mission held the first Round

Published by :

National Mission for Manuscripts

11-Mansingh Road,

New Delhi-110001.

Phone : + 91 11 2307 3387

E-mail : director.namami@nic.in

Website : www.namami.org

Co-published by :

Dilli Kitab Ghar

3961-Gali Khankhanan, Jama Masjid,

Delhi-110006.

Phone : + 91 11 23252696

E-mail : dillikitabghar@gmail.com

Price : ₹ 250

Prakashika Series

ISBN 978-93-80829-02-9

ISBN 978-93-80829-04-3

First published 2011



Prakashika Series

Number-1

General Editor

Dipti S. Tripathi

Diwanzadah